بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشکول

اولیائے کرام مولا علیؑ کی بارگاہ میں

حضرتِ شاہ حسین لال شہباز قلندرِ کبریا کا مکمل دیوانِ کامل، عارفانہ تشریحات کے ساتھ..

جلد اول

آیت اللہ ڈاکٹر عمران لیاقت حسین

پیشکش: تعمیرِ سیھون فاؤنڈیشن

www.drimranliaquat.com

جملہ حقوق برائے

تعمیر سیہون فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

اشاعت.....۲۰۰۵

تعداد.....۱۰۰۰

قیمت.....۹۰۰

ناشر.....مکتبہ حامدیہ

کمپوزنگ.....سید سکندر مسعود نقوی

ڈیزائننگ.....ایم آر خورشید (گلوبل سوفٹ)

ملنے کا پتہ:

C/47 طارق روڈ، پی.ای.سی.ایچ.ایس

نزد کے.ایف.سی

کراچی، پاکستان

0300-8297596

0300-2177497

جھولے لال

دایم از ولایت علی خواهم گفت
چون روح قدس، نادِ علی خواهم گفت
تا روح شود، غمی که در جان من ست
کل هم و غم سینجلی خواهم گفت

مولوی معنوی حضرت مولانا رومؒ
بحوالہ کلیاتِ شمس تبریزی

انتساب

قلندرِ کبریا

کے

نام

حضرت شاہ حسین لال شہباز قلندرِ کبریا

آدمی کام کا نہیں رہتا
عشق میں یہ بڑی خرابی ہے
لن ترانی بھی طُور سوزی بھی
پردے پردے میں بے حجابی ہے
پوچھتے کیا ہو مذہبِ اقبال
یہ گنہگار بوترابیؑ ہے

حکیم الامت سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

بحوالہ باقیاتِ اقبال

نمبر شمار　　فہرست مضامین　　صفحہ

۱۔　پیش لفظ.....شیخ گلریز علی　　۱۱
چیئرمین تعمیرِ سیہون فاؤنڈیشن

۲۔　مقدمہ.....آیت اللہ ڈاکٹر عمران لیاقت حسین　　۲۲

۳۔　مقدمۂ خطبۃ البیان یعنی اسرارِ ولایتِ مطلقہ　　۳۹

۴۔ دیوانِ کامل ۲۸۰

حضرت شاہ حسین لال شہباز
قلندرِ کبریا

۵۔ حضرت شافعیؒ ۵۰۸

۶۔ حضرت ابی حدید المتزلیؒ ۵۱۶

۷۔ حضرت حلاج منصورؒ ۵۲۳

۸۔ حضرت جنید بغدادیؒ ۵۲۶

۹۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ ۵۳۱

۱۰۔ حضرت شمس تبریزؒ ۵۸۱

۱۱۔ حضرت مولانا روم (مولوی معنوی) ۵۸۷

۱۲۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کرمانیؒ ۶۳۸

۱۳۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ ۶۶۲

۱۴۔ بابا بلھے شاہؒ ۶۸۳

۱۵ حضرتِ سلطان باھوؒ ۶۹۳

۱۶ حکیم الامت حضرت ڈاکٹر سر محمد اقبال ۶۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ رب العزت کا لاکھ درجے شکر ادا کرتا ہوں جس نے میرے خواب کو حقیقت میں بدل دیا۔ یہ خواب سالوں سے چلا آ رہا تھا کہ کس طرح اُن ہستیوں کا کلام جمع کیا جائے۔ جنہوں نے مولائے کائنات علیؑ مرتضےٰ صلوٰۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی اس وقت تک ولی اللہ بن نہیں سکتا جب تک وہ اپنا ماتھا مولائے کائناتؑ کی چوکھٹ پر نہ ٹیکے۔ ہزاروں اولیائے کرام کے مزارات دنیا کے کونے کونے میں سچائی اور حقانیت کیساتھ موجود ہیں تو پھر ان کا کلام، دیوان، منقبت، رباعی کی کتبُ کہاں غائب ہیں اور آج تک کبھی کسی عالم مفتی کے منہ سے کسی بھی ولی اللہ کی منقبت یا رباعی جو اس نے مولائے کائناتؑ کی بارگاہ میں پیش کی ہو کسی جمعۃ المبارک یا عیدین یا کسی بھی مقدس دن کے موقعے پر سننے کو ملی ہو۔ یہ تشنگی رہی اور اس تشنگی میں اس وقت اور بھی اضافہ ہوتا ہے کہ جب مولوی صاحب، مفتی صاحب مالکوں کے

بجائے غلاموں کی تعریف کرتے اور اس تعریف میں جو المیہ تھا وہ یہ کہ جو مالکوں (مالکوں سے مراد میری پنجتن پاکؑ اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) کے در کے غلام اور دربان کی حیثیت بھی نہیں رکھتے ان کی تعریف میں مولوی صاحب آگے نکل جاتے کہ غلام کو مالک اور مالک کو غلام کے مرتبے تک پہنچا کر دم لیتے ہیں، گویا ان کی تقریر اور تبلیغ کا مقصد ہی ان کے استادوں اور پیر و مرشد سے یہی ملا ہے کہ ہر صورت میں شیر اور بکری کو ایک ہی مقام پر اکٹھا رکھنا ہے۔ مرتبہ بڑھنے نہ پائے۔ یہ ان مولویوں کا قصور نہیں....

اب ذرا ماضی میں چلیں، غور کریں اور سوچیں تو پتہ چلے گا کہ سرکارِ دو عالمؐ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری پردے کے بعد نبیؐ کے غلاموں نے اپنے آقاؐ کے کس فرمانِ مبارک پر عمل کیا. کسی بھی ایک فرمان کی حرمت کا پاس کیا ہو. ذرا سوچ کے بتایئے جواب آپ کو نفی ہی میں ملے گا. آقاؐ نے ظاہری آنکھیں کیا بند کیں سب کے نقاب ہی اتر گئے۔ حسد، بغض، نفرت، خواہشات سب کچھ چند لمحوں میں

عیاں ہوگئیں جس کا سب سے بڑا ثبوت مقدمہ باغِ فدک ہے. جہاں حجتِ ولایتِ مطلقہ حضرتِ فاطمہؑ کو گھنٹوں دربار میں کھڑا رکھا گیا اور اس صدیقہِ اکبر کی گواہی کو جھٹلایا گیا اور سب سے شرمناک پہلو یہ ہے کہ خانہِ بتول کو نذرِ آتش کیا گیا وہ درِ بتولؑ جہاں ملائیکہ بھی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے تھے جس در پر تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے جو در ملائیکہ کے آنے جانے کی جگہ تھی، وہ درِ بتولؑ جس کی جھاڑو حضرتِ سلمانِ فارسیؓ اپنے ریشِ مبارک سے دیتے تھے.

جبکہ روز روشن کی طرح یہ حقیقت بالکل واضح تھی کہ حضور مکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے بعد مولائے کائنات علی المرتضےٰ کا ثانی پوری کرہ ارض پر نہیں ہے اور ان کی عظمت و شان کا حضور کے صحابہ نے ہر موقعہ پر بانفسِ نفیس مشاہدہ کیا.

یہ مشاہدہ علی المرتضیٰؑ کا کعبہ میں ظہور ہونا ہو.

یہ مشاہدہ مولائے کائنات کا ظہور کے بعد حضورؐ کا چہرہ مبارک دیکھنے تک آنکھیں بند رکھنا ہو.

یہ مشاہدہ دعوتِ اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنا ہو

یہ مشاہدہ جنگِ بدر کا ہو، جنگ خندق کا ہو، جنگِ خیبر کا ہو

یہ مشاہدہ بابِ علم کا ہو یا بابِ حکمت کا ہو

یہ مشاہدہ بابِ عدل ہو یا، بابِ شجاعت ہو

یہ مشاہدہ سخاوت کا ہو یا حلم کا ہو

یہ مشاہدہ ہجرت کا ہو یا بعد از ہجرت کا ہو

یہ مشاہدہ انصار اور مہاجرین کی مواخات کا ہو

یہ مشاہدہ عیسائیوں سے مباہلہ کا ہو

یہ مشاہدہ مسجدِ نبوی کی طرف کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا ہو ماسوا علیِ المرتضیٰؑ کے دروازے کے کھلے رہنے کا ہو

یہ مشاہدہ فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں علی المرتضیٰؑ کو اپنے پشت اور کاندھے پر سوار کرانے کا ہو

یہ مشاہدہ مکہ کے باہر غدیر خم کے مقام پر من کنت مولا فہذا علی مولا کے اس اعلان کا ہو جس سے دین کی تکمیل ہوئی۔ غرض یہ کہ کوئی مقام

ایسا نہ تھا جہاں قدرت نے علی المرتضیٰ کا بنی نوح انسان کو مشاہدہ نہ کرایا ہو۔ لیکن بات نصیب کی بھی تھی، بات عطا کی تھی، بات عرفان کی تھی، بات عشق کی تھی، بات عشق کی خیرات کی تھی، بات اس خیرات کی تقسیم کی تھی، بات ایک زاہد، عابد اور عارف کے درمیان فرق کی تھی۔

پھر

یہ فرق حضرت ابوبکر اور حضرت سلمان فارسیؓ کا تھا

یہ فرق حضرت عمر اور حضرتِ مقدادؓ کا تھا

یہ فرق حضرت عثمان اور حضرتِ ابوذر غفاریؓ کا تھا

یہ فرق معاویہ اور حضرتِ قنبرؓ کا تھا

یہ فرق یزید اور حضرت حبیب ابنِ مظاہرؓ کا تھا

مشیتِ یزدی کے تحت اس فرق کو زمانے میں ظاہر ہونا تھا۔ یہ خیراتِ عشق کا معاملہ تھا یہ تقسیمِ عرفان کی بات تھی ورنہ دین کی تکمیل خمِ غدیر کے بجائے مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع میں ہو جاتی۔ اس کتاب کے قاری کے لئے پیش لفظ کی تمہید اتنی ہی کافی ہے۔ میں نے ایک ایک کتاب کو

ایک ایک جملے میں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ تحریر طوالت اختیار نہ کرے. لہذا اب ہم کشکول کی بارگاہ میں چلتے ہیں اور تھوڑی سے روشنی حاصل کرتے ہیں. پوری کائنات درحقیقت کشکول میں سمائی ہوئی ہے پوری خدا کی خدائی کشکول کی زد میں ہے اس کشکول کی ابتدا کشتیِ نوحؑ سے ہوئی ہے یہ خدائی کشکول تھا، جس میں رب العزت نے اپنی پیدا کردہ تمام مخلوقات کے جوڑے اس میں جمع کیے جس سے مخلوقِ خدا کی دوبارہ شروعات ہوئی. اس کشکول کے ماتھے پر حضرت نوحؑ نے پانچ مقدس اسمِ مبارک لکھ کر لگائے اور اللہ رب العزت سے ان پانچ مقدس اسم کے طفیل منزلِ مقصود پر پہنچنے کی دعا کی جو قبول کی گئی.. یہاں ذرا رُکیئے اور آج گھر سے باہر نکل کے دیکھیں تو آپ کو حیرت ہوگی کہ جس کشکول کے ماتھے پر حضرت نوحؑ نے ہزاروں سال قبل یہ پانچ مقدس اسم لکھے تھے وہی ہزاروں سال کے بعد بھی آج کے موالی کے ہاتھ میں جو کشکول ہوگا اس پر بھی پانچ مقدس اسم لکھے ہونگے. اور یہ مقدس تختی جس میں پانچ مقدس نام حضرت نوحؑ نے

لکھے تھے وہ آج بھی روس کی حکومت کے پاس موجود ہے۔ یہ پانچ اسم پنجتنِ پاکؑ کے ہیں یہ پنجتن پاک کون ہیں یہ پنجتن پاکؑ وہ ہیں۔ جن کے لئے اللہ رب العزت نے جبرئیلؑ کے ذریعے چادر تطہیر بھیجی یہ چادرِ تطہیر والے ہیں۔ یہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔۔ یہ پنجتنِ پاکؑ وہ ہیں جن میں سے ایک کا بھی زمین اور آسمان میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ یہ پنجتنِ پاکؑ اللہ کا سراپہ ظہور ہیں۔ یہ اللہ کا نورِ علیٰ نور ہیں۔ ان کی ہی ذات کشتیِ نوحؑ کے مانند ہے جو اس میں سوار ہوا وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوا۔ حضرتِ بیدم وارثی فرماتے ہیں کہ:

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
زہراؑ حسنؑ و حسینؑ مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ

تو پتہ چلا کہ پنجتنِ پاکؑ کے مقدس اسمِ مبارک انبیائےؑ کرام کی زبان کا ورد ہوا کرتا تھا جو ہر مشکل وقت میں یہ مقدس ہستیاں مدد فرمایا کرتی تھیں۔ یہی وہ نکتہ آغاز ہے ''عظمتِ پنجتنِ پاکؑ'' جس کے علم کو لے

کرادارہِ تعمیرِ سیہون فاؤنڈیشن دنیا میں نکلا ہے جس کی ابتداء پاکستان سے ہورہی ہے. کیونکہ چودھویں صدی کا ملاّ عظمتِ پنجتنِ پاک کو تسلیم کرنے سے نا صرف انکار کرتا ہے بلکہ حد درجہ کوشش کرتا ہے کہ ان کی عظمت کو چھپایا جائے اور ان کے مقابلے میں وہابی نے ''سب تن پاک'' کا نعرہ لگایا ہے اور سنی نے چار یار کا نعرہ لگایا ہے. ان نعروں کا مقصد سچ کو چھپانا ہے نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ عظمتِ پنجتن پاک کی شان میں جس قدر کتب ہیں وہ کتب خانوں سے غائب کردی گئی ہیں اور خانہ پوری کے لئے ضخیم دیوان اور کلام کی جگہ کتابچے رکھ دیئے گئے ہیں..

اب ذرا قرآن مجید کی طرف آتے ہیں کہ ہر شخص سے پوچھا جائے کہ قرآن میں کتنے قل شریف ہیں تو جواب ۴ قل شریف کا ہوگا جبکہ ۵ قل شریف ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانچواں قل کیوں چھپایا گیا. کیوں تسلیم نہیں کیا گیا، کیوں امت کو محروم رکھا گیا تو اس کا جواب بالکل واضح اور صاف ہے کہ اس پانچویں قل شریف میں مولائے

کائنات کی ولایتِ مطلقہ کا اظہار ہے. عظمتِ پنجتن پاک کا ذکر ہے.
اللہ رب العزت جو خالقِ الغیب ہے اس نے مولائے کائنات کو عالمِ الغیب قرار دیا ہے. مطلب یہ کہ ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کی شان دنیا پر ظاہر نہ ہونے پائے..
(قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ پانچواں قل شریف پارہ ۲۹ سورہ جن ہے)...
اور جو اس مقدس اسم علی کا ذکر کرے اسے سنی رافضی اور شیعہ غالی کہتے ہیں لیکن بیچارے پھر بھی پریشان ہیں کہ روز بروز علی علی کی صدائیں اور نعرے ہر طرف گونج رہے ہیں اور قیامت تک گونجتے رہیں گے...
لہذا ان حالات کو دیکھتے ہوئے اب اس دور کے ملا، مجتہد، مفتی، عالم، دانشور، اسکالر، مفکر کی بات نہیں ہوگی. بلکہ اب بات ہوگی ان ہستیوں کی جن کی پوجا تمام مسالک کے لوگ بالواسطہ یا بلا واسطہ کرتے ہیں سنی، شیعہ اور وہابی اپنے بنائے ہوئے مجدد، ابدال، قطب اور امام کی چوکھٹ پر کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے امام کائناتوں کے امام کی

چوکھٹ پر اپنا ماتھا کس طرح رگڑ رہے ہیں اور کس طرح سے اپنا نذرانہ عقیدت پیش کر رہے ہیں..

لہذا اب بات ہوگی

امام شافعی کی، حضرتِ سخی لال شہباز قلندرِ کبریا کی، شیخِ اکبر محی الدین ابن العربی کی، خواجہ معین الدین چشتی کی، حضرت شمس تبریز کی، حضرت مولانا جلال الدین رومی کی، بابا فرید الدین شکر گنج کی، خواجہ نظام الدین اولیا کی، شاہ عبد الطیف بھٹائی کی، سلطان العارفین سلطان باھو کی، حضرت بوعلی شاہ قلندر کی اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی.

اب آپ اندازہ لگائیں کہ ان اولیائے کرام کا، رندوں کا، عارفین کا اور قلندرِ کبریا کا اصل کلام حاصل کرنا کتنا مشکل ہوگا لیکن یہ مشکل اسوقت آسان ہوتی چلی گئی جب میری ملاقات آیت اللہ ڈاکٹر عمران لیاقت حسین فلسفی سے ہوئی. ان کے تعارف کا ذریعہ ان کی کتاب انوار العقول بنی جسے پڑھ کر ان کا معترف ہوا. اور جب ملاقات کا

سلسلہ شروع ہوا تو میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں مولائے کائناتؑ کی شان کے بارے میں کتاب چھپوانا چاہتا ہوں جس کا موضوع یہ ہوگا'' اولیائے کرام مولا علیؑ کی بارگاہ میں'' اس بات نے ڈاکٹر صاحب کو میرے زیادہ قریب کر دیا. اور ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ اس سلسلے میں میرا مکمل تعاون حاضر ہے. اور روز و شب ڈاکٹر صاحب اس عظیم مشن میں مصروف ہیں کتابوں کی دشواریاں اپنی جگہ حقیقت ہے. جس کے لئے بھاگ دوڑ جاری ہے لہذا ابھی کشکول کی پہلی جلد قارئین کے لئے پیش کی جارہی ہے یقیناً اس سے پہلے ایسی کتاب وجود میں نہیں آئی ہوگی....

سگِ کوئے سیہون

شیخ گلریز علی

چیئرمین

تعمیرِ سیہون فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام حمد وثناء اس مولا کے لئے سزاوار ہیں جس کی ولایتِ مطلقہ تک ہم گنہگاروں کی فکروں کی بلند پروازیاں پہنچ نہیں سکتی. اس مولائے کائناتؑ کی لامحدود عجائبات کو شمار نہیں کیا جا سکتا. اور نہ ہی کوئی وجودِ ناقص ان کے لامحدود کمالات پر پہنچ سکتا ہے...

ولایتِ مطلقہ کیا ہے؟ یہ ایک راز ہے اُسکے حقیقی اسرار و رموز کی معرفت موجودات فانی کا خاصہ نہیں. کمالِ بشریت کی محض معراج یہ ہے کہ وہ ولایتِ مطلقہ کی چوکھٹ پر اپنا ماتھا ٹیک دے. اور فنا فی الولایتِ مطلقہ ہو جائے. کیونکہ کمالِ بشریت کی عقلی پروازیں درِ ولایتِ مطلقہ پر کوتاہ اور ہیچ نظر آتی ہیں. اس لئے ناممکن ہے کہ کوئی ظرفِ محدود، لامحدود کمالات کو اپنے اندر سمیٹ لے. کجا لامحدود کمالات و عجائبات، معرفتِ خالقِ لامحدود کی عجائبات و کمالات یعنی ولایتِ مطلقہ کی معرفت!

ولایت، اللہ رب العزت کی صفت ہے اور اس کی صفت اور قدرت کا ظہور ولایتِ مطلقہ ہے. جسکی تفصیلی بحث اس مقدمے کے آخر میں میری کتاب ''خطبۃ البیان یعنی اسرارِ ولایتِ مطلقہ'' میں بیان کی گئی ہے. جو اس کتاب میں

شامل ہے .جاننا چاہئے عقلِ مطلقہِ خالقِ موجودات اور عقلِ مطلقہ خالقِ عجائبات ہے.

گویا عجائبات کیا ہیں؟ کیا کوئی عقلِ ناقص عالمِ موجودات کی عجائبات کا احاطہ کرسکتی ہے؟ کجا عجائباتِ عقلیہ، عجائباتِ نورانیہ، عجائباتِ جنیہ، عجائباتِ ملکوتیہ، عجائباتِ جبروتیہ، عجائباتِ ناسوتیہ، عجائباتِ لاھوتیہ، عجائباتِ حیوانیہ، عجائباتِ نفسیہ، عجائباتِ نباتات و جمادات، عجائباتِ فطرت، عجائباتِ تصرف، عجائباتِ محسوسات، اوران سب سے بڑھکر ولایتِ مطلقہ کا صاحبِ مامورِ امرِ کن فکاں ہوکر عجائباتِ تخلیقیہ کا حکم صادر کرنا. یعنی لامحدود بے شمار، عجائبات کے مظہر کو ولایتِ مطلقہ مولائے کائنات علیؑ مرتضٰی کہتے ہیں.

جہاں یہ عقدے کھل جائیں، وہاں ولایتِ مطلقہ کی بندگی شروع ہوجاتی ہے. عجائبات کے اسرارِ و رموز سے پردے اُٹھنے شروع ہوجاتے ہیں. اور بندۂ عارف فنافی ولایتِ مطلقہ ہوجاتا ہے اور اس پر عارفانہ مستی طاری ہوجاتی ہے. اور اُس کے وجود میں ولایتِ مطلقہ

کے نور کا ظہور ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کہا اللہ رب العزت کی قدرت اور صفت کا ظہور ولایتِ مطلقہ ہے۔ اور ولایتِ مطلقہ کے نور کا ظہور قلندر کبریا ہیں۔ اس لئے قلندرِ کبریا کا یہ شعر:

حیدریم قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علیؑ ھستم

اپنے اندر لامحدود کمالات اور عجائبات کے معنی رکھتا ہے. اس لئے جب ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرارِ ورموز سے پردہ اٹھتا ہے تو بقول اقبالؒ

افلاک سے آتا ھے نالوں کا جواب آخر
کرتے ھیں خطاب آخر، اُٹھتے ھیں حجاب آخر
تھا ضبط بہت مشکل سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

ہماری بحث مناظرے کی نہیں ہے یہ تنگ نظر ملاؤں کا کام ہے جنہوں نے شعور و علم کی پُر خار وادی میں قدم رکھا ہی نہیں وہ محض تن آساں

ہیں. اور ہوائے نفس کی بندگی کرتے ہیں. یعنی خواہشاتِ نفس ان کا مذہب ہے انہوں نے طریقت، حقیقت کی لکڑی کو دانت سے کاٹنا ہی نہیں کجا معرفت!

اسلئے مناظرہ نام ہے جاہل کی ذہنی سطح پر آ کر گفتگو کرنا! جاہل مناظرہ کرتا ہے معصوم مباہلہ کرتا ہے. اس لئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں..

دِل سوز سے خالی نگاہ پاك نہیں ھے
اِس میں کیا عجب کہ تو بے باك نہیں ھے
کیا صوفی و ملاّ کو خبر میرے جنوں کی
اِن کا سرِ دامن ابھی چاك نہیں ھے

اسلئے بندہ عارف اور فقراء کی کبھی بھی مُلّا ازم سے نہیں بنی، یعنی ملاّ کا راستہ اور مولاؑ کا راستہ اور. اسلیے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے دو بڑے مسلک یعنی شیعہ اور سنی ولایتِ مطلقہ سے حسد کرتے ہیں. جس کی تشریح ہم نے حضرت شافعیؒ کے کلام کے ترجمے میں کی ہے حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مولا علیؑ کی محبت رفض ہے تو اے لوگوں سن لو

شافعی سب سے بڑا رافضی ہے عجیب بات ہے اگر ولایتِ مطلقہ کے فضائل بیان کئے جائیں جبکہ ولایتِ مطلقہ کے فضائل کی تمہید کُل کائناتوں کی مخلوقات نہیں کرسکتیں، تو اہل سنت کہتے ہیں کہ رافضی ہے یعنی جھوٹا ہے. ملّا پرست شیعہ کہتے ہیں کہ غالی ہے کہ فضائلِ مولا علیؑ میں غلو کرتا ہے. اور عجیب تر بات یہ ہے کہ انسان ناقص یعنی مُلّا جسکو فکرِ ناقص نے ولایتِ فقیہ بنادیا... اسکی تقلید واجب اور اللہ رب العزت کی ولایتِ مطلقہ جس کا جھنڈا مولا علےؑ کے ہاتھ میں ہے وہ واجب نہیں ہے نعوذ باللہ جبکہ دنیا میں صرف دو ولایتیں ہیں ایک اللہ کی ولایت دوسری ابلیس کی ولایت، ابلیس کی ولایت کا جھنڈا نفسِ امارہ رکھنے والے ملّا کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کی ولایتِ مطلقہ کا جھنڈا خالقِ نفسِ مطمئنہ مولا علیؑ کے ہاتھ میں ہے. یعنی اس دنیا میں ولایتِ ابلیس، ولایتِ علیؑ سے برسرِ پیکار ہے...

کشکول دراصل محض ایک کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ مولا علےؑ کے موالیوں کا صحیفہ آسمانی ہے اسی لئے اِس کا عنوان ہی یہ ہے

کہ ''اولیائے کرام مولا علیؑ کی بارگاہ میں'' جاننا چاہیئے کہ عارفین کا سلسلہ مولا علیؑ کی دربار میں لامتناہی ہے. ہم نے اس کتاب میں عارفین کے کلام کی چیدہ چیدہ غزلیات، منقبت، مثنوی کا انتخاب کیا ہے. لیکن ہم محسوس کر رہے ہیں کہ اس کے لئے نامعلوم کتنی جلدیں درکار ہونگی. بہرحال کشکول کی پہلی جلد ولایتِ مطلقہ کے رندوں اور موالیوں کے لئے پیشِ خدمت ہے. کشکول کی پہلی جلد میں سب سے اہم اور مشکل ترین کام ''حضرت شاہ حسین لال شہباز قلندرِ کبریا'' کے مکمل دیوان کی ترتیب اور عارفانہ تشریحات ہیں. مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہے کہ مجھ جیسا ہیچ گو، کوتاہ، علم ناقص عقل رکھنے والا ایک محدود انسان قلندرِ کبریا کے دیوان مبارکہ کی عارفانہ تشریحات کی تمہید بھی باندھنے میں ناکام رہا ہے. اس دیوانِ مبارکہ کے حوالے سے تفکر اور تعقل کی ایک راہ کھول دی گئی ہے. لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ قلندر صاحبِ تصرف ہیں۔ وہ جتنا چاہیں گے اس قدر ہی ہم ناچیز بندے ان کے کلام کی عارفانہ تشریحات میں قلم اُٹھا سکتے ہیں، نہ جانے ابھی

کتنا کلامِ قلندر فقراء کے سینوں میں پوشیدہ ہے. جو سرکارِ قلندرِ کبریا کا راز ہے شاید آنے والی نسلیں اس معرفت کے بحر بیکراں سے پردہ اٹھا سکیں... ہوسکتا ہے کہ کشکول کی آئندہ آنے والی جلدوں میں قلندرِ کبریا کا مزید کلام، عارفانہ تشریحات کیساتھ شامل کیا جائے. لیکن جیسا کہ میں نے کہا بغیر ان کی اجازت کے ناممکن ہے. قلندرِ کبریا کے دیوان کے سلسلے میں جن تین کتابوں کو حوالہ بنایا گیا اس میں جلال الدین مغل جلیل سہوانی کی ''الشہباز'' ڈاکٹر سید حیدر مہدی کی ''حیاتِ قلندر'' اور بالخصوص محترم الٰہی بخش شیخ مرحوم کی کتاب ''دیوانِ قلندر'' اس کے علاوہ انگریز مورخ برٹن کی کتاب گریٹ آف دی پویٹ آف سندھ اور دوسری کتاب پرشین پویٹ آف سندھ بھی قابلِ ذکر ہیں لیکن الٰہی بخش شیخ کی تحقیق وجستجو جوانہوں نے فقراء کی محفلوں میں بیٹھ کر کلامِ قلندر کو جمع کیا اور جن جن حضرات سے انہوں نے استفادہ کیا اس میں محترم میاں اختر حسین، پیرزادہ سجادہ نشیں بودلہ بہار، سید صابر علی شاہ، محمد گوہر، ڈاکٹر ایچ اے کی کتاب پرشین پویٹ آف

سندھ Persion poets of Sindh، خان بہادر خداداد خان، فقیر ظفر علی، ایس ضیاء الدین، محبوب علی چنا، حکیم فتح محمد سہوانی، جناب سید صادق علی شاہ سبزواری گدی نشین سہیون شریف جناب غلام حسین قریشی، یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے الہی بخش شیخ مرحوم کی دیوانِ قلندر کے سلسلے میں بھرپور رہنمائی فرمائی. ہمارے لئے سب سے مشکل مسئلہ یہ درپیش رہا کہ قلندرِ کبریا کا بہت سا کلام بوعلی شاہؒ سے منسوب ہوگیا تھا. جبکہ بوعلی شاہ کی مثنوی، غزلیات، اپنا ایک الگ رنگ رکھتیں ہیں، جو کشکول میں شامل ہیں. جیسا کہ میں نے مندرجہ بالا لکھا ہے کہ ابھی قلندرِ کبریا کے دیوان پر تحقیق کا سلسلہ جاری ہے اور ہوسکتا ہے کہ آئندہ جلدوں میں مزید کلام سامنے آئے. قلندر شناسی جہاں ہمیں مولانا رومؒ، شاہ نعمت اللہ ولیؒ، اور بوعلی شاہؒ کے کلام میں نظر آتی ہے اس سے کہیں زیادہ واضح تصویر ہمیں حکیم الامت علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے کلام میں آشکار ہوتی ہے علامہ اقبالؒ سے میرا فکری اور روحانی تعلق کوئی نیا نہیں بلکہ قدیم ہے. جس کا حقیقی ثبوت ۱۹۸۶ میں

اقبالیات کے حوالے سے میری اہم کتاب رومی و اقبالؒ در حکمتِ قرآن ہے علامہ اقبالؒ نے قلندر شناسی کے حوالے سے بہت سے عارفانہ اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنے فارسی کلام میں قلندر کی صلوۃ اعلیٰ کا ذکر فرماتے ہیں جس کو قلندرِ کبریا نے اپنے کلام میں اس طرح فرمایا:

ز عشقِ دوست ہر ساعت درون ناری رقصم
گہے بر خاک میغلطم گہے بر خارمی رقصم

میں اپنے محبوب کے عشق میں ہر وقت آگ پر رقصاں رہتا ہوں کبھی خاک پر لپٹتا ہوں کبھی کانٹوں پر رقص کرتا ہوں۔

قلندرِ کبریا نے دردِ مولا حسینؑ کی صلوۃ کو اس طرح قائم کیا...

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

قلندر میل تقریرے ندارد
بجز این نکتہ اکسیر ندارد

ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خون شبیر ندارد

قلندر کبھی لچھے دار تقریر کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ تو اپنے دامن میں سوائے ایک نکتے کے اور کچھ بھی نہیں رکھتا وہی نکتہ درحقیقت اکسیر ہے وہ فقط اسی قدر جانتا ہے کہ زمین شور اور ویرانے کی کھیتی اس وقت تک قطعی طور پر پیداوار نہیں دے سکتی جب تک کہ اسے خونِ شبیرؑ سے سیراب نہ کیا جائے..... علامہ اقبالؒ نے قلندرِ کبریا کے حسینیؑ لال سلسلے کی وضاحت کی ہے. قلندرِ کبریا اپنے دیوان میں انسانوں کو یہ دعوت دے رہے ہیں اے انسان مادیت پرستی کو چھوڑ دے اور اپنے دل میں ولایتِ مطلقہ کے عشق کی شمع روشن کر. اور جب تو وہ شمع روشن کریگا تو کسی باطل کے آگے تیرا سر نہیں جھکے گا. اور تو ظالم سے ٹکرا جائیگا. قلندرِ کبریا کے تحقیق کرنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عظیم فریڈم فائٹر تھے. اور سوشلسٹ عارف تھے. جنہوں نے اس وقت کے ظالموں کے خلاف آوازِ حق کو بلند کیا. اور حسینیؑ سلسلہ نام ہی

اس چیز کا ہے کہ سچ کو سچ کہا جائے۔ اور ظالم کو ظالم کہا جائے۔ اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب انسان تن کی دنیا چھوڑ کر من کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں...

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھکو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

علامہ اقبالؒ کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بقول ڈاکٹر غلام جیلانی

برق کے قلندرِ کبریا بندہ عارف کو وہ سپاہی بنانا چاہتے ہیں جس میں شہباز کی جھپٹ ہو۔ ضیغم کی ہیبت، پہاڑوں کا جلال، سمندر کا طنطنا، طوفان کی روانی ہو، ساتھ ہی وہ حیریمِ سینہ میں ایسا قلب رکھتا ہو۔ جو ولایتِ مطلقہ کے نور سے قندیل راھب کی طرح فیروزاں ہو جائے اور جس کی دھیمی دھیمی لو میں لامکاں نظر آنے لگے اور جب اس کا قلب جانِ جہاں نما بن جائیگا تو وہ عرفانِ نفس، شعورِ ذات اور آدابِ خودگاہی کے نکتہ علمیہ کو آشکار کر لیگا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں..

کہ جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر آثارِ شہنشاہی
اے طاہر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جسکی فقیری میں بوئے اسد اللہی

ظاہر ہے جسکی فقیری میں بوئے اسد اللہی ہوگی وہی بندۂ بوترابی ہوگا۔

بوئے کے اسد اللہی جب مردِ عارف میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے تمام حواس سمٹ کر منزلِ عشق کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں. اور اس عمل کے پیہم تکرار سے اس کی روح کو ایک پراسرار قوت اور ایک آسمانی توانائی کا احساس ہوتا ہے اور آنکھوں کے سامنے کچھ لطیف جلوئے رقص کرتے نظر آتے ہیں. اور دل کی چٹانوں سے کیف و سرور کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں کائنات کی مخفی طاقتیں اشاروں پہ ناچنے لگتی ہیں زندگی محدودیت سے نکل کر بحرِ بیکراں میں تبدیل ہو جاتی ہیں...

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ
یا سنجر و طغرل کا آئینِ جہانگیری
یا مردِ قلندر کے انداز ملوکانہ
یا عقل کی روبائی یا عشق یداللہی
یا نعرہ مستانہ کعبہ ہو کہ بت خانہ

میری میں، فقیری میں، شاہی میں، غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرات رندانہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قلندر شناسی میں علامہ اقبالؒ بعنوان قلندر کی پہچان میں کیا کہہ رہے ہیں بھرپور طریقے سے اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ قلندرِ کبریا بے اختیار نہیں بلکہ صاحبِ تصرف مردِ عارف ہیں. جس کا زیور ملایت کی قدامت پرستی نہیں. بلکہ جہانِ تازہ کے افکار کی روشن خیالی ہے..

قلندر کی پہچان

کہتا ہے یہ زمانے سے یہ درویش جو انمرد
جاتا ہے جدھر بندہ حق تو بھی ادھر جا
ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بانگاہ قلندر سے گذر جا!
میں کشتی و ملّاح کا محتاج نہ ہونگا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تُو تو اتر جا!
توڑا نہیں جادو میری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرات تو مُکر جا!

مہرومہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر!

قلندرِ کبریا نے اپنی غزلیات میں جگہ جگہ فرقہ پرست، قدامت پرست ملاّ اور ریا کار صوفی، پیر، سجادہ نشین، جو مخلوق خدا کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں. اور انسانیت کی توہین کرتے ہیں انکی مخالفت کی ہے اور آزادی فکر کے حوالے سے انسان کو بتایا ہے کہ وہ اگر اپنے نفس کی ہوا و ہوس کو قابو میں کرے تو اس کا روحانی سفر شروع ہو جاتا ہے اور وہ عالم اصغر سے عالم اکبر میں تبدیل ہو جاتا ہے. لیکن شرط کردار سازی ہے. کیونکہ کلامِ قلندر ولایتِ مطلقہ کی بندگی میں تعمرِ آدمیت کا درس دیتا ہے علامہ اقبالؒ بعنوان ''مستیِ کردار'' میں فرماتے ہیں...

صوفی کی طریقیت میں فقط مستیِ احوال
ملاّ کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار
شاعر کی نوا مردہ، و افسردہ بے ذوق
افکار میں سرمست ناخوابیدہ و نہ بیدار

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جسکی رگوں پہ میں فقط مستیِ کردار

ہم نے اپنی کتاب کشکول میں قلندرِ کبریا کا کلام جہاں تک ہم کو مل سکا اس کو مکمل طور پر شامل کر دیا ہے اس مکمل دیوان میں جہاں تعمیر آدمیت کردار سازی پر بحث ہو رہی ہے وہاں ببانگ دہل ولایتِ مطلقہ کی بندگی کا اعلان کیا جا رہا ہے. اور جو کچھ اس دیوان مبارکہ میں کہا گیا ہے انہی عارفانہ سلسلوں کو طریقت، حقیقت اور معرفت کے رنگوں میں عارفین کی زبان میں نقل کیا گیا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ عارفین کے کلام کا سلسلہ کشکول کی کتنی جلدوں میں محیط ہوتا ہے لیکن میرا نظریہ یہ ہے کہ لاتعداد جلدیں لکھ لی جائیں بے شمار عارفین کا کلامِ مقدسہ کا جو مولا علیؑ کی شان میں ہے اس کی توضیح و تشریح ضبطِ قلم کر دی جائے تو بھی مولائے علےؑ کی ولایت مطلقہ کے اسرارِ و رموز کی تمہید بھی نہ بن سکے گی اور جن کے قلوب میں ولایت کے نور کی شمع روشن ہوتی رہیگی ان سے یہ سلسلہ روز حشر تک جاری و ساری رہیگا. بحر حال انسان عقلِ ناقص رکھتا ہے اور عقلِ ناقص کے لئے یہ ناممکنات میں سے ہے کہ وہ عقلِ کُل یعنی ولایت مطلقہ کی مکمل معرفت رکھ سکے اس لئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں..

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا، نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں حلاکِ جادو سامری تو قتیلِ شیواء آذری

مرا عشقِ غم، مرا شہد سم، مری بودوھم نفسِ عدم

تیرا دل حرم، گردِ عجم تیرا دین خریدارِ کافری

دم زندگی دم زندگی غم زندگی سم زندگی

غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ھے شانِ قلندری

تیری خاک میں ھے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر

کہ جہانِ نانِ شعیر پر ھے مدارِ قوتِ حیدری

اب ہم اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں کہ ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرار و رموز کیا ہیں. اور انسانِ ناقص کی رسائی کہاں تک ہے. بندۂ عارف اسرارِ ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرار و رموز کی معرفت اس وقت حاصل کرے گا جب وہ مولائے کائناتؑ کے خطبۃ البیان کا نگاہِ عمیق سے مطالعہ کرے گا. اسرارِ ولایتِ مطلقہ کے موضوع پر ہماری کتاب خطبۃ البیان یعنی اسرارِ ولایتِ مطلقہ جو کشکول کے مقدمے میں شامل کی جارہی ہے. مولا علیؑ کے موالیوں، رندوں کے لئے پیشِ خدمت ہے.....

HOLY FATIMA

مقدمہ

خطبۃ البیان

یعنی

اسرارِ ولایتِ مطلقہ

تالیف

آیت اللہ ڈاکٹر عمران لیاقت حسین

ISBN 969-449-027-8

www.drimranliaquat.com

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اُٹھتے ہیں حجاب آخر
تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

علامہ اقبالؒ

میں پناہ مانگتا ہوں انسان کے شر سے کیونکہ جملہ کلُ
مخلوقات کا شر انسانی شر کے آگے ہیچ نظر آتا ہے۔
لہٰذا انسان حیوانِ عقلی ہے یعنی اشرف ہے اس
لئے بدون عقل شر کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب
انسان کی عقل پر خواہشات نفسیہ غالب آجائیں اور
وہ شر فتنہ و فساد پھیلانا شروع کردے۔ تو اُس
وقت سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

انتساب

عقلِ ABSOLUTE WISDOM

مطلقہ اور علمِ کلّ کے نفیس امتزاج کے

نام جس کے ظہورِ مسلسل

(Continuity of Emergence)

کو ولایتِ مطلقہ کہتے ہیں۔۔

جو زندگی تحقیق و تجسس
سے خالی ہو وہ گزارنے
کے قابل نہیں ہوتی

(سقراط)

کافر!

حقیقتِ مطلقہ نہ جاننے کی ضد

بچے اندھیرے سے ڈریں تو
کوئی تعجب نہیں لیکن بالغ
لوگ روشنی سے ڈرنے
لگیں تو یہ حیرت کی بات
ہوگی۔

افلاطون

دانائی مطلقہ خالقِ موجودات ہے

The Absolute wisdom is creator of all existence

جاننا چاہیے کہ خالقِ حقیقی یعنی عقلِ مطلقہ نے عقلِ نورانیہ کو تخلیق کیا۔ اسے قوتِ گویائی دے کر فرمایا۔ آگے آ۔ وہ آگے آئی۔ پھر کہا پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹی پھر عقلِ مطلقہ نے کہا میری عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ محبوب ترین مخلوق کوئی اور خلق نہیں کی تجھ کو صرف اس شخص میں کامل کرونگا۔ جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقلِ مطلقہ جسے عقلِ کل بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر لفظِ خلق کا اطلاق نہیں ہوسکتا لیکن اس کی مخلوقِ اول جس کو عقلِ نورانیہ یا عقلِ جزوی یا عقلِ فعال کہا جاتا ہے۔۔ جس کا ہونا یا پایا جانا کسی بھی خلقت میں اشرف ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لیے اشرف المخلوقات کو حیوانِ ناطق اور حیوانِ عقلی کہا جاتا ہے۔ یعنی Rational animal لیکن اگر عقلِ مطلقہ اپنی صفت، قدرت کے ساتھ اپنا بھرپور اظہار چاہے تو آیا وہ محتاجِ خلقت

ہو جائے گی یا بدونِ خلق اپنا ظہورِ کُل کر سکتی ہے۔ یا اپنے ظہورِ کُل کے لئے اپنی ہی کسی اعلیٰ خلق کا سہارہ لینا پڑے گا۔ لیکن اسکی اعلیٰ سے اعلیٰ تخلیق لامحدود ہو کر سلسلہِ لامتناہی رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ یہ صرف عقلِ مطلقہ کا خاصہ ہے کہ اسکی معرفت محال ہے۔ اور اس کی اعلیٰ مخلوقات جن کو عقلِ نورانیہ اور عقلِ فعال کہا جاتا ہے اسکا ادراک نہیں کر سکتیں۔ تو یہ پھر کیسے ممکن ہے کہ لامحدود کمال ظرفِ محدود میں سمٹ آئے۔ یا عقلِ مطلقہ کے لامتناہی سلسلے متناہی ہو جائیں۔ یہی وہ اسرارِ عقلِ مطلقہ اور عجائباتِ عقلیہ ہیں جن پر سے پردہ اُٹھایا جا رہا ہے۔ اور پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرافتِ فلسفے کا قائل ہو۔ اور جدید و قدیم فلسفے اور ریاضی کے قطعی اصولوں پر دسترس رکھتا ہوں۔ کیونکہ فلسفے کے حقیقی معنی ہی (Love of Wisdom) ہیں۔ جذبات کا اندھا پن۔ قدامت پرستی، منقولات سے لگاؤ اور معقولات کی مخالفت یعنی شعور و آگہی سے نفرت، تفکر و تعقل پر پہرے، منافقت ریاکاری کو مصلحت کا نام دینا، سرمایہ دارانہ نظام اور جنسی لذات کا تحفظ، عقلِ ناقص کی پلیدگی سے پیدا ہونے والے علومِ ناقصہ یعنی اجتہاد قیاس اور جہلا کے اجماع کو حجتِ

قطعی قرار دینا، عقلِ نورانیہ کی شرافت سے پیدا ہونے والے علومِ لطیفہ کی بھرپور مخالفت اور انسانی ہوا و ہوس یعنی خواہشات نفسیہ کو جزِ دین قرار دینا یہ وہ کیفیاتِ انسانیہ ہیں جو مضبوط مذہب کی تخلیق کا سبب بنتی ہیں۔ جہاں عقل و شعور کی مخالفت برائے مخالفت اور انا پرستی کی تسکین مسلسل جاری و ساری رہتی ہے۔ میں نے ۱۹۸۶ میں مولوی معنویؒ اور علامہ اقبال کے کلام کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے جو کتاب لکھی (رومی و اقبال در حکمتِ قرآن) اس کتاب کی ابتداء میں بعنوان لامحدود کمال میں بھی میں نے مذہب کی بھرپور مخالفت کی تھی اور آج جون ۲۰۰۳ میں جب میں مقدمہ اسرارِ ولایتِ مطلقہ لکھ رہا ہوں یعنی تقریباً ۱۷ سال کے بعد جبکہ درمیان میں بہت کتابیں لکھیں۔ جس میں عظیم کتب انوار العقول، الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ بھی شامل ہیں اور دوسری طرف تجرباتِ زندگی بقولِ اقبال (لے گئی علم کی پیاس کشا کشا مجھے) لیکن شرافتِ عقل اور عقل مطلقہ کے حقیقی اسرارِ رموز پر تفصیلی بحث شروع کرنے سے پہلے اپنی ۱۹۸۶ کی تحریر بعنوان لامحدود کمال کو یہاں نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ وہ منزل شعور پر میرا پہلا قدم تھا اور آج

عجائباتِ عقلیہ کے لامحدود بحرِ نورانیہ میں سفر کی شروعات ہیں۔ یعنی نا یافت کا یافت کی طرف سفر مکمل ہوا جس کی ابتداء بے چینی اور اضطراب اور انتہا بھی یہی لیکن اب اس سفر کی ابتدا ہی اطمینان (لامحدود کمال بحوالہ رومی و اقبال در حکمتِ قرآن) قدیم دانشوروں نے مذہب کا دوسرا نام وہم نفس رکھا۔ میرے نزدیک یہ وہم نفس ہی نہیں بلکہ نفرت ہے۔ نفرت بھی اسے کہہ کر میرے نفس کو تسکین نہیں یہ تو نفرت کبریٰ ہے۔ میرے علم و شعور کو نفرت کی خاردار جھاڑیوں میں مقید کر دیا گیا۔ اور برسوں سے میں ان آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں ۔ کیونکہ نفرت کے تعفن زدہ غاروں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر جہالت کی پھپھوندی جم گئی ہے۔ اور وجود جہل نفس سے ناآشنا ہے۔ اس جہالت کی پھپھوندی نے سہارا مادیت لے کر تقویٰ کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ جو کبھی مکارم اخلاق بن کر، کبھی منقولات بن کر صدیوں سے انسانیت کا خون چوس رہی ہے۔ جو دیو ہیکل اژدہے کی طرح انسان کے وجود کو نگل گئی ہے۔ اس کے منہ سے نکلنے والی آگ نے کاغذی پیرہن کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ وہم نفس کی تلوار نے میری کاٹھ کی تلوار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ مگر میں آزاد ہو گیا اور اپنے

ٹوٹے ہوئے قلم کو ہاتھ میں لے کر منتشر افکار کو یکجا کر کے کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا رہا اچانک مجھے حورانِ آگہی نے گھیر لیا۔ تو میرا قلب جام جہاں نما بن گیا۔ میں نے چلّا چلّا کر پوچھا یہ کون سی جگہ ہے تو جواب ملا وہ جگہ جہاں لوحِ محفوظ پر نسخہ کیمیا موجود ہے۔ اب میرا قلم میری فکر آزاد ہے۔ میں علم و عرفان کے سمندر میں غوطہ زن ہوں قطرہ بارگاہِ عشق سے فیض پا کر قلزم متلاطم بن گیا تو آواز آئی۔ یہ لامحدود کمال کی طرف تمہارا پہلا قدم ہے۔

اب ہم عقلِ مطلقہ کے عجائبات پر سے پردہ اٹھانے سے پہلے محض وہ عقل جس کا انسان میں پائے جانا اسکو تمام مخلوقات سے افضل کرتا ہے اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ کیونکہ مذہبی انتہا پسندی (clergy) کا تسلط انسان کی قوتِ فکر پر اس طرح سے ہے کہ افکارِ تازہ کی ہوائیں اس طرف رخ کرتے ڈرتی ہیں۔ اور تمام متعصب مذہبی عقائد کی بھاگ دوڑ عقل دشمن انتہا پسند ملاؤں کے ہاتھ میں ہے۔ جو وہمِ نفس، وسواس قلب اور خواہشاتِ نفس کو شیطانی قوتوں کا نام دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ انسان اشرف المخلوقات اس لئے ہے کہ وہ حیوانِ عقلی ہے کوئی غیر اشرف مخلوق

مخلوقِ اشرف پر تصرف نہیں رکھ سکتی اسی لئے مخلوقِ اشرف جدید دور میں عالمِ موجودات کی تسخیر بر بنائے عقل کر رہی ہے۔ وسواس، شکوک، بزدلی، وہمِ نفس، خواہشاتِ نفس یہ تمام کیفیات عقل کی نفی کرتی ہیں۔ ان کو عقل منفی کہنا صحیح نہیں ہے۔ انسان عقل کے ذریعے سوچ رہا ہے تو وہ اس حیثیت میں خواہشات نفس کی نفی کرتا ہے۔ اور اس کے سامنے عمل نیک ارادہ، عدالت، سچائی، ظلم کا خاتمہ جیسے عظیم اہداف ہوتے ہیں۔ اور سچائی کی خاطر پورے خاندان کو کٹوا دینے میں دریغ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس نے خواہشات نفسی کے دروازے اپنے اوپر بند کر دیئے ہیں جو اسے محض بزدل اور کمزور بنا دیتے ہیں۔ بلکہ اس کے وجود میں عقلِ نورانیہ کا تسلسل شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے جاننا چاہیے۔ جس نے تین چیزوں کو تین پر مسلط کیا اس نے اپنی عقل کو خراب ہونے میں مدد کی اور جس نے طولِ عمل سے اپنی فکر کو تاریک کیا اس نے اپنے فضول کلام سے اپنی حکمت کے نوادر کو اپنے سے الگ کیا اور اپنے نورِ غیرت کو بجھا دیا۔ گویا اس نے عقل کی خرابی پر اپنی خواہشوں کی مدد کی۔ جس نے اپنی عقل کو خراب کیا اس نے اپنے دین و دنیا کو تباہ کیا۔ عقل اس منزل پر تباہ و برباد ہے۔ جب

انسان خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے۔ لہذا عالم ربانی سے اور معرفت علم کا تعلق عقل سے ہے۔ اس لئے عقل مند کبھی بزدل، کمزور اور مصلحت پسند نہیں ہوتا۔ وہ جھوٹ کا کبھی سہارا نہیں لیتا ہر چند خواہش طبع ہو عقل ایک پردہ، پناہ اور بخشش مال بخوبی نمایاں ہے. پس جاننا چاہیے اپنے نفس کی خرابی اور بدخواہشوں کو اپنی عقل سے قتل کیا جائے۔ اور اگر انسان اس میں کامیاب ہو گیا تو ایک باطنی محبت لے کر لوگوں کے درمیان قائم و دائم ہو جائے گا۔ جہاں دلِ مجبور خواہشات نفس کے ذریعے شکاری جانوروں کی طرح ہے۔ جو اپنی طمع کے ذریعے اپنی جگہ سے نکل کر فریب نفس کے جال میں پھنس جاتے ہیں عقل سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔ اور حکمت سے عقل۔ عقلِ نگہبان سے ادبِ صالح حاصل ہوتا ہے اس لئے تفکر کرنا عقل مند کے قلب کی حیات ہے۔ کیونکہ معرفت کا اصل سرچشمہ عقل نورانیہ ہے یہی حقیقی صراط مستقیم کی طرف جانے والا پل ہے۔ کیونکہ عقل مطلقہ کا فیضان انسانی عقولِ جزئیہ پر جاری و ساری ہے۔ کیونکہ عاقل کے جوہر کا معقول کے ساتھ متحد ہو جانا۔ یہی تعقل کی اصل حقیقت ہے۔ اور یہی اس کی صحیح تعبیر۔ ایسی چیزیں جو معقول اور

معلوم ہوتی ہیں نفس کا انکی صورتوں کا عالم اور عاقل ہونا، یہ مسئلہ ان دقیق اور پیچیدہ مسائل میں سے ہے جن کو حل کرنے کی حکماء اور فلاسفہ نے دقت نہیں کی اس مسئلے کی دشواریوں کو محسوس کرتے ہوئے نیز جوہر کے علم کا جوہر کیا ہے۔ اوھام خیالات والوں وسواس رکھنے والوں کی جو حالت ہوسکتی ہے وہ ظاہر ہے یہی کیفیت تھی جس نے فطرتاً مجھے مسبب الاسباب کی طرف متوجہ کردیا جس کو عقلِ کل یعنی عقلِ مطلقہ کہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ وجود اور عقلی صورت کا وجود ایک ہے یا الگ الگ حالانکہ مادے سے جو شئے مجرّد ہو اس کی صورتِ معقولہ کا ہمیشہ بالفعل معقول رہنا ضروری ہے۔ خواہ مادے سے اسکی تجرید کسی مجرّد کرنے والی قوت کے عمل کا نتیجہ ہو یا فطرتاً ہو مجرد ہی ہو ہر حال میں اس کا بالفعل معقول ہونا لا ابدی ہے۔ یعنی کوئی بیرونی امر اس کا تعقل کرے یا نہ کرے بہر صورت یہ بات اس کے لئے ناگزیر ہے اس صورتِ معقولہ کے معقول ہونے کی کیفیت وہ نہیں ہے۔ جو جسم کے متحرک ہونے کی ہے۔ یعنی جسم کے متحرک سے جب قطع نظر کرلیا جاتا ہے تو اس اعتبار کے بعد وہ متحرک نہیں رہتا۔ بلکہ صرف ایک جسم ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ جسم کا بحیثیت جسم ہونے کے جو وجود ہے یہ وہ وجود نہیں جو بحیثیت متحرک ہونے کے ثابت ہوتا ہے۔ اور ناصورت معقولہ کا حال وہ ہے جو جسم کے گرم ہونے کی کیفیت کا ہے۔ یعنی جب گرمی پہچانے والی چیز سے قطع نظر کرلیا جاتا ہے۔ تو اس وقت وہ گرم باقی نہیں رہتا اس لئے ثابت ہوا کہ وجود گرم اور وجودِ جسم ایک نہیں ہے۔۔۔۔

ملاّ صدرالدین شیرازیؒ اپنی عظیم فلسفہ کی کتاب اسفار اربعہ میں فرماتے ہیں کہ: علم کے متعلق جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عقل میں ایسے معقولات جن کی ماہیتیں باہم مختلف اور متبائن ہیں، ان کی صورتوں کا ارتسام اور انتقاش ہوتا ہے، اسی طرح جو اس کے قائل ہیں کہ باری عزاسمہ کی ذات میں ممکنات کی صورتیں چھپی ہوئی ہیں، جیسا کہ مشائیوں کے ماننے والوں میں مشہور ہے، بہرحال اس عقیدے پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ بھی اٹھ جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر تعقل کی صورت یہ قرار دی جائے کہ عاقل کی ذات میں عقلی صورت کا ارتسام ہوتا ہے، تو اس سے یہ لازم آتا تھا کہ جب نفس کو جوہر اور مقدار (کم) وغیرہ کا علم ہو، تو اس وقت شے

واحد دو (۲) مقولوں کے نیچے بالذات مندرج ہو جائے اور علم باری کی جو صورت بیان کی گئی، اس میں یہ خرابی درپیش ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ممکنات کی محل بن جاتی ہے ان کے سوا بھی دوسری بدترین خرابیاں لازم آتی ہیں، جن کا ذکر اپنے اپنے مقام میں کیا گیا ہے۔ اب ایک اور مسئلے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ لوگوں کا جو یہ خیال ہے، کہ انسان میں ایک اثر قبول کرنے والا انفعالی جوہر ہے، جس میں عقل اور معقول ہونے کی قوت وصلاحیت ہوتی ہے، اسی جوہر منفعل کا عقلی صورتوں سے تعلق اور لگاؤ جب پیدا ہوتا ہے، تب اس جوہر میں ان عقلی صورتوں کا ادراک پیدا ہو جاتا ہے یا یوں کہوں کہ اس کو ان صورتوں کا عقلی ادراک حاصل ہو جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اس انفعالی قوت کو اس عقلی صورت کا ادراک آخر کس طرح اور کیوں حاصل ہو جاتا ہے، کیا عقلی صورتوں سے معرّا اور جدا ہو کر اس کی ذات اس عقلی صورت کا ادراک کرتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی ذات جو قطعاً جاہل ہے، اور عقلی نور سے منور نہیں ہے وہ اس عقلی صورت کا ادراک کیسے کرتی ہے، جو بذات خود روشن و منور اور صرف معقول ہے، اگر یہ ادراک اس انفعالی جوہر کو بذاتِ

خود حاصل ہوتا ہے، تو ایسی شے جو (علمی صورت) سے عاری اور خالی ہے، نیز بالکل جاہل اندھی اور سخت اندھی ہے، اسے علمی صورت کا ادراک کیسے میسر ہوسکتا ہے، آخر اندھی آنکھ کس طرح دیکھ سکتی ہے، **فمن لم یجعل اللّٰہ لہ نورًا فمالہ من نور** (تو جس کے لئے خدا نے روشنی نہیں بنائی اس کو پھر کہاں روشنی مل سکتی ہے) اور اگر اس انفعالی جوہر کو عقلی صورت کا ادراک اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس عقلی صورت سے روشن ہوچکی ہے، تو معلوم ہوا کہ بالفعل عاقل تو وہی صورت ہے، جیسے وہی بالفعل معقول بھی تھی، یعنی اس تعقل کے لئے کسی دوسری صورت کی حاجت نہیں ہے اور نہ گفتگو میں درازی پیدا ہوگی، اور لامتناہی حدود تک صورتوں کی تعداد پھیلتی جائیگی۔

پس معلوم ہوا کی عاقل اور معقول دونوں بغیر کسی فرق وامتیاز کے ایک ہی ہیں، یہاں پر کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں ہے، کہ انفعالی جوہر (یعنی نفس) جب اس عقلی صورت کے سوا کسی اور چیز کا ادراک کرتا ہے، تو اس وقت یہی عقلی صورت واسطے کا کام دیتی ہے، لیکن اس صورت کا ادراک خود اسی کی ذات سے نفس کو حاصل ہوتا

ہے۔یعنی اس عقلی صورت کے سوا اور چیزیں ایسی ہیں، جن کے ساتھ یہ صورت مطابقت رکھتی ہے، ان کا تعقل نفس کو اسی صورت کے ذریعے سے ہوتا ہے، اس توجیہ کی گنجائش اس لئے نہیں ہے، کہ یہاں واقعے کی صورت یہ ہے، کہ اگر یہ عقلی صورت نفس کی معقول اور معلوم پہلے نہ ہو چکتی، تو پھر یہ ناممکن ہوتا کہ اس کے ذریعے سے دوسری صورتوں کا اسے تعقل حاصل ہو، کیونکہ اشیاء کے ادراک میں صورتوں کے توسط کی شکل وہ نہیں ہے، جو صنعتی آلات کی دستکاریوں میں ہوتی ہے، بلکہ ان کے توسط کی نوعیت وہی ہے، جو نور اور روشنی کی حیثیت چیزوں کے دیکھنے میں ہے، یعنی دیکھنے میں نور کا ادراک پہلے حاصل ہوتا ہے، پھر اس کے توسط اور ذریعے سے آدمی دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے، نیز قطعی دلیل سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عقلی صورتوں کو اپنی ذات کا تعقل خود اپنی ذات ہی سے ہوتا ہے، خواہ کسی غیر کو ان کا تعقل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اسی طرح بالفعل جو چیز محسوس ہو، یہ ناممکن ہے، کہ اس کے لئے کوئی ایسا وجود فرض کیا جائے، جس کے اعتبار سے وہ محسوس باقی نہ رہے، خلاصہ یہ ہے، کہ بہر حال وہ محسوس ہی رہے گا، خواہ اس وقت ان تمام چیزوں سے قطع

نظر ہی کیوں نہ کرلیا گیا ہو جو اس کے سوا ہیں۔

اب معلوم ہونا چاہئے کہ ادراکی صورتیں خواہ عقلی ہوں یا حسی، ان سب کا جو تعلق جوہر مُدرک (نفس) سے جو ہوتا ہے، اس تعلق کی نوعیت وہ نہیں ہے، جو مثلاً کسی گھر کا تعلق گھر والے سے یا اولاد کا تعلق اولاد والے سے یا مال کا تعلق مال والے سے ہوتا ہے، اس لئے کہ ان چیزوں میں درحقیقت ان چیزوں کا حصول دوسرے کے سامنے نہیں ہوتا، بلکہ ان کو دوسری چیز سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوتی ہے بخلاف اس تعلق کے جو جوہر مدرک (نفس) کو صورتوں سے ہے، البتہ جسمانی طبعی صورتوں کا حصول مادے میں جس طریقے سے ہوتا ہے یعنی اس حصول کے بدولت مادہ اپنے کمال کو حاصل کرتا ہے، اور ایک تحصیل یافتہ حقیقت بن جاتا ہے، اس حصول میں اور جوہر مدرک (نفس) کے حصول میں گو نہ زیادہ مشابہت ہے، مطلب یہ ہے کہ مادہ جس طرح بالفعل ایک معین شے ہونے کے درجے تک صورتوں ہی کے ذریعے سے پہنچتا ہے، اور جیسے مادے کے ساتھ صورت کا اسحاق جب ہوتا ہے تو اس وقت یہ صورت پیش نہیں آتی کہ ایک موجود چیز کا دوسری موجود چیز سے میل

ہوا ہے، یعنی ان دونوں میں کوئی ایک چل کر دوسرے کے پاس پہنچا ہے، بلکہ خود مادہ اپنے ذاتی مرتبے سے بلند ہو کر کمال کے درجے تک پہنچتا ہے، یہی حال نفس کا بھی ہے، کہ وہ بھی پہلے تو بالقوۃ عقل ہونے کی حیثیت میں رہتا ہے، پھر اس کے بعد وہ عقل بالفعل کے مقام تک اسی طرح پہنچ جاتا ہے، جیسے مادہ درجہ کمال تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح خیالی قوت کے بالفعل ہونے کی وجہ سے نفس جب بالقوۃ عقل ہونے کی حیثیت اختیار کرتا ہے اور اس وقت عقلی صورت جو اس کو لاحق ہوتی ہے، تو اس لحوق کی حالت وہ نہیں ہوتی جو ایسی دو (۲) چیزوں کے لحوق کی ہوتی ہے جن میں ہر ایک کا وجود دوسرے سے جدا ہوتا ہے، مثلاً گھوڑے کے وجود کو جو تعلق ہم سے ہے، اور وہ صورت بھی نہیں ہوتی جو عرض اور معروض کے لحوق کی ہوتی ہے، یعنی عرض جب ایسے جوہری معروض کو لاحق ہو، جس کا وجود اپنی بقا اور قیام میں عرض سے بے نیاز ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ حصول اور لحوق کی ان تمام صورتوں میں صرف چند ایسی نسبتیں یا اضافتیں پائی جاتی ہیں، جس سے کسی شے کی تکمیل نہیں ہوتی، بخلاف اس حصول اور لحوق کے جو عقلی صورت اور جوہر ادراک (نفس) کے درمیان پایا جاتا ہے، کہ

اس ذریعے سے جس قسم کی تکمیل اور جس قسم کا تحصل نفس کو حاصل ہوتا ہے، وہ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھا اور چڑھا ہوا ہے، جو مادے کو طبعی صورتوں سے حاصل ہوتا ہے...

میں عنقریب پھر اس مسئلے کی طرف پلٹوں گا اور بتاؤں گا کہ عقل اور معقول کے اتحاد کے نظریے سے قوم مثلاً شیخ رئیس اور ان کے متبعین کیوں گھبراتے ہیں۔ میں تمام شکوک کا ذکر کروں گا۔ اور ہر ایک کا جواب ایسے انداز میں دوں گا کہ پھر ارباب بصیرت کے لئے شک وشبہے کی قطعاً کوئی گنجائش اللہ کی توفیق سے باقی نہ رہے گی۔

شیخ کا قول اور یہ دعویٰ کہ۔۔۔ نفس دراصل عاقل ہوتا ہے، اور عقل سے مراد نفس کی وہ قوت ہے جس سے وہ معلومات کا ادراک کرتا ہے یا معقولات ومعلومات کی صورت کا نام عقل رکھ دیا جائے اور چونکہ ان معلومات ومعقولات کی نفس میں معلوم ومعقول ہونے کی حیثیت ہے اس لئے عقل وعاقل معقول تینوں ایک ہی چیز نہیں ہوسکتے۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ عقل کا جو پہلا معنی شیخ نے بیان کیا ہے، یہ عقل بالفعل کا صحیح ترجمہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ عقل جس قوت کا نام رکھا گیا ہے، اس قوت سے مراد خواہ نفس کی صلاحیت اور استعداد ہو،

یا معلومات و معقولات سے نفس کی ذات جب خالی اور پاک ہو، اس قوت سے یہ مراد ہو، ہر حال میں ناممکن ہے کہ وہ بجنسہ عقل بالفعل ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک ہی شے بجنسہ قوت و استعداد بھی ہو، اور وہی فعلیت بھی ہو وہی جہل بھی ہو، اور وہی علم بھی ہو، باقی دوسرا احتمال یعنی ان معقولہ اور معلومہ صورتوں کو عقل بالفعل قرار دیتا، جیسا کہ شیخ کا خیال ہے، اور وہ اس کے مدعی ہیں کہ نفسانی جوہر، جو گوشت پوست رکھنے والے بشری حیوان کی کمائی صورت کا نام ہے، وہ ان صورتوں کا ادراک اس طور پر کرتا ہے کہ خود اس کی ذات وہی رہتی ہے جو تھی، جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے، تو یہ ایسی بات ہے، جس کے ناممکن ہونے کو میں پہلے ثابت کر چکا ہوں، اور اس میں جو خرابیاں ہیں وہ بیان کر چکا ہوں، یعنی نہ یہ بات نفس کے اعتبار سے درست ہے اور نہ ان صورتوں کے حساب سے، نفس کے اعتبار سے تو یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ جو نفس عقل سے خالی ہوگا وہ ان عقلی صورتوں کا ادراک کیسے کرے گا۔ جو اس کی ذات سے مبائن اور جدا ہیں اور جن کا وجود نفس کے وجود سے خارج ہے، نیز چیز کے لئے کسی چیز کو جس طرح اس وقت تک ثابت کرنا صحیح نہیں

ہے، جب تک کہ وہ شے جس کے لئے چیز ثابت کی جارہی ہو۔خود ثابت اور موجود نہ ہو۔اسی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ ذہن میں اگر کوئی چیز کسی چیز کو ثابت کی جائے گی تو اس کا ثبوت ذہن میں ضروری ہے۔اور خارج میں اگر کوئی چیز کسی چیز کو ثابت کی جائے گی تو خارج میں اس کا وجود ضروری ہے، اس لئے کہ دلیل سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جو چیز وجود کے مقامات وظروف وذہن یا خارج میں سے جس مقام یا ظرف سے معدوم ہوگی، اسی مقام اور ظرف میں کوئی شے اس کو ثابت نہیں ہوسکتی یا جس عالم سے وہ معدوم ہوگی اسی عالم میں کوئی شے اس کو ثابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ کوئی موجود چیز ظاہر ہے کہ کسی موجود ہی کو ثابت ہوسکتی ہے نہ کہ مفقود اور معدوم کو، پھر جو حال ثبوت کا ہے، یہی حال تقریباً اس عقلی وجود کا بھی ہے جو عالم عقل میں پایا جاتا ہے، یعنی ایسا عقلی وجود جو مادے اور مادے کے تمام متعلقات سے بے لگاؤ، اور مجرد و پاک ہو، وہ بھی کسی شے کو اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس شے کو بھی اسی قسم کا وجود ثابت نہ ہو، یعنی اس کو بھی عقل اور بالفعل معقول ہونا چاہئے، جس کا حاصل یہی ہوا کہ جو چیز خود بالفعل معقول اور معلوم نہ ہوگی۔اس کے

لئے کوئی چیز بالفعل معقول و معلوم ہونے کی حیثیت سے ثابت نہیں ہوسکتی، جسطرح جو چیز بالقوۃ معقول اور معلوم ہوتی ہے، مثلاً مادی صورتوں کا جو حال ہے، وہ انھی چیزوں کو ثابت ہوسکتی ہے، جو معقول بالقوۃ ہو، مثلاً اجسام اور مقادیر جو مختلف وضع و شکل کے صفات کے ساتھ متصف ہیں، پس معلوم ہوا کہ جب تک نفس خود معلوم اور معقول ذات نہ بن لے گا، اس وقت تک کوئی عقلی صورت بھی اس کو ثابت نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس میں عقلی صورتوں کے ادراک و تعقل کی صلاحیت و قوت اسی رنگ میں ہوسکتی ہے، جس رنگ میں خیالی اور وہمی صورتوں سے نفس کو اس وقت تعلق ہوتا ہے، جب تک خیال کی طرف اس کی توجہ مبذول نہیں ہوتی اور ان صورتوں پر عقل فعال کا نور نہیں چمکتا، نفس کے اعتبار سے تو یہ بات اس لئے نا قابل فہم ہے، باقی خود عقلی صورتوں کے حساب سے اس کا محال ہونا تو جس برہان کا حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہام ہوا ہے۔ اس کی تقریر تم سن چکے ہو، اس کو پیش نظر رکھنے سے بآسانی اس مسئلے کو تم سمجھ سکتے ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ یہ عقلی صورتیں چونکہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے یعنی تمام ماسوا سے قطع نظر کرنے کے بعد

بھی چونکہ ایسی ہویٰوں اور شخصیتوں کی مالک ہیں، جو بذات خود معقول اور معلوم ہیں، خواہ ایسی چیز جو ان کا تعقل کرے دنیا میں پائی جائے یا نہ پائی جائے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جب نفس سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی یہ صورتیں معقول اور معلوم ہی باقی رہتی ہیں، تو بذات خود یقیناً یہ اپنی ذات کی عاقل اور عالم بھی ہیں، اور اس بنیاد پر لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ نفس ان صورتوں کے ساتھ متحد ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے۔

مخفی مبادکہ عاقل و معقول اور عالم و معلوم کے اتحاد کے نظریے کی شیخ نے اگرچہ اپنی تمام کتابوں میں شدت سے تردید کی ہے۔ اور اس خیال کے غلط ہونے پر انھیں سخت اصرار ہے، لیکن باایں ہمہ اپنی کتاب جس کا نام۔۔المبد والمعاد۔۔ ہے شیخ نے اسی خیال کو بیان کر کے اس فصل میں جس کا عنوان یہ ہے کہ۔۔واجب الوجود کی ذات معقول اور عقل ہے۔۔ اسی دعوے کے ثبوت میں دلیل بھی پیش کی ہے، میں نہیں کہ سکتا کہ اس کتاب میں شیخ نے جو یہ طرز عمل اختیار کیا ہے اس کی وجہ آیا یہ ہے کہ اس عقیدے کے لوگوں کے مذہب کو بیان کر کے بطور نقل کے اس کی دلیل بھی کسی خاص غرض

کو پیشِ نظر رکھ کر انھوں نے درج کر دی ہے، یا عالم ملکوت کے افق سے ان پر حق کے روشنی کی کوئی تجلی ہوئی اور اس سے ان کی بصیرت جگمگا اٹھی، اس بنیاد پر خود اپنے ذاتی عقیدے کی حیثیت سے انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے، محقق طوسی نے اشارات کی شرح میں۔۔مبدء و معاد۔۔ کے اس مقام کا تذکرہ کر کے شیخ کی جانب سے عذر پیش کیا ہے، اور اس کی تصریح کرتے ہوئے کہ اگر چہ یہ ایک بے بنیاد اور غلط خیال ہے یہ لکھا ہے، کہ اس کتاب میں شیخ نے چونکہ اس کا التزم کیا ہے کہ۔۔مبدء اور معاد۔۔ کے متعلق مشائیوں میں معلم اول کے رفقا اور تلامذہ کے جو خیالات ہیں صرف انھی کو بیان کروں گا (گویا اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حیثیت ذاتی عقائد و خیالات کی نہیں، بلکہ محض نقل اور حکایت کی ہے) میں کہتا ہوں کہ اس عبارت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ۔۔شریف و عالی خیال ۔۔محض متقدین تک محدود رہا، بعد کو ارباب بحث و نظر نے پھر اس کی طرف توجہ نہ کی، اور کسمپرسی کے اسی حال میں یہ پڑا رہتا، اگر حق تعالیٰ بعض مسکین فقیروں پر کرم نہ فرمائے اور عزیز حکیم کی قوت سے اس کا سینہ کھولا نہ جاتا۔

عقل فعال کے حوالے سے ملا صدر فرماتے ہیں کہ نفسِ انسانی عقل فعال کے ساتھ متحد ہو کر ادراک اور تعقل کرتا ہے۔ اسلامی عہد کے حکماء کی کتابوں میں اس مسئلے کے متعلق بھی یہی مشہور ہے، کہ جس طرح مذکورَ بالا عقیدہ (یعنی عاقل و معقول کے اتحاد کا نظریہ) غلط اور بے معنی ہے، اسی طرح یہ خیال بھی باطل و بے بنیاد ہے، کیونکہ دونوں مسئلوں میں بہت قریبی تعلق ہے، بہرحال اس خیال کی تغلیط میں یہ بیان کیا گیا ہے، کہ عقل فعال کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ کوئی ایسی واحد شے ہے جو ہر قسم کے تعدد اور تکثر سے پاک اور بری ہے، یا اس میں بھی اجزا اور ابعاض پائے جاتے ہیں اگر پہلی شق مانی جاتی ہے، تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ کسی ایک چیز کے تعقل و ادراک کی وجہ سے اگر کوئی چیز عقل فعال سے متحد ہو جائے ،تو چاہئے کہ سارے معلومات و معقولات کا اسے علم حاصل ہو جائے اس لئے کہ تمام معلومات و معقولات کا جو عالم ہے، اس کے ساتھ اگر کوئی چیز متحد ہو جائے گی۔ تو چاہئے کہ جو کچھ اس کے معلومات و معقولات ہیں وہ سب اس چیز کے بھی معلوم اور معقول بن جائیں اور اگر عقل فعال کے کل سے نہیں بلکہ اس کے کسی جز سے شے کا اتحاد

ہوتا ہے، تو اس شق پر یہ ماننا پڑے گا کہ ہر انسان میں جن جن معلومات کے حاصل ہونے کا امکان ہو، ان میں سے ہر معلوم کے اعتبار سے عقل فعال میں ایک خاص جز ہو، لیکن انسان میں جن معلومات اور معقولات کے حصول کا امکان ہے چونکہ وہ غیر متناہی ہیں، تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عقل فعال ایسے غیر متناہی اجزا سے مرکب ہے جن میں ہر جز کی حقیقت دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے کہ معقولات اور معلومات جو غیر محدود ہیں ان کی حقیقتیں بھی مختلف ہیں۔ نیز اس کے سوا ایک خرابی یہ بھی لازم آتی ہے کہ ان معقولات اور معلومات میں ہر معقول اور ہر معلوم کے متعلق چونکہ یہ ممکن ہے کہ غیر متناہی اور لامحدود نفوس کو ان کا علم حاصل ہو، اور اس بنیاد پر لازم آتا ہے کہ زید کا علم اور تعقل مثلاً سیاہی کا علم جو زید کو ہے، وہ عمرو کے اسی علم کے مماثل ہو، یعنی عمرو کو جو سیاہی کا علم ہوگا، وہ زید کے علم کے مماثل ہوگا۔ اور ان سب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عقل فعال میں ایسے غیر متناہی اجزا کا ماننا ناگزیر ہوگا۔ جو نوعی طور پر متحد ہوں، اور یہ لامحدودیت ایک دفعہ نہ ہوگی بلکہ یہ بھی غیر متناہی ہی ہوگی، گویا ہر فرد انسانی کے اعتبار سے غیر متناہی اجزا کا سلسلہ عقل فعال میں پایا

جائے گا۔ اور ہر سلسلہ نوعاً متحد ہوگا، ان وجوہ کی بنیاد پر جتنے محالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ تو بجائے خود ہیں، لیکن ان کے سوا بھی عقل فعال سے اتحاد کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے اس میں ایک اور خرابی یہ ہے کہ ایسی چیزیں جو نوعاً باہم متحد ہیں۔ (یعنی عقل فعال کے اجزا) ان کے متعلق یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان میں امتیاز نہ ان کی ماہیتوں کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ ماہیتوں کے لوازم سے بلکہ ایسے عوارض وصفات جو لازم نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے اپنے موصوفوں سے ان کا جدا ہونا ممکن ہے وہی یہاں باعثِ امتیاز ہیں، اور یہ بات جہاں کہیں بھی پائی جاتی ہے اس کا سبب مادہ ہی ہوتا ہے ظاہر ہے کہ عقل فعال کو مادے سے بھلا کیا سروکار، اس کا شمار تو ان امور میں ہے جو مادے سے مجرد اور پاک ہوتے ہیں۔ اور جب عقل فعال ہی مادے سے مجرد اور پاک ہے، تو اس کے اجزا کا مادی آلودگیوں سے پاک ہونا زیادہ ضروری اور بدیہی ہے، خلاصہ یہ نکلا، کہ ایسے عوارض و صفات جن کا اپنے موصوفوں سے جدا ہونا ممکن ہے ان کہ راہ سے بھی امتیاز کے پیدا ہونے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، اور جب اس کی بھی گنجائش نہیں ہے، تو یہی تسلیم کرنا پڑے گا، کہ جن امور میں تعداد اور

کثرت کا پایا جانا ضروری ہے وہ متعدد اور متکثر نہیں ہیں، یعنی عقل فعال کے اجزا کثیر اور متعدد نہیں ہیں پس حاصل یہ ہوا کہ عقل فعال بسیط ہے، حالانکہ فرض یہ کیا گیا تھا کہ وہ مرکب ہے، ہف (یہ خلاف مفروض ہے) اس لئے یہ دعویٰ کہ عقل فعال کے ساتھ نفس متحد ہو جاتا ہے ثابت ہوا کہ غلط اور بے بنیاد بلکہ ناممکن اور محال ہے۔ (حکیم الہی الفیلسوف الربانی صدر الدین الشیرازی کی کتاب الحکمۃ المتعالیہ فی السفار العقلیۃ الاربعہ پر مکمل جامع مقدمہ میری کتاب انوار العقول میں موجود ہے۔ شرافتِ عقل پر مزید جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیجیے)۔ اب ہم گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے عقلِ فعال کے حوالے سے حکیم ابنِ رشد کے نظریات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

عقل کے متعلق ابن رشد نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی وجہ سے اس کو خاص امتیاز حاصل ہے اور اس کے ایک قول سے تو تیرہویں صدی عیسوی کے علمائے الٰہیات جاگ اُٹھے۔ کیونکہ جب ابن رشد نے عقل فعال یا موثر اور عقلی متاثر یا متلقی کی شرح شروع کی تو پہلے اس نے گزشتہ شارحین کے خیالات کی تردید کی، ان کو

ضعیف قرار دیا، اور یہ دعویٰ کیا کہ صرف اسی نے ارسطو کی رائے کا صحیح استخراج کیا ہے۔ دوسروں نے نہ اس کا صحیح ادراک کیا اور نہ وہ اس کی انتہا کو پہنچ سکے۔ یہاں ہم ابن رشد کے خیالات کو پیش کرتے ہیں جو اس کے مقالہ۔۔ فی النفس۔۔ کا (جو اس وقت دارلکتب وطفیہ پاریس میں موجود ہے) ملخص ہیں:۔ وہ قوت جو معقولات کا ادراک کرتی ہے سوائے ادراک کے اثر کے کسی اور سے متاثر نہیں ہوتی، یہ قوت مدرک کی قوت کے مقابل ہوتی ہے اور اس کا تصور قیاس کے طریقے سے کیا جاسکتا ہے معقولات کے لیے یہ قوت ایسی ہی ہے جیسی کہ محسوسات کے لیے قوت حاسہ۔ لیکن ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ وہ قوت جو محسوسات سے متاثر ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک گونہ اختلاط پیدا کر لیتی ہے۔ لیکن معقولات کی قوت مطلقاً خالص ہوتی ہے۔ بالذات اشرف اور صوری اختلاط سے بالکل منزہ ساتھ ساتھ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ یہ قوت (یعنی عقل ہیولے) جب تمام معقولات کا ادراک کرتی ہے اور تمام صورتوں کا اس کو علم ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے ساتھ صور و اشکال کا اختلاط درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جس کسی صورت کے ساتھ اختلاط

پیدا کرے گی تو وہ دوسری صورتوں کے ادراک سے مانع ہوگی۔ یا اس سے صور مدرکہ میں تغیر لازم آئے گا۔ اور جب ان صورتوں میں تغیر پیدا ہو تو تعقل میں اضطراب واضع ہوگا۔ اور عقل ہیولےٰ کی وہ قوت زائل ہو جائے گی۔ جس کا کام صور کما ہی کا ادراک ہے اور اس کی اس طبیعت میں انقلاب ہوگا۔ جو اشکال کا بغیر ان کی ماہیت کے تغیر کے ادراک کیا کرتی ہے۔

اس لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ قوت عقلیہ اختلاط کے شائبے سے پاک صاف رہے اور اشکال کے امتزاج سے ملوث نہ ہو۔ جب یہ امر متحقق ہو چکا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طبیعت عقلیہ بسیط یعنی غیر مرکب ہوتی ہے اور عقل کوئی ایسا عنصر نہیں جو ترتیب کا محتاج ہو بلکہ وہ بذات ایک ترتیب اور بعینہ ایک نظام ہے عقلِ ہیولیٰ کے مقابل میں عقل بالقوہ ہے، اور ہیولیٰ یا تو مادۂ مصورہ سے مسکون ہوتا ہے، یا بسیط ہوتا ہے اس صورت میں اس کو مادۂ اولیٰ کہتے ہیں۔

یہ ہیں معنی اس عقل متاثر (منفعل) کے جس پر ارسطو نے بحث کی ہے اور اسکندر افرودوسی نے جس کی شرح لکھی ہے اس کے بعد

ابن رشد نے تمتیس کی تفسیر پر روشنی ڈالی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ عقل ہیولیٰ دوسرے نفسانی قوتوں کے اختلاط سے منزہ ہے وہ ایک مادی استعداد ہے جو دوسری قوتوں سے بالکل الگ ہے ابن رشد کا خیال ہے کہ عقل ایک ایسی استعداد کا نام ہے جس میں مادی صور مطلقاً نہیں پائے جاتے۔ اسی طرح ایک مادہ منفصلہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ جو اس قسم کے استعداد سے مزین ہوتا ہے۔ کیونکہ جو استعداد کہ انسان کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا اتصال مادۂ منفصلہ کے ساتھ ہوسکتا ہے اس لئے کہ وہ مادہ انسان سے الگ نہیں البتہ مادہ منفصلہ کی طبیعت کو لازم نہیں ہے جیسا کہ شارحین کا خیال ہے نہ یہ خالص استعداد۔ جیسا کہ صرف اسکندر کا عقیدہ ہے۔

اس امر کی دلیل کہ استعداد بذات خالص نہیں ہے یہ ہے کہ عقل ہیولانی صورتوں کے ادراک کے ساتھ اس استعداد کا ادراک بغیر صورتوں کے کرتی ہے جب اس کے لئے اپنی ذات کا ادراک بغیر صورتوں کے ممکن ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ لاوجود کا بھی ادراک ہوسکتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ قوت جو اس استعداد کا ادراک کرتی ہے اور وہ صور جو اس پر عارض ہوتے ہیں وہ

حتمی طور پر اس سے خارج ہیں نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عقل ہیولیٰ ایک مرکب شے ہے جس کی تکوین انسان کے ساتھ قائم شدہ استعداد اور اس عقل سے ہوتی ہے جو اس استعداد سے ربط پیدا کر کے مستعد بالقوہ ہو جاتی ہے نہ کہ بالفعل یہ عقل بذاتہ عقل فعال ہے اور جب تک یہ بالقوہ ہوتی ہے، اپنی ذات کے ادراک سے عاجز ہوتی ہے، البتہ دوسرے موجودات مادی کا ادراک کرتی ہے لیکن جب استعداد سے علیحدہ ہو جائے تو عقل بالفعل ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کو اپنی ذات کا ادراک ہوتا ہے لیکن دوسرے مادی اشیاء سے جو اس سے خارج ہوں ذہول ہوتا ہے۔ چونکہ نفس کے دو فرائض ہیں ایک تو معقولات کے صور کی تخلیق، دوسرا ان کا حصول، پس جب تک عقل صور معقولات کی تخلیق کرتی ہے وہ عقل فعال ہے اور جب ان کو اخذ کرنے لگتی ہے تو وہ عقل متاثر (منفعل) کہلاتی ہے یہ دونوں وظائف درحقیقت ایک ہیں۔

امور متذکرہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ صرف اسکندر ہی نے ایک ایسی مستقل رائے پیش کی جو دوسرے شارحین کے خلاف ہے۔ لیکن ارسطو کی رائے ان دونوں سے جامع ہے۔ یہ امر محتاج توضیح

نہیں کہ ابن رشد اس دقیق مسئلے میں دوسرے حکمائے عرب کا ہم نوا ہوگیا ہے۔ لیکن اس نے ایک اور اہم بحث میں امتیاز حاصل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عقل انسانی یا عقل ہیولیٰ یا عقل متاثرہ کا دنیوی زندگی میں عقل فعال عام سے اختلاط ہوسکتا ہے۔

پھر ابن رشد نے نفس کی قوتوں کی تقسیم کی اور ان کے باہمی علاقے کو واضح کیا۔ اس کے بعد عقلِ منفعل عقلِ فعال اور عقلِ ہیولیٰ کے درمیانی ربط کو ضروری قرار دی جیسا کہ مادے اور صورت کا ارتباط لازمی وضروری ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ عقل بالملکہ عقل فعال عام کا ادراک کرتی ہے۔ لیکن اس کا عکس محال ہے کیونکہ عقل فعال عام اگر عقل بالملکہ یعنی عقل انسانی کا ادراک کرے تو اس کے ساتھ حوادث کا قیام لازم آئے گا۔ حالانکہ عقل فعال عام ایک ابدی مادہ ہے اور وہ کسی حوادث کا محل نہیں بن سکتی۔ بہرحال عقل انسانی عقل عام کا ادراک کرتی ہے یعنی اپنی ذات کو عقل عام کی جانب بلند کرتی اور اس کے ساتھ متحد ہوجاتی ہے۔ باوجود اس کے عقل انسانی قابل فنا ہے اور عقل عام ابدی ہے اس اتحاد کی وجہ سے عقل انسانی میں ایک جدید استعداد پیدا ہوجاتی ہے جس کے ذریعے اس کو عقل

عام کا ادراک ہوسکتا ہو۔ عقل عام آگ کی طرح ہے اور عقل انسانی گھاس پات کی مانند، جو آگ کی قربت سے مشتعل ہوجاتی ہے یہ اتصال بلاواسطہ ہوتا ہے۔

کبھی عقل انسانی کا اتصال عقل مستفاد یا عقل منبشق سے بھی ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد ابن رشد نے عقل عام کے اتصال (جو انسانی کمال کا انتہائی مرتبہ ہے) کے امکان سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ اتصال انسان کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اس کا مبداء تین قوتیں ہیں۔ پہلے خالص عقل ہیولیٰ کی قوت ہے جس کی اساس قوت خیال ہے دوسری عقل بالملکہ کا کمال ہے جو غور وفکر کی جدوجہد کو مقتضی ہے۔ تیسرا الہام ہے یہ ایک امداد ربانی ہے جو خدا کے فضل پر موقوف ہے جس کو ابن باجہ نے اتصال کے لیے اساسی شرط قرار دی ہے۔ جب کسی فرد میں یہ تینوں کمالات پیدا ہوجائیں اور خدائے تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہو تو فرد کی ذات پنہاں ہوجاتی ہے بلکہ خود عقل فعال اس خدائے برتر سے جو فرد کامل اور واحد مطلق ہے متصل ہوکر دریائے فنا میں غرق ہوجاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے نفسانی صفات بھی ایسے ہی ناپید ہوجاتے ہیں جیسے

آگ میں چنگاری غائب ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ کمال کا حصول مطالعہ، غور و فکر اور عقلِ مفکر کی تکمیل کے بعد ادنیٰ چیزوں اور شہوتوں سے آزاد ہونے پر ممکن ہے۔ اور جیسا کہ صوفیا کا خیال ہے بغیر درس کے محض تامل عقیم اتصال کے لیے کافی نہیں ہے یہ سعادت انسان کو دنیوی زندگی میں اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ وہ مطالعہ، جدوجہد اور مدامت عمل کو پیشِ نظر رکھے۔ اور جو شخص زندگی میں اس سعادت سے محروم ہو وہ موت سے ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس پر سخت عذاب ہوگا۔ چونکہ ابن رشد نے عقل ہیولیٰ کو ایک مستقل مادہ نہیں قرار دیا بلکہ اس کو بسیط استعداد بتلایا ہے، جو فانی انسان کے ساتھ معدوم ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ صرف عقل عام کو ابدی قرار دیتا ہے اتصال سے انسان کا وجود دنیوی مستقل باقی نہیں رہتا۔ خلود نفس کا عقیدہ تو محض خرافات ہے۔

معلومات عامہ جو عقل فعال سے صادر ہوتے ہیں موت کے بعد بالکل فنا نہیں ہو جاتے اگر چہ عقول جوان کی حامل ہوتی ہیں خود فنا ہو جاتی ہیں۔

عقل موثر اور عقل متاثر کے نظریے میں ابن رشد اس فلسفی کا پیش رو ہے جو اس سے صدیوں بعد گزرا ہے یعنی لائینیٹز کا ابن رشد عقول بشریہ کی وحدت کا قائل ہے۔ اہل نظر کے لیے ابن رشد کے اس قول اور لائینیٹز کے مشہور نظر یہ ہمہ روحیت (Monopsychisme) میں توافق پیدا کرنا ممکن ہے اس میں شک نہیں کہ اس بارے میں ابن رشد کو ارسطو پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ ارسطو صرف ان مسائل تک پہنچا ہے لیکن ان کو تصریح نہیں کی۔

جو شخص۔۔ کتاب الثالث فع الروح۔۔ کا مطالعہ کرتا ہے وہ مسئلہ وحدت النفوس کا ارسطو کے مذہب سے براہ راست انتاج کرسکتا ہے۔ ارسطو نے اس کی تصریح نہیں کی۔ لیکن ابن رشد نے اس کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ عقل غیر معین کے متعلق جس سے تمام خلق ہدایت پاتی ہے اور جس کے بغیر کسی شے کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ مالبرانش کا خیال ارسطو کے قول کے کس قدر مشابہ ہے۔ اس نظریے تک پہنچنے اور اس کو ارسطو کی کتابوں سے اخذ کرنے میں ابن رشد کے ساتھ یونان کے تمام شارحین (جنہوں نے ارسطو کی کتابوں کی شرح لکھی ہیں جیسے اسکندر فردوسی، تمستیوس، دی فلیبون، اور جملہ فلاسفہ

اسلام بالکلیہ متفق ہیں۔ چونکہ اس مسئلے کو خاص اہمیت ہے اس لیے یہاں اختصار کے ساتھ اس کی تشریح کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ ارسطو اس کی تصریح سے صرف اس لیے رکا رہا کہ یہ نظریہ مشائین کے فلسفے کی اصل روح کے مخالف تھا بلکہ اس کے بالکل منافی۔ وہ خود طبیعات کی آٹھویں جلد میں لکھتا ہے کہ انکساغورس کا بھی یہی نظریہ تھا ارسطو کے اس نظریے کی توضیح کہ عقل اپنے فعل میں محتاج ہے دو طرح سے ممکن ہے پہلا اثر خارجی جس کو مفکر حس کے توسط سے حاصل کرتا ہے دوسرا ردفعل جو اثر کے حدوث کے مناسبت کے لحاظ سے باطن سے صادر ہوتا ہے پس جس فکر کے لیے مادہ فکر پیش کرتا ہے اور عقل محض فکر کی صورت کو پیش کرتی ہے۔ بہر حال حس و عقل معقول کے حدوث میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ایک موضوع عطا کرتا ہے دوسری صورت پیش کرتی ہے یہ نظریہ کسی اصولی بات میں موجود نظریوں سے اس حقیقت تک پہنچنے میں مختلف نہیں جس تک انیسویں صدی کے فلاسفہ فرانس میں برگسان کے ظہور سے پہلے پہنچ چکے تھے۔

ارسطو کے شارحین نے نظریہ عقل کی مشائین کے خیال کے مطابق توضیح کی ہے اور مندرجہ ذیل پانچ مباحث پیش کیے ہیں۔

(۱) عقل فعال اور عقل متاثر کا باہمی امتیاز ۔

(۲) عقل فعال یا موثر بقا اور عقل متاثر کا فنا ہو جانا

(۳) عقل فنا جو انسان سے خارج ہے اور جس کی مثال شمس العقول کی سی ہے

(۴) وحدت عقل فعال

(۵) دوسری دنیوی عقول کے ساتھ عقل فعال کی وحدت

جب ہم ارسطو کے نصوص پر غور کرتے ہیں تو پہلی اور دوسری بحث میں تو اس کے کلام کو واضح پاتے ہیں۔ لیکن تیسری بحث میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کچھ تردّد سا ہے۔ چوتھی اور پانچویں بحثوں کی تشریح میں ابن رشد اور دیگر شارحین نے خاص حصہ لیا ہے کہ ایک عرصے کے بعد لائیبنٹز اور مابرانش نے ان ہی نظریوں کو پیش کیا ہے ۔ یہ دونوں ڈیکارٹ کے (جو فلسفہ جدید کا بانی ہے) متبعین اور فلسفے میں اس کے راست جانشین ہیں۔ ابن رشد دیگر شارحین سے حتیٰ کہ یونانیوں سے بھی گویا سبقت لے گیا۔ ان شارحین نے ارسطو کی اصل

کتابوں کا مطالعہ کیا اور ابن رشد نے صرف ترجموں پر ہی اعتماد کیا تاہم وہ اپنی قومی عقل کے ذریعے نقل اور تحریف کی تاریکیوں میں سے گزرتے ہوئے ان حقائق تک جا پہنچا جہاں تک کہ ارسطو کی اصل کتابوں کے پڑھنے والے بھی نہ پہنچ سکے تھے۔

اس طرح ابن رشد کو ایک خاص فضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ یونان کے تمام شارحین (جیسے اسکندر، فردوسی وغیرہ) پر حقیقی معنی میں تفوق رکھتا ہے، اسکندر فردوسی نے ارسطو کی جانب یہ قول منسوب کیا ہے کہ عقل حصول معلومات کے لیے ایک استعدادی حالت کا نام ہے لیکن ابن رشد کی تشریح صحیح ہے۔ اور وہ یہ کہ عقل ایک موجودہ شے ہے جس میں حصولِ معلومات کی استعداد پائی جاتی ہے۔ ابن رشد اپنی تائید میں دلیل پیش کرتا ہے اور اپنی کتابوں میں اسکندر سے سخت مجادلہ کرتا ہے۔ اور ارسطو کے خیالات کے سمجھنے میں اس کے ادراک کا قصور ثابت کرتا ہے اور اس کو ایک زبردست مفکر کی جرات کے ساتھ خاطی ٹھہراتا ہے۔ درحقیقت ابن رشد کے خیالات صحت پر مبنی ہیں، چنانچہ دیگر فلاسفہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (بحوالہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام۔۔ محمد لطفی جمعہ)

متکلمین کا اقلیتی گروہ علم الکلام اور فلسفے کی روشنی میں عقل کی بالادستی کا قائل ہے۔ لیکن اس کے برعکس متکلمین کی اکثریت اور جدید سائینٹیفک فلسفے کے علمبردار فلسفیوں نے شدت اور انتہا پسندی کے ساتھ عقل کی بالادستی سے انکار کرتے ہوئے تجربات اور مشاہدات کو علم کی اصل قرار دیا ہے۔ متکلمین کے گروہ جن میں بالخصوص ابنِ رشد اور المعتزلہ کے افکار اور مغرب میں ڈیکارٹ اور اس سے متاثر فلسفیوں کا گروہ جو ادراکِ علم کی اصل کو قرار دیتے ہیں۔

کیونکہ میرے نزدیک وحدتِ عقلِ فعال کے حوالے سے جو نتائج سامنے آئے ہیں اسکی تفصیل میں جاننے سے پہلے چند نکات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

عقل و عقلاء : فضیلت عقل، اثرات عقل، انواع عقل، محدودیت عقل، آفات عقل، وظائف عقل۔

سب سے بڑی ثروت عقل و دانش یہ اور سب سے بڑی ناداری بیچارگی فقیری حماقت و بے عقلی ہے۔ عقل سے بڑھ کر کوئی شخص غنی نہیں ہے انسان کا صاحب ثروت و غنی ہونا اس کی عقل کے

کامل ہونے کے مترادف ہے۔ جہالت سے بڑھ کر کوئی بے مائیگی نہیں ادب سے بڑھ کر کوئی میراث نہیں اور منورہ عقلی سے زیادہ کوئی چیز معین اور مددگار نہیں عقل سے بڑھ کر کوئی مال سودمند اور خود بینی سے بڑھ کر کوئی تنہائی وحشتناک نہیں اور تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل کی بات نہیں۔ جب عقل بڑھتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں۔

کیونکہ واضح ہو کہ بیسار گوئی پریشان خیالی کا اور پریشان خیالی عقل کی خامی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور جب انسان کی عقل کامل اور پختہ ہو جاتی ہے تو اس کے ذہن اور خیالات میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عقل دوسرے قوائے بدنیہ کی طرح زبان پر بھی تسلط واقتدار حاصل کر لیتی ہے جس کے نتیجہ میں زبان عقل کے تقاضوں سے ہٹ کر اور بے سوچے سمجھے کھلنا گوارا نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ سوچ بچار کے بعد جو کلام ہوگا۔ وہ مختصر اور لفظی پیچیدگیوں سے پاک ہوگا۔ اس منزل پر فضلیتِ عقل کی ٹھوس بنیاد علمِ منطق اور ریاضی کا مختصر تذکرہ ناگزیر ہے۔ جدید ذہن علمِ منطق کی تعریف کرتے ہوئے عقل کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کا قائل نہیں ہے۔ Lrving M. Copi منطق کی بنیادی تعریف اپنی کتاب Introdiction to Logic

میں اس طرح کرتے ہیں :

Logic is the study of the methods and principles used to distinguish good (correct) from bad (incorrect) reasoning. This definition must not be taken to imply that only the student of logic can reason will or correctly. To say so would be as mistaken as to say that to run will requires studying the physics and physiology involved in that activity. Some excellent athletes are quite ignorant of the complex processes that go on inside their bodies when they perform. And, needless to say, the somewhat elderly professors who know most about such things would perform very poorly were they to risk their dignity on the athletic field. Even given the same basic muscular and nervous apparatus, the person who knows might not surpass the " natural athlete "

But given the same native intelligence, a person who has studied logic is more likely to reason correctly than is one who has never

thought about the general principles involved in that activity.

The distinction between correct and incorrect reasoning is the central problem with which logic deals. The logician's methods and techniques have been developed primarily for the purpose of making this distinction clear. The logician is interested in all reasoning, regardless of its subject matter, but only from this special point of view.

فکر بڑی پیچیدہ راہوں سے گزرتی ہے۔ دلیل جسے فکر مرتب کرتی ہے بنیادی طور پر خارج سے تعلق رکھتی ہے۔اس کائنات کے اجزا ایکدوسرے سے گتھے ہوئے ہیں۔ یہ سارے اجزا متحرک رہتے۔ ایکدوسرے سے ٹکراتے اور راستے بدلتے رہتے ہیں۔ کائنات کے اجزا ایکدوسرے سے کیا رشتے رکھتے ہیں اور ان رشتوں کی صحیح نمائندگی کیسے ہو۔ دلیل اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ دلیل صرف ذہنی ورزش کا نام نہیں ہے۔ دلیل خارجی زندگی کے حرکتی رشتوں کی نمائندگی کا نام ہے۔ اب چونکہ یہ خارجی رشتے حد درجہ

پیچیدہ ہوتے ہیں۔ بیحد اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں اسلئے دلیل بھی ایک بڑا مشکل عمل ہے اور صحیح دلیل کا تعین جو کائنات کے اجزا کے باہمی رشتوں کی صحیح نمائندگی کر سکے نہایت مشکل کام ہے۔ منطق اسی مشکل کام کو انجام دینے میں مدد دیتی ہے۔

منطق کا مختصر جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جدید دور میں منطق کا رویہ یعنی سائنسی طرزِ تحقیق جس کو Scientific method کہا جاتا ہے جو شرافتِ عقل کا قائل ہے۔ جس کے نزدیک فکر اپنے جوہر میں کلیہ سازی کا عمل ہے۔ کلیہ سازی کا یہ عمل استقراء کے ذریعے یعنی خارجی زندگی کے اعداد مہیا کرنے کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ خارجی زندگی کے یہ اعداد یا حقائق اس کائنات کے ان اجزا سے تعلق رکھتے ہیں جو ہر وقت حرکت کر رہے ہیں۔ استقراء میں یہ کیا جاتا ہے کہ کائنات کے کسی خاص حصے یا پہلو سے متعلق کچھ اعداد دیکھ کر ایک کلیہ بنالیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ کائنات کا یہ خاص حصہ یا پہلو نہ تو اس کائنات کے دوسرے حصوں اور پہلوؤں سے بالکل الگ ایک جداگانہ دنیا بنائے ہوئے ہوتا ہے اور نہ ایک جگہ رکا ہوا اس لئے کلیئے حقیقت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی نہیں کرتے۔

حقیقت سے قریب تر تو ہوتے ہیں مگر پوری حقیقت کی عکاسی نہیں کرتے۔ کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے منطق استقرائی اپنے جوہر میں محدود اور ناکافی ہے اور سائنس کا طرز تحقیق ہمیشہ تغیر کی زد میں رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ پوری سائنس سارے علوم محض۔ قریب تر۔ پر قناعت کرتے ہیں اور حقیقت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی سے محروم ہیں۔ یہ صورتحال واضح طور پر جدید منطق کی نوعیت اور سائنسی طرز تحقیق کی اپنی ماہیت سے پیدا ہوئی ہے۔ جو متحرک یعنی ہر لمحہ تغیر پذیر دنیا سے بحث کرتی ہے۔

وینگیسٹائن (Wittgenstein) جدید فلسفیوں میں وہ نام ہے بقول میرے استاد اور معروف فلسفی ڈاکٹر منظور احمد کے افلاطون کے بعد اگر کوئی حقیقی فلسفی گزرا ہے تو وینگیسٹائن ہے۔ یہ فلسفی تجربات اور مشاہدات کی قطعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے دوسرے قدامت پرست فلسفیوں کی طرح وجودِ عقل اور اس کے محرکات سے انکار نہیں کرتا۔ اپنی کتاب میں بعنوان Reason and necessity میں لکھتا ہے کہ

Our faculty of reason enables us to infer

one truth from another, so extending knowledge. If one proposition permits reasonable inference to another, therefore, the truth of the former mist in some way guarantee the truth of the latter. Such a guarantee is expected from reason; it belongs to the definition of the concept.

Let us consider, then, how one proposition can guarantee the truth of another. A clear case would be if they are the very same proposition. Suppose the premise of an inference already asserts the conclusion, and perhaps more as well; then it is impossible for the conclusion to be false if the premise is true. Thus the premise guarantees the conclusion, and so is a reason for it. Where such a guarantee exist, resting ultimately on identity, we say that the one proposition can be deduced from the other.

This concept of deductive reasoning arises from a particular concept of propositions. We need the idea that propositions (or discrete units, which

can then be compounded,; for then it makes sense to say that one proposition, namely a complex one, contains another, namely one more simple. The simplest case would be: 'p' can be deducted from 'p and q'.

But this simple case cans be expanded considerably by truth function theory. Two elementary propositions can not only be conjoined, they can be combined in fifteen other ways to form compound propositions, and various deductive relations hold between these compounds, and between them and the two elementary propositions. The principle is that one proposition can be deduced from another if whatever makes the premise true makes the conclusion true as well. And "whatever" means here: whatever be the truth-values, true or false, of the two elementary propositions concerned.

Deducibility rests on 'partial identity', on the containment of the conclusion in the premise. But

this is not confined to the simple case: 'p' is deducible from 'p and q'. If deducibility is mutual between two propositions, the propositions are identical. No elementary proposition can be deducted from another, for its is essentially the complexity of distinct propositions which is responsible for their logical relations.

Betrand Russell اپنی کتاب Introduction to Mathematical Philosophy میں منطق، ریاضی اور عقل کے حوالے سے محرکاتِ عقلیہ کو منطقِ ریاضی میں نظر انداز نہیں کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے تنقیدی تجزیات مکمل طور پر علمِ تجرباتی کے گرد گھومتے ہیں۔ اپنی اس کتاب کے ساتویں باب میں بعنوان

RATIONAL, REAL, AND COMPLEX NUMBERS

میں لکھتے ہیں کہ:

We have now seen how to define cardinal numbers, and also relation-numbers, of which what are commonly called ordinal numbers are a particular species. It will be found that each of

these kinds of number may be infinite just as will as finite. But neither is capable, as it stands, of the more familiar extensions of the idea of number, namely, the extensions to negative, fractional, irrational, and complex numbers. In the present chapter we shall briefly supply logical definitions of these various extensions.

One of the mistake that have delayed the discovery of correct definitions in this region is the common idea that each extension of number included the previous sorts as special cases. It was thought that, in dealing with positive and negative integers, the positive integers might be identified with the original signless integers. Again it was thought that a fraction whose denominator is I may be identified with the natural number which is its numerator. And the irrational numbers, such as the square root of 2, were supposed to find their place among rational fractions, as being greater than some of them and less than the

others, so that rational and irrational numbers could be taken together as one class, called "real numbers." And when the idea of number was further extended so as to include "complex" numbers, i.e. numbers involving the square root of - I, it was thought that real numbers could be regarded as those among complex numbers in which the imaginary part (i.e. the part which was a multiple of the square root of ---I) was zero. All these suppositions were erroneous, and must be discarded, as we shall find, if correct definitions are to be given.

Let us begin with positive and negative integers. It is obvious on a moment's consideration that +I and -I must both be relations, and in fact must be each other's converses. The obvious and sufficient definition is that +I is the relation of n+I to n, and -I is the relation of n to n+I. Generally, if m is any inductive number, +m will be the relation of n+m to n (for

any ***n***), and ***-m*** will be the relation of ***n*** to ***n+m***. According to this definition, ***+m*** is a relation which is one-one so long as ***n*** is a cardinal number (finite or infinite) and ***m*** is an inductive cardinal number. But ***+m*** is under no circumstances capable of being identified with ***m***, which is not a relation, but a class of classes. Indeed, ***+m*** is every bit as distinct from ***m*** as ***-m*** is.

جدید عہد ایک اعتبار سے ریاضیات کا عہد ہے۔ سائنس کے سارے مباحث ریاضیات میں حل ہوجاتے ہیں۔ بلکہ جدید سائنس فی الواقع ریاضیات ہی ہے۔ حالانکہ ریاضیات استخراجی علم ہے استقرائی نہیں تاہم سائنس ریاضیات کی عینک سے کائنات کو دیکھتی ہے۔ معروف فلسفی سید محمد تقی اپنی کتاب ۔تاریخ اور کائنات میرا نظریہ۔ میں علمِ منطق کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے استقرای منطق پر جو دلیل دیتے ہیں۔ وہ درجہ ذیل ہے۔

(مجھے منطق کے مسئلے کو تفصیل سے اس لئے زیر بحث لانا پڑ رہا ہے کہ منطق قضایا سے بحث کرتی ہے۔ اور مجھے یہ ثابت کرنا

ہے کہ قضایا صرف عارضی نہیں ہوتے دائمی بھی ہوتے ہیں جن کا تعین ذہن کی اپنی ساخت سے ہوتا ہے استقراء سے نہیں۔ ہر چند ریاضیاتی منطق کی تدوین کر کے وائٹ ہیڈ اور برٹنڈ رسل دونوں نے یہ مان لیا ہے کہ استخراجی طرز تحقیق نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ جدید سائنس کی بنیاد ہے۔ حالانکہ کہ اب تک دعویٰ یہی رہا کہ جدید سائنس کی بنیاد استقراء ہے استخراج نہیں۔ اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ پروفیسر رسل ریاضیاتی منطق کی بحثوں کے علاوہ ہر جگہ جو بحث کرتے ہیں اس میں استقراء کو اساس قرار دیئے ہیں اور استخراج کا مذاق اُڑاتے ہیں اور یہ سمجھے بغیر کہ ان کے اس مذاق کی زد میں خود ان کی۔ ریاضیاتی منطق۔ بھی آجاتی ہے۔

علاوہ ازیں ریاضیاتی منطق کی تدوین دائمی قضایا کے وجود کا بھی اعتراف ہے جنھیں ثابت کرنے کے لئے میں بار بار بحثیں چھیڑتا رہا ہوں اس لئے کہ ان کے ثبوت پر میرے تصور کائنات کی اساس رکھی ہے۔ مجھے ریاضیاتی منطق پر بحث کرنا ہے تو صرف اس لئے کہ میرے خیال میں اس کی تدوین غلط بنیادوں پر کی گئی ہے اور منطق کے مزاج اور روح کو سمجھے بغیر یہ فکری کاوش کی گئی ہے)۔

مندرجہ بالا تجزیے سے یہ بات واضع ہورہی ہے کہ علمِ منطق اپنے کسی نہ کسی گوشے میں وجودِ عقل اور اسکے محرکات کا قائل ہے۔ اپنی اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم دو فلسفے کے عظیم گروہ کا تعارف ضروری سمجھتے ہیں۔ جن میں ایک گروہ عقلیت کا قائل ہے اور دوسرا گروہ تجربیت کا قائل ہے۔ جدید فلسفے کے زوال کا سبب یہ ہے کہ اس نے عقل کو نظر انداز کر کے حصولِ علم کی بنیاد کل تجربے اور مشاہدے پر رکھی۔

راجر بیکن نے کہا تھا کہ خدا اتنا کاہل نہیں ہے کہ وہ انسان کو تخلیق کر کے ارسطو کے سامنے ڈالدیتا کہ لیجیے جناب اب آپ اسے عقل سکھادیجیے۔ ارسطو کی استدلالی منطق سے بغاوت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ اس بغاوت کا انجام ڈیکارٹ پر ہوا۔ جس نے انسانی ذہن کی تنظیم منطق کے بجائے ریاضی کے ذریعے کرنا چاہی۔ فکر انسانی کی طویل اور پسندیدہ راہ سے یہ اساسی انحراف تاریخ فکر انسانی میں ایک ممتاز ترین انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس نوزئیدہ ریاضیاتی اندازِ فکر نے گلیلیو اور کیپلر کی سرکردگی میں مرکزیت شمس کا نظام پیدا کر کے مقدس بطلیموسی نظام کو شکست دینے کا قابل

ذکر کارنامہ انجام دے ڈالا اور اس طرح سترھویں صدی کے سائنسی انقلاب کی بنیادیں رکھدی گئیں۔

Continental Rationalism کے بانی ڈیکارٹ نے کہا کہ میں چلتا ہوں، میں دیکھتا ہوں، میں کسی چیز کو چھوتا ہوں یہ چیزیں میرے وجود کے ہونے کا یقین نہیں دلاتیں۔ لیکن میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں۔

I think therefore I am, I think therefore I exist

جان لاک نے ڈیکارٹ کے فلسفے کی مخالفت کرتے ہوے کہا کہ تجربہ اور مشاہدہ ہی علم کی اصل ہے

Experience and observation is the basic source of knowledge

ایک بڑی اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ تجربیت یعنی (Empiricigm) بھی عقلی استدلال بغیر کوئی معنی رکھتی۔ تجربات مآل کار چند تصورات کا نام ہیں جو ذہن پر منعکس ہوتے ہیں۔ ان تجربات میں ارتباط پیدا کر کے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ذہنی عمل ہے۔ یہ عمل خود تجربات کا پیدا کردہ نہیں ہوتا۔ ایک قضیہ لیجئے۔ پانی۔ پتھر۔ بادل

اور درخت سب کے سب اجسام ہیں۔ اس قضیئے میں۔ پانی۔ پتھر۔ بادل اور درخت۔ تجرباتی حقیقتیں ہیں۔ لیکن یہ حکم یا فیصلہ کہ یہ سب اجسام ہیں کوئی خارجی حقیقت نہیں ہے۔ یہ فیصلہ ذہن انسانی کرتا ہے۔ اس لئے تجربیت۔ عقلیت۔ بغیر کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔ سائنس کے سارے قوانین مآل کار کلیات (Generalisations) ہوتے ہیں۔ یہ کلیات تجرباتی حقیقتیں نہیں ہوتے۔ یہ صرف ذہنی نتائج ہوتے ہیں۔ خود ایٹم۔ الیکٹران۔ پروٹان اور نیوٹران وغیرہ بھی تجرباتی حقیقتیں نہیں ہیں۔ اسی لئے بعض ذمہ دار سائنسدان انہیں ذہنی حقائق قرار دیتے ہیں۔ مختصراً تجربہ بجائے خود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس میں معنویت ذہن کی مداخلت سے پیدا ہوتی ہے۔

تجربات تو تمام حیوانات کرتے ہیں لیکن وہ محض ابتدائی کلیئے بنا پاتے ہیں اور اس لئے ان تجربات کا یا تو کوئی مفہوم پیدا نہیں ہونا یا پیدا ہونا ہے تو بالکل ابتدائی۔ ان کا مفہوم ذہن کی کلیہ سازانہ صلاحیت کے ساتھ پڑھتا ہے۔ بالفاظ دیگر تجربیت فی الواقع ایک بے معنی نظریہ ہے جو عقلیت سے ملے بغیر بے ربط تجربات کے

مجموعے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ تجربات بے ربط لکیریں سے عبارت میں جن میں مفہوم تصویر ساز پیدا کرتا ہے لکیریں تو بچے بھی کھینچ لیتے ہیں مگر بے معنی جبکہ بامفہوم لکیریں صرف مصوّر ہی کھینچتا ہے۔ مطلب یہ کہ عقل کے عنصر کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو پھر تجربات بے ربط اشیاء کا مجموعہ بن کر رہ جائیں۔

بہرحال اپنے موضوع سے کافی دور چلے جانے کے بعد اب آیئے ہم پھر اُسی سوال پر لوٹیں جس پر پہلے سوچ رہے تھے یعنی نقطۂ الف سے پہلے کی حالت۔۔ ہم اس نتیجے پر پہونچے تھے کہ عدم تعین کی حالت کو متعین میں بدلنے کے لئے ایک ایسے وجود محض کی ضرورت ہے جو آزاد ارادے کا مالک بھی ہو۔ بالفاظ دیگر جو شاعر بھی ہو۔ صاحب شعور بھی ہو۔ لیکن یہ رائے ہم نے ظاہر کرنے کو تو کر دی لیکن اس کے بعض مضمرات کو نظر انداز کرنا نہیں چاہیئے۔

صاحب شعور وجود محض۔! آخر اس کا مفہوم کیا ہے۔ شعور کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ حیات کے ایک خاص مرحلے پر اور جسم انسانی سے وابستہ حالت میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی شعور موجود ہو سکتا ہے۔ اس کا ہم کوئی تصور نہیں کر سکتے وجود

محض سے شعور کی وابستگی کی کیا صورت ہوگی۔ ہم اس کا کوئی جواب بھی نہیں دے سکتے لیکن جواب ایک تو اس لئے نہیں دے سکتے کہ ہم نے صرف جسم کے ساتھ وابستگی کی حالت میں شعور کو دیکھا ہے اور دوسرے اس لئے کہ قدامت رکھنے والے اور لاانتہاء شعور محض کا کوئی تصور ہم قائم نہیں کر سکتے۔

جہاں تک تصور نہ قائم کر سکتے کی بات کا تعلق ہے۔ سو یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جہاں عدم تعین کا مسئلہ سامنے آتا ہے وہاں تصور پیچھے رہ جاتا ہے اور اس لئے تصور نہ کر سکنے کی شکایت غیر ضروری ہے۔ یہاں یاد آیا حضرت علیؑ کا یہ قول کہ خدا وہ نہیں ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خدا ہے یعنی جہاں تعین کا سوال پیدا ہو وہاں لاانتہاء۔ قدیم اور غیر متعین باقی نہیں رہتا۔ خدا کا لفظ ایک مذہبی اصطلاح ہے جو لاتعین ولاانتہاء پر دلالت کرتی ہے اور اس لئے یہ کہنا ممکن نہیں کہ خدا یہ ہے بلکہ زیادہ صحیح ہوگا۔ یہ کہنا کہ خدا یہ نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے خطبات۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ۔۔ کمال معرفتہ نفی الصفات عنہ۔۔ معرفت کا کمال یہ ہے کہ صفات کی نفی کی جائے۔ صفات کی نفی کے معنی یہ ہیں کہ ہر متعین تصور کی نفی کی جائے

اس لئے کہ گفتگو عدم تعین سے ہے۔ صفتیں تعین پیدا کرتی ہیں اور تعین محدودیت کا باعث بنتا ہے اور محدود حادث ہوتا ہے۔ لیکن وہ خدا نہیں ہوسکتا جو محدود ہو۔ لہذا خدا سے صفات کی نسبت صحیح نہیں۔

تصور الوہیت کی یہ تعریف جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت علیؑ کے علاوہ اور کسی نے نہیں کی البتہ سینٹ آگسٹائن نے اس سے قریب تر کوئی ضروری کہی ہے۔ تصور الوہیت کی یہ تعریف مجرد فلسفیانہ مباحث کے قریب تر ہے۔

قانونی ثانی حرکیات حرارت اور اس کے نتیجے میں نقطہ، الف پر جو بحث ہوئی اور اس بحث کے نتیجے میں نقطہ الف سے پہلے کی جو صورتحال سامنے آئی اس کے ضمن میں ارسطو کے۔ محرک اول۔ کے نظریئے کا ذکر ضروری ہے۔ ارسطو کا خیال ہے کہ اس کارخانہ حیات و زندگی کو چلانے کے لئے ایک محرک اول کی ضرورت ہے۔ بالفاظ دیگر ہم تنقید و تجزیئے اور استدلال و برہان کے نتیجے میں ایک ایسی منزل پر پہونچ جاتے ہیں جہاں محرک اول کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یعنی وہ نقطہ آتا ہے جہاں۔ محرک اول۔ کا تصور پیدا کئے بغیر کائنات و موجودات کی تشریح و توضیح نہیں ہوسکتی۔

ارسطو کا یہ خیال صحیح ہے چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ نقطہ الف کے بارے میں جو بحث کی گئی وہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اس نقطے کے عقب میں ایک صاحب ارادہ وجود محض یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ شعور محض کا تصور قائم کریں تا کہ ہماری توضیح عقلی بنیاد حاصل کر سکے۔ دلیلیں ہمیں اس طرف دھکیلتی ہیں کہ ہم اس جیسے کسی نظریئے کو اپنائیں کہ اگر ہم اس نوع کا حل ڈھونڈنے پر تیار نہیں ہوتے تو مسائل کی عقلی تشریح پاشکستہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہ صحیح کہ اس نوع کے تصور سے کچھ الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک الجھن تصور نہ قائم کر سکنے کی ہے جس کی بابت اوپر کچھ کہا گیا اور دوسری جسم بغیر شعور کا تصور کرنے کے بارے میں ہے۔

Einstein اپنی Theory of Relativity کانٹ کے فلسفے

Critique of Pure Reason سے متاثر ہوتے ہوئے اپنی تمام تحقیقات کی بنیاد تجربیت پر رکھتے ہیں۔

THE EMPIRICAL AND CONCEPTUAL FOUNDATIONS OF

THE THEORY OF REALATIVITY.

If there can be no doubt, according to the opening words of the *Critique of Pure Reason*, that all our knowledge begins with experience, then this holds especially when we are concerned with the origin of a physical theory. The question here can never run as to *whether* the theory has issued from experience but merely as to *how* it is based on experience, and what is the relation of the diverse elements which characterize and make up the concept of experience as such. There is accordingly needed no special epistemological analysis to make clear the relation of the special and general theories of relativity to experience, to the whole of observation and of physical experiment; such an analysis will only have to decide whether the theory in its origin and development is to be taken as an example and witness of the critical or of the sensualistic concept of experience. Does "experience," as it is used

here, mean merely the bare sum of particular observations - *experimentorum multorum coacervatio,* as a sensualistic thinker once described it-or is there involved in it as independent intellectual form? . Is the construction of the theory merely a matter of joining "fact" to "fact", perception to perception----or , in this connection of particulars, have there been effective all along certain universal and critical norms, certain methodic presuppositions?. No "empiricism" however extreme can ever seek to deny the role of thought in establishing and grounding physical theories, and just as little is there, on the other hand, a logical idealism, which would attempt to free "pure thought" from reference to the world of the "factual" and from being bound to it. The question dividing the two views can only be as to whether thought consists in a simple registration of facts, or whether, even in the *establishment,* in gaining an interpretation of

"particular facts," thought reveals its characteristic power and function. Is its work completed in arranging particular data, immediately taken from sense perception, like pearls on a thread---or does it face them with its own original measures as independent criteria of judgment?.

کسی بھی سائنس کو ہم موردالزام اس لئے نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ اس کی تمام تر تحقیقات کی بنیاد مشاہدات اور تجربات ہوتے ہیں۔لیکن جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا کہ تجربہ بجائے خود کوئی معنی نہیں رکھتا اس میں معنویت ذہن کی مداخلت سے پیدا ہوتی ہے۔ Empirical knowledge رکھنے والے افراد کا یہ نظریہ کہ انسان پیدائشی طور پر علم لے کر نہیں آتا۔رنگوں کی پہچان سے لے کر مختلف ٹھوس اشیاء کی دریافت اور استعمالِ زبان اسکے جملے تشبیہات اور استعارے مشاہدے اور تجربات کی مرہون منت ہیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ عقلی استدلال یعنی حرکتِ ذہنی کے بغیر تجربے اور مشاہدے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔حساتی نظام دنیائے عقل کے ایک مختصر سے حصے کا نام ہے۔اس لئے حسیات ، مشاہدے،

تجربات، کسی چیز کا منعکس ہونا کسی تصویر کا بننا یا بگڑنا، گرم اور ٹھنڈے کا احساس ہونا، مختلف ذائقوں کا محسوس ہونا، کسی چیز کا ادراک کرنا بغیر قوتِ عقلیہ کے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ عقل یہ بتائے گی کہ آیا یہ چیزیں محض خیال ہیں یا کوئی حقیقت یا صرف اور صرف محسوساتی فریب ہیں۔

مختصر یہ کہ اگر انسان اپنے وجود کو منزلِ کمال پر دیکھنا چاہتا ہے تو اسے اپنی عقل کو متصل کرنا پڑے گا۔ عقلِ مطلقہ یعنی عقلِ کل سے۔ یعنی عقلِ فعال عقلِ مطلقہ سے مربوط ہو جائے گی تو پھر وہ خود تخلیق کار بن کر موجودات کی تخلیق شروع کر دے گی۔ ہو سکتا ہے پڑھنے والے میرے اس جملے سے پریشان ہو جائیں۔ لیکن محض وہ پڑھنے والے جن کو ان کے مذہبی جنون نے بزدل اور کم عقل بنا دیا ہے۔ لیکن آج کے جدید ذہن کے سامنے میرا یہ جملہ بے معنی نہیں ہے کیونکہ مذہبی افراد جس چاند کی طرف دیکھ کر دُعا اور تسبیح پڑھتے ہیں اور مختلف توہمات کا شکار رہتے ہیں وہاں ذہنِ جدید چاند پر چلتا پھرتا ہے۔ اور اب تو سارے مذہبی دعوے جدید ذہن کے سامنے غیر موثر نظر آ رہے ہیں۔ جہاں انسان خود اپنے بل بوتے پر اپنی عقل

کے ذریعے ایک نیا انسان تخلیق کر رہا ہے۔ جہاں جدید ذہن نے متعصب مذہبی اقدار کا خاتمہ کیا ہے۔ اس clergy کو فنا کیا ہے۔ جو تقلید کا لبادہ اُوڑھ کر برسوں سے عقل دشمنی پر اتری ہوئی تھی۔

دوسری طرف جدید ذہن کے عقلی رویوں سے علمِ عرفان کو تسکینِ حقیقی حاصل ہوئی کہ واقعی انسان اپنی حیثیت میں عالمِ اصغر ہی نہیں بلکہ عالمِ اکبر بھی ہے۔ انسان حیوانِ عقلی کن معنوں میں ہے۔ اگر اس کی ساری زندگی فکر معاش میں گزر جائے اور اچھی سے اچھی دنیاوی زندگی گزارنے کے لئے وہ محض اقتصادی حیوان بن جائے۔ خواہشاتِ نفسی کا حملہ اتنا شدید تر ہو کہ اسکی عقلِ فعال و عقلِ نورانیہ عقلِ حیوانیہ تک محدود ہو جائے تو اس میں جوہرِ تسخیر و تخلیق دم توڑ دیتے ہیں۔ اگر انسان صاحبِ تصرف بن کر منقولاتی مباحث سے نکل کر عقل کے بحرِ بیکراں میں سفر شروع کرتا ہے۔ تو اپنی حیثیت میں خود تخلیق کار بن جاتا ہے۔

اگر کسی خالی ڈبہ پر ٹیلی وژن لکھ دیا جائے تو وہ ٹیلی وژن نہیں بن جاتا۔ خالی ڈبہ ٹیلی وژن اس وقت بنے گا جب اس میں وہ تمام لوازم موجود ہوں گے جن میں مواصلاتی سیارے سے رابطے

کرنے کی اہلیت ہو۔اسی طرح ایک مذہبی جنونی انسان کے ماتھے پر عقل لکھ دیا جائے ۔تو اس کو ہم Intellectual or Rational نہیں کہیں گے بلکہ توہمات پرست اور محسوساتی فریب کے جال میں جکڑا ہوا عقل دشمن کہیں گے۔اگر واقعی انسان شرافتِ عقل کے اصولوں کو اپنائے اور عقلِ فعال بن کر عقلِ مطلقہ یعنی عقلِ کلّ سے اپنے روابط بحال کرلے تو اس کی عقلِ فعال کا لامحدود سفر عجائبات عقلیہ کی طرف شروع ہوجائے گا۔پھر وہ مہر و مہ انجم کا محاصب بن کر ایام کا مرکب نہیں بلکہ راکب بن جائے گا۔اس کی فکر مفتاح الانوار بن کر قلزم متلاطم میں تبدل ہوجائیگی اور قلب جام جہاں نما بن جائے گا۔

بھگودت گیتا میں خواہشاتِ نفس اور عقل کے مابین کشمکش کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ۔حواس کے بے قابو ہونے کا ذکر کٹھ اپنشد میں آیا ہے جہاں پر حواس کو گھوڑوں سے مشابہت دی گئی ہے گیتا کہتی ہے کہ جب نفس حسی دلچسپیوں میں پھنس جاتا ہے تو انسان کی عقل گم ہوجاتی ہے جیسے کہ گہرے پانی میں شدید ہوا کی موج کشتی کو ڈانواں ڈول کردیتی ہے۔یہاں تک کہ عقل مند آدمی بھی باوجود

ان کوششوں کے جو خود کو مستقل مزاج رکھنے کے لیے کرتا ہے۔ یہ تکلیف دینے والے حواس اس کے نفس کو بھی بھٹکا دیتے ہیں، حسی معروضات سے مسلسل وابستگی پیدا ہونے سے ان سے تعلق پیدا ہوجاتا ہے ایسی وابستگیوں سے خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور خواہشات سے غصہ پیدا ہوتا ہے اور غصے سے جذبات کا اندھا پن اور اس اندھے پن سے حافظے کی معدومی اور حافظے کی معدومی سے انسان کی فہم جاتی رہتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان برباد ہوجاتا ہے۔ بالطبع انسان برائی کی راہ کی جانب مائل ہے اور خود کو ان سے محفوظ رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ نیچے کی طرف گرتا چلا جاتا ہے۔ ہر ایک حس کی اپنی الگ الگ الفتیں اور دشمنیاں ہیں، یہی الفت (راگ) اور دشمنی دونوں دشمن ہیں گیتا بار بار خواہش، الفت (کام)، غصہ (کرودھ)، لالچ (لوبھ) کے برے اثرات کے بارے میں کہتی ہے کہ یہ دوزخ کے تین در ہیں اسی سبب وہ عقل کو ایسا ڈھک دیتی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں یا جیسے کثیف میل آئینے کو دھند لا کر دینا ہے یا جیسے جنین رحم سے ڈھکا ہوتا ہے۔ ارجن کا کرشن سے دریافت کرنے کا حوالہ دلایا گیا ہے کہ حواس کا قابو میں رکھنا

دشوار ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے اے کرشن میرا نفس پُرغضب، مضطر اور متلون ہے اس کا قابو میں رکھنا ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ ہواؤں کو قابو میں رکھنا دشوار ہے۔ حقیقی یوگ کبھی حاصل نہیں ہوسکتا ہے جب تک حواس پر قابو نہ حاصل کیا جائے۔

پانی تصنیف دھم پد میں بھی الفتوں اور غصے کے قابو میں رکھنے کے متعلق ایسے ہی تصورات بھرے پڑے ہیں چنانچہ اس میں کہا گیا ہے اس نے مجھے برا بھلا کہا ہے، مجھے مارا ہے، مجھے دق کیا ہے اور مجھے لوٹا ہے۔ وہ جو ایسے خیالات دل میں نہیں لاتے وہی نفرت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ نفرت کبھی نفرت کرنے سے موقوف نہیں ہوتی بلکہ نفرت محبت کرنے سے دور ہوتی ہے۔ یہی قدیم قانون ہے۔ جیسے ہوا کمزور درخت کو اکھاڑ پھینکتی ہے اسی طرح مار اس کو مفتوح کرتا ہے جو لذات کی تلاش میں زندہ رہتا ہے، جس کے حواس بے قابو ہوتے ہیں یا جو کھانے پینے میں غیر محتاط ہے اور سست اور عورتوں کی طرح ہے۔ جیسے بارش خراب چھائے ہوئے گھر میں ٹوٹ پڑتی ہے اسی طرح نفسانی شوق غیر منضبط دل پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ پھر نفس کے بارے میں کہا گیا ہے۔۔۔ جس طرح تیر بنانے

والا اپنے تیر کو ٹھیک ایک سطح کا کرتا ہے اسی طرح عقل مند اپنے، مضطرب اور غیر مستقل نفس کو درست کرتا ہے جس کی حفاظت کرنا اور مستقل رکھنا دشوار ہے... عاقل کو اپنے نفس کی حفاظت کرنا چاہیے اگر چہ وہ نا قابل فہم لطیف اور متلون ہے۔ بابرکت ہے وہ نفس جس کی حفاظت کی جاتی ہے اور پھر جو شخص خواہشات سے آزاد نہ ہو اس کو نہ عریانی پاک کر سکتی ہے نہ الجھے ہوئے بال، نہ دھول، نہ برت، نہ زمین پر پڑ رہنا، نہ راکھ نہ یوگ کے آسن پاک کر سکتے ہیں۔ اور پھر الفت سے غم آتا ہے اور الفت سے خوف پیدا ہوتا ہے وہ جو الفت سے آزاد ہے نہ اس کو غم ہے نہ خوف، محبت سے خوف اور غم پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جو محبت سے آزاد ہے نہ اس کو غم ہے نہ خوف، شہوت سے غم و خوف پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جو شہوت سے آزاد ہے نہ اس کو غم ہے نہ خوف، خواہش سے غم و خوف پیدا ہوتے ہیں، جو خواہش سے آزاد ہے نہ وہ غم سے واقف ہے نہ خوف سے۔

گیتا اور دھمپد دونوں انضباط حواس کی تعریف کرتے ہیں اور خواہش الفت، غم و غصے کو بڑے دشمن سمجھتی ہیں۔ لیکن گیتا کا طریقہ بحث دھمپد سے مختلف ہے دونوں میں الگ الگ اسباق یا

اخلاقی ہدایات کا نصاب مختلف مضامین پر مشتمل ہے۔ گیتا کی غایت ضبط حواس یہ ہے کہ وہ اس کو امن وقناعت اور عدم خواہش کے حصول کا ذریعہ سمجھتی ہے جس سے انسان اس لائق ہوتا ہے کہ اپنے تمام افعال کو خدا کے ہاتھ سونپ دے اور فرائض کی رواجی راہوں میں اپنے لیے کسی چیز کی خواہش کیے بغیر ان کی پیروی کرے۔ گیتا کو معلوم ہے کہ حواس نفس اور عقل یہ سب الفت ونفرت کی نشست ہیں اور حواس ونفس کے ذریعے ہی یہ انسان کو بیوقوف بنا کر اس کے علم کو اندھا کرتی ہیں۔ گرمی وسردی اور لذت والم کے تمام حسی میلانات محض ہماری قوت مدرکہ کے تغیرات ہیں اور محض تاثرات کے خفیف اثرات ہیں جو عارضی ہیں۔ پس ان کو سکوت سے برداشت کرنا چاہیے۔ محض حواس کو قابو میں لانے سے خواہش کے بھوت کو فنا کیا جاسکتا ہے جو ہمارے عام اور فلسفیانہ علم کو درہم برہم کرتا ہے۔ لیکن اس خواہش کے شیطان کو دبانا بہت مشکل ہے جو نت نئی صورتوں میں نمودار ہوتا ہے۔ جب انسان خود اپنے اندر ایک اعلیٰ ذات کے ذریعے قابو میں لاسکتا ہے اور خواہشوں کو فنا کرسکتا ہے۔ یہ ذات اس کی دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔ اور ہر ایک کا فرض ہے کہ

بلند ہونے کی کوشش کرے اور خود کو ڈوبنے سے بچائے۔ ضبط حواس کا اصلی مقصد انسان کے خیالات کو مستعد کرنا ہے تاکہ وہ خود خدا کے رابطے و تعلق سے منسلک کرے۔

گیتا میں یہ خیال موجود ہے کہ حواس اپنے ساتھ نفس کو کھینچتے ہیں۔ جو اس مسلسل تبدل ہونے والے اور جلد گزرنے والے ہیں۔ اور وہ نفس کو بھی متغیر اور متلون بنا دیتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے کے طور پر نفس اس کشتی کی طرح ہو جاتا ہے جو سمندر میں تیز ہوا میں پھنس گئی ہو اور اِدھر اُدھر جھکولے کھا رہی ہو اور فکر و فراست (پرگیا) کا استقلال رخصت ہو جاتا ہے۔ لفظ پرگیا گیتا میں فکر و فراست یا بالعموم نفسی میلان کے لیے آیا ہے۔ برہدآرینک اپنشد ۴۔۴۔۲۱ میں بھی یہ کم و بیش اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور انڈوکیہ اپنشد ۷ میں کچھ مختلف مفہوم میں آیا ہے۔ لیکن پتنجلی کا مفہوم گیتا یا اپنشدوں کے استعمال سے بالکل الگ ہے۔ پتنجلی اس لفظ کو رمزی وقوف کی مخصوص شکل کے اصطلاحی مفہوم میں استعمال کرتا ہے جو کسی چیز پر نفس کی مستعد توجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نے اس پرگیا کی سات منزلیں بیان کی ہیں جو یوگ کے سعود کے منازل کے مماثل ہیں پرگیا

کا مفہوم گیتا میں فکر یا نفسی میلان ہے۔ اس سے مراد گیان لینے عام و قوف یا وگیان یعنی عقل برتر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد علم کا ارادی پہلو ہے۔ یہ کریا کھیا گیان نہیں ہے جیسے یم، نیم وغیرہ کے ضبط ہیں جو پنچ راتر تصنیف جیا کیہ ستمہیا میں مذکور ہے یہاں اس سے مراد ایک ذہین نقطہء خیال ہے جو نفسی میلان یا رجحان سے متعین اور مربوط ہے۔ جب نفس معروضات کے پیچھے حواس کے دیوانہ وار رقص کی پیروی کرتا ہے تو نفس کا ذہین پس منظر جو اس کے رخ یا پرگیا کو متعین کرنے والا ہوتا ہے وہ بھی برباد ہو جاتا ہے۔ پرگیا کو جب تک قرار نہ حاصل ہو نفس اپنے مقررہ معینہ نصاب کی پیروی بلا اضطراب کے نہیں کر سکتا، حواس کو قابو میں لانے کا اصلی مقصد اس پرگیا کے لئے استقلال حاصل کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گیتا میں پرگیا اور وہی دونوں مترادف الفاظ ہیں اور ان دونوں کے معنی نفسی میلان ہیں۔ اور غالباً اس نفسی میلان میں تعقلی نظر اور اس کے مطابق ارادی میلان دونوں شامل ہیں ضبط حواس اس پرگیا کو مستعد کرتا ہے۔ اور گیتا ستھت پراگیہ اور ستھت دھی کی تعریف سے بھری پڑی ہے یعنی اس شخص کی تعریف جس کا میلان یا افکار معین و مستقل ہیں۔ حسی

معروضات سے مسلسل تالزم ہونے سے حسی تعلقات پیدا ہوتے ہیں ۔اس تعلق یا الفت سے خواہش پیدا ہوتی ہے اور خواہش سے غصہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام برائیاں حسی تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ شخص جو حسی تشفی میں مشغول رہتا ہے وہ جذبات سے چھٹا جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح کچھوا اپنے تمام اعضا کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اسی طرح وہ شخص جو اپنے حواس کو حسی معروضات سے بچالیتا ہے۔ اس کا نفس قائم و مستحکم ہو جاتا ہے۔ ضبط حواس کا راست نتیجہ ارادہ اور نفسی میلانات یا نفس (پرگیا) کی مستعدی ہے۔ وہ شخص جس نے اپنے پرگیا کو مستحکم کرلای ہے وہ آلام سے غمگین نہیں ہوتا اور نہ لذات کے حصول کا متمنی ہوتا ہے۔ وہ نہ الفت رکھتا ہے یہ خوف نہ غصہ۔ وہ عیش و الم میں بے پروا ہوتا ہے۔ نہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے نہ کسی چیز سے پرہیز کرتا ہے۔ وہی اکیلا اطمینان حاصل کرسکتا ہے جو اپنے تمام خواہشات کو اپنے اندر اس طرح جذب کرلیتا ہے جس طرح سمندر تمام دریاوں کو اپنے اندر سمالیتا ہے، نہ کہ اس شخص کو طرح جو اپنی خواہش کی تشفی میں لگا رہتا ہے۔ وہ شخص جس نے اپنی تمام خواہشات ترک کردی ہیں اور ہر چیز سے بے تعلق ہے

اس کو کسی چیز کا بندھن نہیں ہوتا نہ اس کو گھمنڈ ہوتا ہے اور وہی حقیقی طمانیت حاصل کرسکتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے نفس کو محبت ونفرت سے پاک کرتا ہے اور جو اپنے حواس کو پاک کر کے اور ان پر پورا قابو حاصل کر کے حسی معروضات میں مشغول ہوسکتا ہے وہی طمانیت (پرساد) حاصل کرسکتا ہے جب ایسی طمانیت حاصل ہوجاتی ہے تو تما م آلام غائب ہوجاتے ہیں اور اس کا نفس مستحکم ہوجاتا ہے۔ اس طرح ضبط حواس سے ایک طرف تو من غیر مضطر مستحکم اپنے آپ سے پر امن اور طمانیت سے معمور ہوجاتا ہے اور دوسری طرف نفس کو مستعد و مستقل کر کے اس قابل کرتا ہے کہ خدا سے ربط ممکن ہو خدا کے ساتھ ربط کے لیے انضباط حواس ایک ناگزیر شرط ما قبل ہے ایک مرتبہ بھی اگر یہ حاصل ہوجائے تو پھر وہ مسلسل کوششوں سے خود کو خدا کے ساتھ منسلک کرسکتا ہے۔ پس انضباط حواس سے ارادہ وفکر کا استحکام پیدا ہو کر ایک طرف تو طمانیت اور امن نمودار ہوتا ہے دوسری طرف نفس خدا کے ساتھ ربط وتعلق میں داخل ہونے کا اہل ہوجاتا ہے۔

گیتا پڑھنے سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں

ضبط حواس کا مقصد نجات یافتہ وحدت کی حالت کا حصول یا تمام نفسی اعمال کا کامل اختتام نہیں ہے بلکہ زیادہ سمجھ میں آنے والے یکسانی نفس کے حصول، طمانیت اور خدا سے ربط و تعلق میں داخل ہونے کی قوت کا عام نصب العین ہے۔ پس ضبط حواس کے مقصد کا یہ نقطۂ نظر اس سے بالکل مختلف ہے جس کی تعریف پتنجلی کے فلسفیانہ نظام یا اور دوسرے نظامات میں کی گئی ہے۔ گیتا کا مقصد یہ ہے کہ پہلے اپنے حواس اور نفس پر قابو حاصل کیا جائے اور پھر اسے پانے قابو کے حواس اور نفس کے ساتھ حسی معروضات کی طرف رخ کریں۔ صرف اسی ذریعے سے ہم اپنے فرائض کو انجام دے سکتے ہیں۔ کہ ہمارا نفس مطمئن و پرامن ہو اور خدا کی طرف پاک وصاف وخلوص دل سے رجوع ہو۔ اس انضباط حواس کا خاص زور محض خارجی ارادی فعلیتوں کی بندش اور اشتہا و اشتیاق کی ہدایت کے مطابق حرکی میلانات کی بندش پر نہیں دیا گیا۔ ان تمام عملی حاسوں کے پیچھے نفس کے باطنی ضبط پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جب ایک شخص صرف اپنی مادی فصلیتوں پر قابو پاتا ہے اور حواس کی الفتوں کے منصوبے باندھنا جاری رکھتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے کردار میں جھوٹا ہے (متھیاچار) حقیقی انضباط

حواس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حواس کا خارجی عمل ختم کر دیا جائے بلکہ اس سے مراد ضبط نفس بھی ہے نہ صرف انسان لالچ وخواہش کی حسی تشفی کے کوئی فعل سے اجتناب کرے بلکہ اس کا نفس تمام حسی خواہشوں اور ناپاکیوں سے بالکل پاک وصاف ہو جائے۔ محض مادی فعل کا ترک تو ایک بیہودہ راستہ ہے۔ اگر اس کے مطابق نفس پر قابو نہ ہو اور خواہشات و جذبات کو دل میں جگہ دینا پورے طور پر موقوف نہ ہو جائے۔

مندرجہ بالا مباحث سے بات مکمل طور پر واضع ہو چکی ہے کہ خواہشاتِ نفس، شہوتِ انسانیہ، خواہشِ دنیا مختصر یہ کہ لذاتِ مادی انسانی عقل کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ اور اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنی عقل کا استعمال کرتے ہوئے اور اسکی لطیف طاقتوں کو ایک مرکز پر لاکر عقلِ مطلقہ یعنی عقلِ کُل سے محض توسل قائم نہ کرے بلکہ اس سے مربوط ہو جائے۔ یا عقلِ مطلقہ کے بحرِ نورانیہ میں اپنی عقل کو فنا کر دے۔ اس کے نتیجہ میں اس کی عقل فنا نہیں ہوگی۔ بلکہ فنا در بقا بن کر بقا در بقا بن جائے گی۔ کیونکہ انسانی عقل کی ترقی محض مادیت یا مابعد الطبعیات (Metaphysics) کو تصرف میں لانا ہی نہیں بلکہ

مادیت اور معنویت کے درمیان بر بنائے عقل اپنی تخلیقی عنصر کو متحرک کرنا ہے۔اس کے بعد متصبانہ مذہبی عقائد اپنے دم توڑتے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ محض مذہب کا کام عبادتوں کے ذریعے انسان کو انا پرست ، مذہبی جنونی اور شعور و عقل کی مخالفت کرتے ہوئے نا جاننے کی ضد پیدا کروانا ہے۔اسی لیے مذہبی انتہا پسند معاشرے کے درمیان نفرت کا عفریت پھلتا پھولتا ہے۔اور اس معاشرے میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی نفی مسلسل کی جاتی ہے۔ اسی لئے Clergy تھیوکریسی کا گزر Philosophy of Civilization, of, جیسے ان Ethics, Morality and Humanity Philosophy مثبت معاشرتی ، روشن خیال پہلوں سے نہیں ہے۔نظریہ روشن خیالی یعنی ترقی پسند ادب عقلی استدلال کے ذریعے مذہب کی پیدا کی ہوئی برائیوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔اور ایک متوازن ،آزاد، اخلاقی قدروں سے بھرپور، انسانیت دوست، باشعور اور روشن خیال معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے۔وہ اس وقت ممکن ہے جب انسان شرافتِ عقل کے مکتب میں داخل ہو جائے۔ اور اس کی عقلِ جزوی عقلِ مطلقہ یعنی عقلِ کُل کے آگے سجدہ کرے اور عقلِ نورانیہ میں تبدیل

ہوجائے۔

اسی لیے یہ ایک حقیقتِ مطلقہ Absolute Reality ہے کہ عقلِ مطلقہ اور علمِ کُل کے نفیس امتزاج کو جس کا ظہورِ مسلسل (Continuity of Emergence) جاری وساری ہے اس کو ولایتِ مطلقہ کہتے ہیں۔ اسرارِ ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرارِ رموز پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ولایت کے لغوی معنی اور اس کی ظاہری تعریف کی جائے تاکہ معنوی تعبیر و تشریح میں آسانی پیدا ہوسکے۔ جیسا کہ ہم مسلسل اس بات کی تکرار کررہے ہیں کہ عقلِ مطلقہ کے ظہور کا دوسرا نام ہی ولایت ہے۔ کیونکہ عقلِ مطلقہ ہی خالقِ موجودات ہے اور جو خود تخلیق کرنے والا ہو اس پر لفظِ خلق کا اطلاق نہیں ہوسکتا یعنی وہ موجوداتی تخلیقات کے عملِ متحرکہ سے ماورا ہے۔ مختصر یہ کہ اس پر لفظ خلق کا اطلاق کرنا اپنے ناقص العقل ہونے کے ثبوت کے مترادف ہے۔ ہر وجود اپنے حالتِ وجود میں آنے کے لیے عملِ تخلیق کا محتاج ہے۔ تخلیق کا سبب عقلِ مطلقہ ہے اور عقلِ مطلقہ خالق ہے۔ عقلِ مطلقہ کا ظہور ولایت میں جاری وساری ہے۔ لفظ ولی کی وضاحت اگر یوں کی جائے کہ **ولا وَلَایَت وِلَایَت**

وَلِیُ مَوْلیٰ اَوْلیٰ یہ سب مشتق سے مادہ ولی سے ہیں۔ یہاں وِلَایَتُ کے معنی مدد اور وَلَایَت کے معنی کسی عمل یا کام پر تصرف رکھنے کے ہیں۔ اور توسلِ ولایت نفسِ کاملہ میں تصرف فی العالم کی قوت کے پیدا ہونے کے مترادف ہے۔ جاننا چاہیے ہر نبی ولی ہے اور ولایت باطنِ نبوت اور نبوت ظاہرِ ولایت ہے۔ لیکن نبوت ختم ہوجانے والی ہے اور ولایت باقی رہنے والی ہے۔ کیونکہ ولایت صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ **اللّٰہ ھو الولی، اللّٰہ الولی حمید**۔ صفتِ اللہ علم، عقل اور ولی ہے۔ صفتِ خدا کہیں بھی نبوت اور رسالت نہیں ہے۔ اگر رسول ولی نہ ہوتے تو گستاخانے رسول کی یہ توضیح نعوذ باللہ درست ثابت ہوجاتی کہ وہ محض ایک ڈاکیہ ہیں۔ اسی لیے اللہ کی کُل صفات اور قدرت کے ظہور کو ولایت کہتے ہیں۔

خطبۃ البیان جنابِ امیر المومنینؑ کے عجائباتِ میں سے ایک عجب ہے۔ کیونکہ جملہ کُل عجائبات خواہ وہ عجائباتِ عقلیہ ہوں، عجائباتِ نفسیہ، عجائبات ملکوتیہ، عجائباتِ لاھوتیہ، عجائباتِ ناسوتیہ، عجائباتِ موجوداتیہ، عجائباتِ جنیہ، عجائباتِ تخلقیہ یعنی بے شمار عجائبات کے مظہر کو خاتم ولایت مولائے کائنات، کوکبِ

دری، خالقِ علم و عقلِ مطلقہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کہتے ہیں۔ بندہ ناچیز پر وارداتِ قلبیہ و عقلیہ کا مسلسل ہونا اور تکلمِ معصومؑ کے جاری و ساری سلسلے نے اس بات پر مجبور کیا کہ اس عظیم خطبہ پر مقدمہ لکھا جائے۔ ظاہر ہے اس خطبہ عظیم کی شرح و مقدمہ کے لیے لاکھوں دفتر درکار ہیں صرف اس میں کچھ عرفانہ اشارے دیئے گئے ہیں۔ جو صاحب طریقت و معرفت اور سالک کے لیے عظیم راز کائنات کے مترادف ہونگے۔

علم ماکان و مایکون کے حوالے سے میں نے امام بارگاہ شاہ نجف مارٹن روڈ میں عشرہِ محرم کے حوالے سے دس تقاریر کیں تھیں جو روایتی ملاّ پرست مسلمانوں اور بالخصوص اہلِ تشیع حضرات کی سماعتوں پر گراں گزریں کیونکہ یہ افراد ملاّ پرست ہیں مولاؑ پرست نہیں اگر صدقہ خیرات پر پلنے والا مولوی حرمتِ معصومؑ کو پامال کرے تو یہ افراد اُسے مفکر کا درجہ دیتے ہیں۔

جبکہ اگر حرمتِ معصومؑ کے حوالے سے ملائیت کی قدامت پرستی اور معصومؑ دشمنی سے پردہ اٹھایا جائے تو یہ لوگ مذہبی انتہا پسند بن کر لڑنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں بہرکیف علمِ ماکان و مایکون

کے معنی کیا ہیں۔ کیونکہ اس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ۔۔الرسالۃ العلمیہ فی الاخبار المعصومینؑ۔۔میں کر چکا ہوں۔صرف مختصراً اس کی توضیح وتشریح کر رہا ہوں۔ (نوٹ: اس کی تفصیل ۔۔الرسالۃ العلمیہ فی الاخبار المعصومینؑ۔۔میں دیکھیں) ماکان جو ہو چکا ہے وما یکون یعنی مضارع جو ہونے والا ہے جملہ کُل انبیاء ومعصومینؑ علمِ ماکان ومایکون کے مالک ہیں۔یعنی کوئی شے معصومؑ سے مخفی نہیں ہے۔حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ:

لنا مع اللّٰہ حالاۃ نحن فیما ھو وھو فیھا نحن۔ مع ذالک ھو ھو ونحن نحن۔

ترجمہ: ہمارے اللہ کے ساتھ ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جس میں ہم وہ ہوتے ہیں اور وہ ہم ہوتا ہے بایں ہمہ وہ وہ ہی ہے اور ہم ہم ہی ہیں

ظاہر پرست مولوی اس حدیث مبارکہ کی معرفت نہیں رکھ سکتے صرف عارفین ہی اس کے حقیقی اسرار ورموز سے آگاہ ہیں۔ کیونکہ عقلِ مطلقہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھی اس نے چاہا وہ پہچانی جائے تو اس نے اپنا ظہور کائناتوں میں ولایت کی شکل میں کیا۔یعنی جب

وجود موجود نہیں تھا۔ معنی وجود یہ ہیں کہ ہر وہ چیز جس پر لفظ ہے کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ موجود ہے وجود رکھتی ہے۔ جب صرف بحث عدم تھی، موجودات کی نفی تھی۔ اس پر عقلِ مطلقہ نے اپنا ظہور کیا۔ اللہ کی کُل صفات وقدرت مطلقہ کے اظہار کا نام نورِ ولایتؑ ہے اور جب جب ولایتِ اللہ رب العزت نے مختلف زمانوں میں ظہور کیا وہ مختلف ناموں سے سامنے آئی۔

قدرت + صفات + ولایت = ظہورِ نورِ مطلقہ

انسان کی پست ذہنی سطح محض ناموں اور خود ساختہ عقیدوں میں اُلجھ گئی۔ جب کہ بات صرف دو جملوں میں تھی۔ اپنے وجود کی معرفت اور ادراکِ نور مطلقہ اگر یہ حاصل ہو جائے تو انسان مذہبی انتہا پسندی اور جذبات کے اندھے پن سے پیدا ہونے والے عقائد کی تنگ تاریک بند گلیوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور محدود کا لامحدود کمال کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قدرت وصفات مطلقہ جیسے ولایت کا ظہور کہتے ہیں محض اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ کائناتوں میں جاری و ساری ہے۔ اور سب کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہیں کردار سازی،

عرفانِ نفس، شعورِ ذات، تعمیرِ آدمیت اور عدالت مطلقہ کا قیام اب ولایت کے ظہور کو آدم کہیں۔ ابراہیم۔۔۔یسوع مسیح۔۔۔موسیٰ۔۔۔رام۔۔۔کرشن۔۔۔گوتم بدھ۔۔۔محمدؐ۔۔۔علیؑ۔۔۔حسنینؑ یہ سلسلہ لامتناہی ولایتِ مطلقہ ہے۔اور اسی کو عقلِ مطلقہ بھی کہا جاتا ہے۔جو کائناتوں میں امامِ مبین کی حیثیت میں ولائے تصرف کی شکل میں جاری وساری ہے توازن فطری اور عدالت مطلقہ کو دسترس میں لیا ہوا ہے، ہر وہ چیز جس پر خلق کا اطلاق ہوتا ہے اس کے ظہورِ مسلسل سے باہر نہیں ہے۔

معروف اسکالر محترم جناب سید باقر نثار زیدی کی فلسفہ ولایت کے حوالے سے معروف کُتب ''کشف الفضیلہ، کشف العقائد اور بالخصوص کشف الحقائق''جس میں ظہورِ ولایت کے حوالے سے اہم حقائق پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔جس پر قدامت پرست، دشمنانِ ولایتِ علیؑ یعنی شیعہ مجتہدین اور ملا اپنی ناقص ولایت کا اعلان کرتے ہیں۔اور نعوذ باللہ ولایتِ مطلقہ یعنی عقلِ مطلقہ کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔میں سید باقر نثار زیدی کا دل کی

گہرائیوں کے ساتھ شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے رسالہ العلمیہ یعنی ''الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ'' کی حقیقی تعبیر وتشریح اپنی کتاب کشف الحقائق میں کی۔ کیونکہ اخباری مکتبِ فکر قرآن اور قولِ معصومؑ کو حجتِ قطعی سمجھتا ہے۔ اور عقلِ ناقص کی پلیدگی سے پیدا ہونے والے علوم اجتہاد، قیاس، اجماع کی بھرپور مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم اور حکمِ ناطقِ قرآن یعنی قولِ معصومؑ کو نعوذ باللہ رد کرنے والا مجتہد مرتد ہے اور اجتہاد حرام ہے۔ اور استنباط احکام شرعیہ صرف اور صرف قرآن اور قول معصومؑ کی روشنی میں ہوگا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ عقلِ ناقص کے ذریعے استنباط احکام شرعیہ کیا جائے۔ کیونکہ عقلِ مطلقہ کا تعبیر وتشریح کرنے والا عقلِ مطلقہ ہی ہوسکتا ہے۔ یعنی نور کا شارح نور ہی ہوسکتا ہے ناقص انسان نہیں۔

الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ اخباری تاریخ میں پہلا رسالہ علمیہ ہے جو نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جب کہ قدیم علمائے اخباری یعنی محدثین استادِ یعقوبِ کلینی، محدثِ اکبر حرِ عاملی، شیخ صدوق، سید رضی مولفِ نہج البلاغہ

آقائے امین استرآبادی اور علامہ مجلسی نے فتنۂ اجتہاد کے

خلاف احادیث کی کتب مرتب کی تھیں۔ اور اپنی کتب میں قولِ معصومؑ اور قرآنِ حکیم کو حجتِ قطعی قرار دیا۔

تکوین وتخلیق کا تعلق ولایت سے ہے۔ تکوین اور تخلیق کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ علم یعنی جس شے کو خلق کرنا ہے اس سے متعلق تمام جزئیات سے باخبر ہونا۔

۲۔ قدرت یعنی علم کو عمل میں لانے کی قدرت رکھنا

۳۔ حکم یعنی علم وقدرت کے ذریعے سے اس شے کو خلق کر دینا۔

تصرف کے لئے ان تینوں کا ہونا ضروری ہے اور انہی تین چیزوں یعنی علم وقدرت وحکم کے مجموعے کا نام ولایت ہے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ولایت اور تکوین کے اس تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورہ یوسف ۱۰۱ ''اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے''۔

۲۔ سورہ سجدہ ۴ ''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا ہے پھر وہ عرش پر مستولی ہوا تمہارے لئے اس کے سوا نہ کوئی ولی ہے اور نہ سفارشی"

۳۔ سورہ انعام ۱۴ "(اے رسول) کہہ دو کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے کسی اور کو ولی بنالوں۔

قرآن کی مندرجہ بالا آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ذات واجب سے اول جس شے کا ظہور ہوا وہ ولایت ہے۔ نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں حضرتِ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں۔ تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اُسے پاسکتی ہیں، نہ عقل وفہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال ذات کی کوئی حد معین نہیں۔ نہ اس کے لیے توصیفی الفاظ ہیں نہ اس (کی ابتدا) کے لیے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جاسکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے۔ جو کہیں پر ختم ہو جائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا،

تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں۔ دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے۔

اس خطبہ مبارکہ میں ایک بات واضح ہوگئی کہ اللہ کی معرفت محال ہے۔ وہ وجودیت کے فلسفے سے ماورا ہے۔ کیونکہ جو چیز وجود رکھتی ہے وہ محدود ہے۔ وہ عددیت کے فلسفے سے ماورا ہے۔ کیونکہ جو ایک ہے پھر وہ دو ہیں تین ہیں چار ہیں۔ یعنی فکروں کی بلند پروازیاں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ لیکن آگے چل کے جنابِ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ دین کی بنیاد معرفت ہے تو یہاں فلسفہ معقولات کے معروف فلسفی ابی الحدید المعتزلی جنہوں نے نہج البلاغہ کی عظیم شرح لکھی۔ وہ عقلِ مطلقہ جس کو ولایت کہتے ہیں وہاں تک ان کی پروازِ فکری پہنچ گئی اور انہوں نے کہا کہ جب علیؑ یہ کہہ رہے ہیں کہ معرفت محال ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ دین کی بنیاد معرفت ہے تو گویا کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ معرفتِ دین سے مراد معرفتِ ولایتِ مطلقہ ہے۔ یعنی ان کی معرفت ہے۔ ابی الحدید المعتزلی کے نزدیک کُل انسانی عقول کے امام صرف اور صرف مولائےؑ کائنات ہیں جو عقلِ مطلقہ ہیں اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ

اتنی عظیم شرحِ نہج البلاغہ لکھنے والے المعتزلہ جو مولاؑ کی ولایتِ مطلقہ کو ہی عقلِ مطلقہ سمجھتے ہیں ان کا شیعہ Clergy سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لیے حرمتِ معصومؑ کے قائل ہیں جس کے شیعہ آج تک قائل نہیں ہیں۔

انا قال علیہ السلام: ((اول الدین معرفتہ))، لان التقلید باطل، واول الواجبات الدنینیة المعرفة. ویمکن ان یقول قائل: الستم تقولون فی علم الکلام: اول الواجبات النظر فی طریق معرفة اللّٰہ تعالی، وتارة تقولون: القصد الی النظر؟ فہل یمکن الجمع بین ہذا وبین کلامہ علیہ السلام؟!

وجوابہ ان النظر والقصد الی النظر انما وجبا بالعرض لا بالذات، لا بما و صلة الی المعرفة، والمعرفة ہی المقصود بالوجوب، وا میر المومنین علیہ السلام

اراد: اول واجب مقصور بذاته من الدین معرفة الباری سبحانه؛ فلا تناقض بین کلامه وبین آراء المتکلمین.

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ''اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔ اور اسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔ اور وہی کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں پر خبیر ہے۔ جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ بڑا رحمان ہے اگر پوچھنا چاہتے ہو خبیر سے اس کی تعریف پوچھو''۔ (سورہ الفرقان آیت ۵۹) ان آیاتِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خبیر کہا۔ یعنی وہ خبیر جو کائنات سازی کررہا ہے اور اس خبیر کی گواہی دینے والا بھی خبیر ہے۔ یعنی ولایتِ مطلقہ کا تعارف خبیر کی حیثیت سے کرایا۔ اگر اس کی مثال اس طرح دی جائے بہ روایتِ معصومؑ کہ اللہ سورج کی مانند ہے اس کی کرنیں ولایتِ مطلقہ ہیں۔ کیونکہ سورج کی کرنیں اثر رکھتی ہیں۔ اور حالتِ ظہور رکھتی ہیں ان پر لفظِ خلق کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ جب یہ بات واضح ہوئی کہ ولایتِ

مطلقہ جس کو عقلِ مطلقہ کہا جاتا ہے۔ وہی حقیقی خالقِ موجودات ہے۔ تو پھر موت وحیات بھی مخلوق ہیں یعنی خلق کیے گئے ہیں اور خالق پر کیفیاتِ مخلوق کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی مخلوق خالق پر تصرف رکھ سکتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ (سورہ الملک آیت ۲)۔ لہذا ولایتِ تکوینی کا مطلب یہ ہے انسانی عقل وہ مقام حاصل کرلے جہاں اس کا وجود کمال کے راستوں پر گامزن ہوجائے کیونکہ کہ ولایت مطلقہ کے اوصاف بیان کرنا ناممکن ہیں۔ اسی لیے عقلِ کُل، ولایتِ مطلقہ، کوکبِ درّی، خالقِ موجودات حضرتِ امیرالمومنینؑ کی معرفت محال ہے علامہ اقبال نے سپاسِ جنابِ امیرالمومنینؑ میں فرمایا (اے (سر خطِ وجوب و امکاں)

یعنی اے علیؑ! وجوب وامکاں کے درمیان جو خط ہے تو اس خط کا راز ہے میں نے خطبۃ البیان کے مقدمہ کے شروع میں ہی یہ بات واضح کردی تھی کہ ہم اس مقدمہ میں عقلِ مطلقہ اور تخلیق پر بحث کریں گے اور مظہر العجائب کی عجائباتِ عقلیہ کیا ہیں۔ اسکے کچھ عارفانہ اشارے دیتے ہوئے بحث کو ختم کریں گے۔ مندرجہ ذیل آیاتِ

مبارکہ مقدمہ خطبۃ البیان میں زیر بحث رہیں گی۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ

(سورہ الانعام آیت ۷۳)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً

(سورہ ھود آیت ۱۷)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (سورہ الرّعد آیت ۳۹)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (سورہ الرّعد آیت ۴۳)

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا

(سورہ بنی اسرآءیل آیت ۱۷)

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ

الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (سورہ بنی اسرآءیل آیت ۸۱)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا (سورہ بنی اسرآءیل آیت ۹۶)

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا (سورہ الکھف آیت ۴۴)

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (سورہ مریم آیت ۵۰)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ

(سورہ الحج آیت ۶۳)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا۔ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ

بِهٖ خَبِیْرًا (سورہ الفرقان آیت ۵۹)

وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ

(سورہ یٰسٓ آیت ۱۲)

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (سورہ الصفت آیت ۲۴)

هُوَالَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ. فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ. رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ

(سورہ المؤمن آیت ۱۵)

حٰمٓ. وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ. اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ. وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ

(سورہ الزخرف آیت ۴)

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَ

يَهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (سورہ جن آیت ۲۷)

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ. عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ. الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (سورہ النبا آیت ۳)

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا. وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا. وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا. وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا. وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا. وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا. وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا. فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (سورہ الشمس آیت ۱۰)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ. لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ. سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ.

(سورہ القدر آیت ۵)

علامہ سید محمد سبطین سرسوی نے اہلسنت کے معروف عالمِ دین سید محمد صالح کشفی الحنفی کی مشہور و معروف کتاب ''کوکبِ دری فی فضائلِ علی کرم اللہ وجہہ'' کی کتاب پر جامع مقدمہ لکھا ہے جس

میں بالخصوص جنابِ امیر المومنینؑ کے خطبہ رجیعہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ ولی مطلق مظہر العجائب والغرائب ہر دور اور ہر زمانے میں ظہور فرماتا رہا ہے۔ اور یہ مشکل کشائے خلق ہر دور میں ہر صاحب غرض کی مشکل میں کام آتا رہا ہے۔ اور ہر نبی کی امداد فرماتا رہا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔ نصرت الانبیاء سراً نصرت محمداً جہراً۔ میں نے تمام انبیاء کی پوشیدہ طور پر نصرت کی ہے۔ نوح کی کشتی کو بچایا ہے۔ ابراہیم کو سنبھالا۔ یوسف کو نکالا ہے۔ اور ہر میدان میں محمدؐ کی کھلم کھلا۔ اس ولی خدا نے نصرت کی۔ اور ایام ظہور حق اور عالم رجعت میں آپ سردار لشکر یمانی کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ عصا ونشان کے ساتھ دابتہ الارض کی صورت میں نمایاں ہوں کے۔ کرہ شمس پر ظہور فرمائیں گے۔ اور صیحہ فرمائیں گے۔ پھر نصرت فرزند کے لیے آئیں گے۔ پھر رجعت میں بیس ہزار سال حکومت فرمائیں گے۔ اور اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ میں بار بار دنیا میں آنے والا۔ رجعت کرنے والا اور عجیب دولتوں اور باریوں والا۔ اور دشمنوں کو عذاب کرنے اور سزا دینے والا ہوں۔ تمام اعداً اور خصوص اہل شام کو زمانہ رجعت میں سخت سزا دیں گے اور انتقام لیں گے۔ جس کی

تفصیل دیگر خطبات میں آتی ہے اور ر ابواب رجعت میں یہ تمام امور مفصل مذکور ہیں اور تمام عجائبات و معجزات اس مظہر العجائب کے مشہور و معروف اور مسلمات دین سے ہیں۔

ہر شے اول علم باری ہیں ہوتی ہے۔ پھر مشیت میں۔ پھر مقام اور ارادہ میں۔ پھر تقدیر علمی میں۔ پھر قضاء علمی میں۔ پھر قضاء فعلی میں اور پھر امضاء و اجراء ہوتا ہے اور پر اس کی اجل مطلق اور معین و مسمّٰی مقرر۔ علی مظہر کل ولی مطلق ہے۔ بعد اجراء قضاء ہر شے آپ پر نازل ہوتی ہے۔ اور قبل قضاء آپ کو کوئی علم اس کا نہیں ہوتا۔ اور آپ سے پھر کارکنان قضاء وقدر پاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہے کہ میں ہی وہ مرجع و مآب ہوں کہ ہر شے بعد اجراء حکم و قضاء الٰہی میری طرف رجوع کرتی ہے اور یہ بھی عین دین و حقیقت ہے۔

قرآن پاک میں بھی یہ مضمون ہے " ثُمَّ اِنَّ اِلَینَا اِیَا بَھُم۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَینَا حِسَا بَھُم " ہماری ہی طرف ان سب کی بازگشت ہے۔ اور ہمارے ہی ذمہ ان سب کا حساب ہے۔ زیارت جامعہ میں ہے " ایاب الخلق الیکم و حسابھم علیکم " خلق کی بازگشت آپ ہی کی طرف ہے۔ اور ان کا حساب آپ ہی کے ذمہ۔

اس لئے فرماتے ہیں کہ میری طرف سب کی بازگشت ہوگی۔ اور سب کا حساب لوں گا۔ خلیفہ مطلق ہی اس کی طرف سے حساب و کتاب لے گا۔ اس کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہوگی۔ کہ ہر مخلوق سے ہم کلام ہو سکے یا دکھائی دے یا کسی جگہ اور مکان میں آئے اور تخت لگائے۔ یہ سب اپنے ان خلفاء و اولیاء کے ذریعہ کرے گا۔ اور یہی وجہ اللہ جو بعد فنا ہر شے باقی ہیں سب خلق کو اس کی طرف جمع کریں گے۔ یہ تمام ولی برحق خلیفہ خدا، مظہر کل، مظہر العجائب کی صفات ہیں۔ نہ خالق کائنات کے اوصاف کوئی بات اس میں غلو کی نہیں ہے۔ اور آخر میں ارشاد ہے کہ جو کچھ جانتا ہوں اس کی تعلیم سے اور محمدؐ کی تعلیم سے ہے۔ اور جو کچھ کرتا ہوں اور کروں گا اس کی طاقت وقوت سے ''ولاحول و لاقوۃ الاباللہ العلی العظیم'' ان فقرات کو جو غلط کہے اس کا دماغ نور عقل سے اور دل نور ایمان سے خالی ہے اس خطبہ کی شرح صاحبان سواد۔ باب الرجعت۔ بحارالانوار جلد ۱۳ سے مطالعہ فرمائیں۔ معارف ایمانیہ و حقائق نورانیہ انہی کا نام ہے اور انہی کا انکار کفر''۔

(خطبۃ البیان کے اہم نکات) خطبۃ البیان میں جناب

امیر المومنینؑ نے اپنی ولایت کا تعارف بحیثیت عقل مطلقہ کے کرایا ہے اور اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ولایت اور عقل مطلقہ کیونکہ خود خالق ہے اس لیے اس پر لفظ خلق کا اطلاق نہیں ہوتا۔۔اس خطبہ مبارکہ میں دراصل انسان کو اس کی حقیقت سے آگاہی دی گئی ہے۔ کہ وہ صرف عالم اصغر نہیں اگر چاہے تو عالمِ اکبر میں تبدیل ہوسکتا ہے۔

کیونکہ مظہر العجائب کی ہر تخلیق اپنی حیثیت میں خود ایک عجب ہے۔

اسی لیے علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ:

اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انسان نہ روح ہے نہ بدن۔۔

یعنی وجود انسان دراصل طلسم بود وعدم کا نام ہے۔اور مظہر العجائبات کی عجائب میں سے ایک عجب ہے۔

موضوع بحث یہ ہے کہ عقل مطلقہ خالق ہے۔اگر انسان کی عقل اس عقل مطلقہ سے مربوط ہو جائے اور اسرارِ ولایتِ مطلقہ کی معرفت حاصل کر لے۔یعنی

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر...
تو اپنی خودی کو کھو چکا...
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں شرافتِ عقل اور ولایت کے حوالے سے خواہشات نفس کی مخالفت بھرپور طریقے سے کرتے ہیں۔

نفس خود را زن شناس از زن بتر
زانکہ زن جز و ست و نفست کُل شر
مثورت بانفس خود گر میکنی
ہر چہ گوید کن خلاف آں دنی
گر نماز و روزہ مے فرما یدت
نفس مکار ست مکرے زا یدت

(تشریح) مولوی معنوی رومؒ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو بھی عورت سمجھو بلکہ عورت سے بھی بدتر کیونکہ عورت میں تو شر کا ایک حصہ ہے اور نفس سراپائے شر ہے اور اگر تم اپنے نفس کے ساتھ مشورہ

کرو تو جو کچھ وہ کہے اس کمینے کے خلاف کرو اور اگر نفس تجھ کو نماز و روزہ کی ترغیب دے تو یاد رکھو نفس مکار ہے اور تم سے کوئی نہ کوئی مکر کھیل رہا ہے۔ یعنی ثابت ہوا کرا گر عبادات خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو اگر انسان کی خواہشات نفس کا مرکز ہیں اور انسان ان کا عادی اس طرح ہو چکا ہے کہ اس کے نفس کو تسکین پہنچتی ہے۔ تو ایسی عبادات انسان کو عاجز نہیں بلکہ متکبر اور انا پرست بنا دیتی ہیں۔ نفس کو کچلنا اپنی انا اور خواہشات نفس کا خاتمہ کرنا اصل مفہوم عبادت ہے۔ اسی لئے عبادت اگر عادت ہے محض تو یہ عادتِ نفس ہے جو تسکین نفس اور ذاتی انا کو مضبوط کرنے کا سبب ہے اور اگر عبادت عجز و انکساری کا نام ہے۔ تو اس عبادت سے تعمیر آدمیت اور کردار سازی ناگزیر ہے۔ میرا تمام مذہبی انتہا پسندوں سے یہ سوال ہے آیا تمھاری عبادتیں انسان کو متکبر بنا کر انسانیت کا دشمن بناتی ہیں اور وہ اپنی ذات کے تکبر میں مست ہو جاتا یا تمھاری عبادتیں کردار سازی اور تعمیر آدمیت کا سبب بنتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو کوئی مشاہدہ دکھاؤ کیوں کہ جدید ذہن خیالی دنیا پر اب یقین کرنے کو تیار نہیں ہے وہ عقل کی روشنی میں مشاہدہ چاہتا ہے۔ مولانا رومؒ

فرماتے ہیں کہ:

علّت ابلیس ، انا خیر" بداست
ویں مرض درنفس ہر مخلوق است

دراصل مرض ابلیس "اناخیر" ہے یہی مرض تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے یعنی انا پرستی، خود پرستی اور اپنے آپ کو صحیح سمجھنا اور دوسرے کو غلط جبکہ حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں یہ نہ دیکھو کون کہہ رہا ہے یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے۔

میں نے اپنی کتب قرآن حکیم اور حکمتِ ابوذرِ غفاریؓ اور انوار العقول میں مولانا رومؒ کی مثنوی کے حوالے سے تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے بالخصوص اس مقام پر جہاں مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ

بیدار کردنِ ابلیس معاویہ را
کہ وقت نماز بیگانہ شد؟
گفت ہنگام نماز آخر رسید
سوئے مسجد زودمی باید دوید

ابلیس معاویہ کی خواب گاہ میں آکر ہر روز نماز پڑھنے کے

لیے معاویہ کو بیدار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے آپ کو جلدی مسجد کی طرف دوڑنا چاہیے۔ اس کی تفصیل ان دونوں کو کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا معنوی رومؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ

عقل قوت گیر داز عقلِ دگر
پیشہ گر کامل شو داز پیشہ گر

یعنی ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے جیسے ایک پیشہ گر دوسرے پیشہ گر سے کمال حاصل کرتا ہے۔

ایں جہاں یک فکر سیت از عقل کل
عقل چوں شاہ ہست ذکر تہا رُسُل
کم نیشن براسپ تو من بے لگام
عقل و دین را پیشوا کن اے غلام
عقل جزوی را وزیر خود مگیر۔
عقل کل راساز اے سلطان وزیر
کاینَ ہوا پر حرص و حالی بین بود
عقل را اندیشئہ یوم الدین بود

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ کل جہاں عقل کل کی فکر میں غرق ہے۔ کیونکہ وہ ہی شاہ ورسل ہے اے لڑکے بے لگام گھوڑے کی طرح اپنے نفس کو اِدھر اُدھر نہ بھٹکا بلکہ عقل کل کا غلام بن جا عقل ناقص یعنی عقل جزوی کو اپنا وزیر مت بناؤ ورنہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوجاؤ گے بلکہ عقل کل کی بالادستی پر یقین کامل رکھو کیونکہ خواہشات نفس حرص سے پر ہیں اور تمھارے وجود کو لعین بنانے والی ہیں اور عقل کل کو تمھارے آخرت ودین کا خیال ہے۔

آفرین بر عقل و بر انصاف باد
ہر زماں و اللّٰہ اَعْلَمُ بالرّ دشادِ

عقل اور انصاف پر ہر وقت آفرین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

رختِ عقلت باتو ہست و عاقلی
وز جُنُودَ اَلَمْ تَرو ھا عاقلی

تیرا حقیقی سامان عقل تیرے ساتھ ہے اور تو صاحب عقل ہے اور تو فیض ربانی کی ان فوجوں سے ہے۔ جن کو تم نہیں دیکھ رہے کیونکہ ماورائے عقل غافل ہے۔

اے علیؑ کہ جملہ عقل و دیدہ
شمہ وا گوازاں چہ دیدہ....

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اے علیؑ آپ سراپا عقل و دانش ہیں ذرا کچھ راز پر سے پردہ اٹھا ہیں۔

از علی آموز اخلاص عمل۔
شیر حق راداں منزہ از دغل۔
او خدو انداخت بروئے علیؑ۔
افتخار ہر نبیؐ و ہر ولیؑ۔
چوں تو بابی ان مدینہ علم را۔
چوں شعاعی آفتاب حلم را۔
باز باش اے باب رحمت تا ابد
بارگاہ مالہ کفوٓ احد۔
پس بگفت ان نو مسلمان ولی۔
از سرمستی و لذت یا علیؑ۔
زاجتہاد و از تحری رستہ ام۔
آستین بر دامن حق بستہ ام

مولانا معنوی رومیؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت علیؑ سے عمل اخلاص سیکھو اور ان کو مادیت اور نفسانی اغراض کی کھوٹ سے پاک سمجھو کسی نے (نعوذ باللہ) حضرت علیؑ کے منہ پر تھوک دیا جن پر ہر نبیؑ اور ہر ولی کو فخر ہے یعنی وہ افتخار ہر نبی اور ہر ولی ہیں۔ (اللہ کا چہرہ ہیں)۔

صرف آپ مدینہ علم کے دروازے ہی نہیں بلکہ آفتاب حلم کی شعاع ہیں یعنی آفتاب ولایت مطلقہ کی شعاعیں آپ کا سلسلہ ولایت ہیں اور آپ تو باب رحمت ہیں جس سے بارگاہ کفواحد کی زیارت ہوتی ہے۔

گہ اترا گوید از مستی ابولحسنؑ
یا صغیر سن یار طب بدن

اے بے نیاز تو اپنی بے نیازی میں اس قدر مست ہو گیا کہ مجھ کو ابوالحسنؑ میں نظر آنے لگا۔

میں نے اجتہاد جیسی خرافات سے رشتہ توڑ کر اپنے ہاتھوں سے حق کو پکڑ لیا ہے۔ ظاہر ہے جب انسان عقل ناقص اور خواہشات نفس سے نکل کر اپنی عقل کو عقل مطلقہ کے ساتھ مربوط کر لے گا۔ تو

بقول اقبالؒ

اك دانش نورانی، اك دانش برهانی
هے دانش برهانی، حیرت کی فراوانی
اس پیکر خاکی میں اك شے هے، سو وہ تیری
میرے لیے مشکل هے ،اس شے کی نگہبانی!

اب ہم خطبۃ البیان کے کچھ جملوں کی تشریح وتوضیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں ظاہر ہے کہ خطبۃ البیان کے ایک جملہ کی تعبیر و تشریح کے لیے لاکھوں دفتر درکار ہیں۔اور انسانی عقل ناقص کے ادراک سے باہر کی چیز ہے اس میں چند ان جملوں کا اضافہ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے حکم سے کر رہا ہوں جو انہوں نے از خود مجھے تعلیم فرمائے یعنی حقیقی خطبۃ البیان کی تعلیم دی اگر اس کی حقیقت میں بتادوں جس کا حکم مجھے نہیں ہے تو لوگ مجھے قتل کر کے میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔لیکن مجھے اس بات کا یقین کامل ہے۔کہ جس طرح حلاج منصور کی لاش کے ٹکڑوں میں سے انا الحق کی آوازیں آرہی تھیں اگر میرے ساتھ ایسا ہوا جس کی قوی امید مسلمانوں سے اور بالخصوص ولایتِ علیؑ کے دشمن متعصب شیعہ

فرقہ سے زیادہ ہے تو میری لاش کے ٹکڑوں سے یہ آواز ضرور آئے گی
یاعلیؑ یاعلیؑ یاعلیؑ

دل سوز سے خالی، نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے۔
کیا صوفی و مُلّا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سر دامن ابھی چاک نہیں ہے

کبھی اے حقیقت منتظر، نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبیں نیاز میں

خطبۃ البیان کے جن جملوں کی تشریح و توضیح کی جارہی ہے۔ وہ درجہ ذیل ہیں۔

۱) انا الذی عندی مفا تیح الغیب
۲) انا بکل شئی علیم
۳) وأنا اللوح المحفوظ

٤) ان الذى عنده علم الكتاب على ماكان ومايكون

٥) انا قائم بالقسط

٦) انا الساعة

٧) وأنا المتكلم بكل لعنة فى الدنيا

٨) انا فطرة العالمين

٩) انا امر الله والروح

١٠) انا البارى المصور فى الارحام

١١) ان صاحب الطور انا لكتاب المسطور

١٢) انا اسم من اسماء الله وهو الا سم الا عظيم الا على

١٣) ان احيى واميت

١٤) انا اخلق وارزق

١٥) انا المتكلم على لسان عيسى فى المهد

جاننا چاہیئے کہ قرآن حکیم میں سورہ الزخرف کی پہلی چار آیات مبارکہ میں مولائے کائنات کو حکمت کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی ولایت مطلقہ کا ظہور جب اس کائنات میں ہوگا تو وہ حکمت کی حیثیت میں لوح محفوظ ''کتاب مکنون یعنی ام الکتاب'' کہلائے گا۔

کیوں قرآن حکیم جو کتابی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اس کے نور کو اس کی حقیقی طاقت کو کوئی مس نہیں کرسکتا جب تک کہ پاک نہ ہو۔ جس کی گواہی خود کتاب حکیم میں موجود ہے کہ نہیں کوئی مس کرسکتا سوائے وہ لوگ جو مطہر اور پاک ہیں۔ پاکی سے ہماری مراد محض ظاہری پاکی نہیں بلکہ باطنی پاکی یعنی باطن سے شرک کا ختم ہونا۔

سورہ زخرف میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ حم (اس بیان کرنے والی کتاب) کو عربی زبان میں قرآن بنادیا۔ اگر تم لوگوں کی عقلوں کو وہ قابل استعمال بنائے۔ وہ بیان کرنے والی کتاب ام الکتاب جس میں کُل سمایا ہوا ہے اور ہمارے نزدیک علی حکیم ہیں حکمت پر فائز ہیں۔

یعنی اللہ کی ولایت مطلقہ جو عقل مطلقہ بھی ہے اسی کو حکمت

کُل بھی کہا جاتا ہے۔

سورہ ال عمران کی پہلی سات آیات مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ الم اللہ ہے جس کے سوا کوئی نہیں جو حیّ و قیوم ہے اور اس نے تم پر کتاب حق نازل فرمائی جو کل کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس نے اس سے پہلے توریت اور انجیل اُتاری لوگوں کو راہ دکھائی اور فرقان کو نازل کیا بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے منکر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔ اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ آسمان میں وہی ہے کہ تمھاری تصویر بناتا ہے۔ ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں جو عزت والا حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے کتاب اتاری تم پر اس کی کچھ آئتیں صاف معنی رکھتی ہیں۔ وہ ام الکتاب میں ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہتے ہیں اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور علم میں پختہ افراد کو جو ہم پر ایمان لائے یعنی کُل پر ایمان لائے کیونکہ نصحیت نہیں مانتے مگر صاحب عقل۔

بات واضح ہوتی چلی جارہی ہے کہ قرآنِ حکیم کی اصل ام الکتاب ہے۔ جہاں پورا کا پورا قرآن محکمات ہے یعنی قرآن سامت قرآن ناطق کے وسیلے سے اپنے معنی کھولتا ہے اور قرآن ناطق ہی ام الکتاب ہے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ام الکتاب سے گریز کر کے اپنی عقلِ ناقص کے ذریعے تاویلات قرآن کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے پورا پورا قرآن محض اشتباہ بن کر رہ جاتا ہے۔ لیکن جو عقل والے ہیں جو کُل پر ایمان لاتے ہیں جو علم میں پختہ ہیں وہ لوگ معرفت ام الکتاب یعنی معرفت ولایت مطلقہ رکھتے ہیں۔ جو عزت وحکمت والی ہے اور ماں کے رحم میں بچے کی شکل بنانے والی ہے یعنی جو ولایت مطلقہ کی منزل پر کائنات میں پیدا ہونے والے ہر وجود کی شکل کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بنادے اس کو محض بشریت کی گندگی میں مذہبی انتہا پسند مقید کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہ نطفہ نجس سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی نطفہ نجس سے دوسروں کو پیدا کرتا ہے اس پر لفظ خلق کا اطلاق ہی حرام ہے اس کا ظہور ہوتا ہے اور وہ مامور امر کن فکاں ہے۔ جو خود نعوذ باللہ نطفہ نجس سے پیدا ہوگا یا نطفہ نجس ٹپکا کر بچے پیدا کرے گا وہ کیا کُل انسانیت کے نفوس کا تزکیہ کر

یگا۔نعوذ باللہ لعنت تبرا بے شمار ہو اس فرقے پر جو معصومینؑ کی ذاتِ مبارکہ کو جنسی خواہشات میں مقید کرتا ہے اور اپنے ذہن کی گندگی سے ذاتِ معصومؑ پر بحث کرنا چاہتا ہے۔جن کے نام کا ورد کرنے سے گنہگاروں کے رجز کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔اور ان پر یہ لعنتی فرقہ متعہ کرنے کی تہمت لگاتا ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اولادِ قابیل یعنی اولادِ قاتل معصومینؑ کی ذاتِ مبارکہ کو اپنے نجس مرتبے پہ لانے کے لیے ان کی نسل سے ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔اور یہ اصولِ فطرت ہے جیسا درخت ویسا ہی پھل یہ تو ناممکن ہے کہ ببول کے درخت میں آم کا پھل لگے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جو وجہ کائنات ہیں علمِ کُل اور عقلِ مطلقہ کا نفیس امتزاج یعنی والشّمس وضحاہیں بقول مولانا رومؒ

زان سبب فرمود یزداں وضحی
وضحی نور، ضمیر مصطفیؐ۔

اسی لیے ہم دیکھ رہے ہیں معصومینؑ کے لے پالک بچے جو معصومینؑ ہی کے خلاف کھڑے ہو گئے جیسے زید، جعفرِ کذاب وغیرہ وغیرہ۔۔ ان کی اولادیں آج ولایتِ مطلقہ کی دشمنی میں سب سے آگے ہیں۔

اسی لیے مولانا رومؒ نے ایسے افراد کے لیے کہا تھا۔

خویشتن رابر علیؑ و بر نبیؐ
بستہ است اندر زمانہ ہر غبی
شیر را بچہ ہمے ماند باد
توبہ پیغمبرؐ چہ مے مانی بگو

مندرجہ بالا اشعار میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ آج کل ہر نااہل اپنے آپ کو علیؑ اور نبیؐ سے منسوب کر کے سیّد اور علوی بنا پھرتا ہے۔ کیا تعجب کی بات ہے کہ بناوٹی سیدّوں میں کردار و گفتار کی خوشبو کہیں نظر نہیں آتی اور دیکھو اے بناوٹی سیدّوں شیر کا بچہ شیر سے مشابہ ہوتا ہے تم بتاؤ کہ پیغمبرؐ کے ساتھ کس بات میں مشابہ ہو؟

تا چہ کیں دارند دائم دیو غول
چوں یزید و شمر با آلؑ رسول

مولانا رومؒ فرماتے ہیں دیکھو یہ شیاطین اور بھتنے (بناوٹی سیّد) یزید اور شمر سے بھی بدتر ہیں کیونکہ یہ سخت ترین عداوتِ آلِ رسولؐ رکھتے ہیں۔ جس کا منہ بولتا ثبوت شیعہ ملاّوں اور مجتہدین کی نجس فکر ہے جو اپنی شیطانی ولایت کی تقلید کو واجب اور اللہ کی

ولایتِ مطلقہ یعنی علیؑ ولی اللہ کو مستحب قرار دیتے ہوئے (اب تو ٹیلی وژن پر کالے عمامے باندھ کر ولایتِ علیؑ کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہر وجود اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے انہوں نے اپنے عمل اور گفتار سے یہ ثابت کر دیا ہے یہی دشمنانِ ولایتِ علیؑ ہیں) جو ولایتِ مطلقہ کو جزو دین نہیں سمجھتے اور دوسری طرف صلوۃ اعلیٰ عزاداریِ امام حسینؑ کو کجا صلوۃ کا درجہ بلکہ نعوذ باللہ مذہبی خرفات سمجھتے ہیں۔ اور شیعوں کے نجس العین مفکر استاد مطہری (لعنت اللہ علیہ) اپنی کتاب حماسہ کربلا اور تحریفِ ہائے عاشورہ میں لکھتا ہے کہ کربلا میں کوئی تین دن پانی بند نہیں ہوا۔ اور صبح عاشور امام حسینؑ کے لشکر نے غسل کیا اور سیر ہو کر پانی پیا اس کے علاوہ اب تو ایرانی مجتہدین نے شطرنج کو جائز قرار دے دیا ہے جس کے خلاف جنابِ امیر المومنینؑ اور عیون اخبارِ رضا میں امام رضاؑ کی احادیث موجود ہیں۔ شیعہ نسل اور اس کے ملاؤں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ جو شخص حرمتِ معصومؑ اور حرمتِ ولایتِ مطلقہ کی بات کرتا ہے اس کو امریکن اور سی آئی اے کا ایجنٹ کہہ کے بدنام کیا جاتا ہے۔ میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ علامہ امین استر آبادی نے ''فوائد مدنیہ''

جیسی عظیم کتاب لکھی جو مجتہد اور اجتہاد کے خلاف سب سے بڑی تحقیق ہے۔ علامہ کے زمانے میں نہ سی آی اے کا وجود تھا نہ امریکہ کوئی بہت بڑی طاقت تھا ان کو کس کا ایجنٹ کہو گے۔ دراصل علامہ امین استر آبادی سے لے کر عمران لیاقت تک سب ولایت مطلقہ کے ایجنٹ ہیں یعنی اللہ کی ولایت کے ناقص ونجس انسان کی ولایت کے نہیں۔ میں آج پھر اس کتاب میں چیلنج دے رہا ہوں کہ میری دو عظیم کتابیں انوار العقول اور الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ جو تقریباً ۲۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں ان کا جواب لائیں علم کا جواب علم سے دیا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے دور میں قرآنِ حکیم کے خلاف کتاب لکھی گئی کہ قرآن کے تضادات لوگ مولاؑ کی طرف رجوع ہوئے اور شاید یہ سمجھے کہ مولاؑ ملاّ کی طرح کفر کے فتوے لگائیں گے لیکن انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر تم میں لیاقت ہے تو جواب دے دو یعنی علم کا جواب علم سے دیا جائے گا۔ اس لیے صدقہ وخیرات پر پلنے والا مولوی سن لے کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ یعنی ولایتِ مطلقہ کسی فرقے کی میراث نہیں ہے بلکہ آفاقی سچائی کا نام ہے۔ اور جب جب انسان کی عقل بیدار ہوگی وہ اس درِ عقلِ مطلقہ کے

آگے سجدہ ریز ہوگی۔ اور صدقہ وخیرات خورملاّ کو جاننا چاہیے کہ مولا علیؑ شاہ مرداں ہیں یعنی مردوں کے مولاؑ ہیں۔ مرد کا کام خون و پسینے کی کمائی سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور تمام کُل جملہ انبیاءؑ اور ائمہ ومعصومینؑ نے کھیتی باڑی، باغبانی، تجارت، بھیڑ بکریوں کو چرانا وغیرہ جو اس وقت کے پیشے تھے اختیار کیے اور امت کو بتایا کہ رزقِ حلال کے ذرائع کیا ہیں کسی بھی معصومؑ نے صدقہ وخیرات، لوٹ کا مال، امت سے بٹورا ہوا مال نہیں کھایا۔ اسی لیے حضرتِ ابوذر غفاریؓ نے معاویہ ازم کی بھرپور مخالفت کی (تفصیل کے لیے میری کتب الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ اور قرآنِ حکیم اور حکمتِ ابوذر غفاریؓ کا مطالعہ کریں)

جیسا کہ ہم بار بار اس بات کی تکرار کر رہے ہیں کہ معصومینؑ کا ولادت کی گندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا ظہور ہوتا ہے اور ہر وجود جس پر لفظ ولادت کا اطلاق ہوتا ہے یعنی متولد ہوتا ہے اس کو فنا ہے اسی لیے کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اللہ کا چہرہ باقی رہے گا۔ (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ) یعنی اللہ کے چہرے سے مراد

ولایتِ مطلقہ نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے جن کا ظہور کائناتوں میں جاری و ساری ہے۔ جو خود خالق موت و حیات ہیں۔ ان کے لیے بیہودہ الفاظ استعمال کرنا کہ (نعوذ باللہ) وہ مر گیا یا زندہ ہو گیا حقیقتاً ولایت مطلقہ کی توہین ہے۔ اس لیے یاد رکھیئے انبیاء ائمہ معصومینؑ کا ظہور ہوتا ہے ان کا ظہور اللہ کی ولایت مطلقہ کا ظہور ہے عقل کُل کا ظہور ہے موت اور حیات ان کی مخلوق ہیں اور مخلوق خالق پر تصرف نہیں رکھ سکتی۔ موت کیا ہے اس عالم سے اور اپنے اطراف سے بے خبری حیات کیا ہے اپنے اطراف سے باخبری سورہ زمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ جب تم رات کو سو جاتے ہو تو وہ کیفیت تمھاری حالتِ موت ہے یعنی بے خبری جبکہ ولایت حیٔ و باقی ہے وہ علی عظیم ہے جسے نیند نہیں آتی جو قائم مسلسل ہے اس لئے اگر وہ اُن دنیا والوں کو دکھانے کے لیے ظاہراً سو رہے ہیں تو اس پر حالتِ بے خبری یعنی موت طاری نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اپنے اطراف سے باخبر ہیں۔ اسی لیے وجہ کائنات رحمۃً لعلمینؐ کے بستر پر وہی سوئے گا جو سو جائے تو بھی باخبر ہو کیونکہ وہ ولایت مطلقہ کی شکل میں موت و حیات پر تصرف رکھتا ہو۔

اس بحث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سورہ البقرہ میں الم وہ کتاب ہے جس میں ریب نہیں ہے یعنی شک نہیں ہے۔

ان آیات مبارکہ میں اشارے کے لیے لفظ ذالك استعمال ہوا ہے ھذا نہیں۔ جبکہ ھذا عربی زبان میں نزدیک کے لیے اور ذالك دور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تعجب ہے کتاب نزدیک ہے اور کہا جارہا ہے کہ وہ کتاب یعنی جو کہیں دور ہے اس میں شک نہیں یعنی قرآن کی اصل ام الکتاب جو نور ولایت مطلقہ ہے اس میں ریب یا شک نہیں ہے۔ اجمالاً یہ کہ انتظام عام کے لیے ایک منتظم و مدبر کی ضرورت ہے جو فساداتِ عالم اور طوائف الملوکی کو دور کرے اور وہ قوت منتظم امام مبینؑ یعنی ولایتِ مطلقہ کہلاتی ہے۔ اسی لیے امامِ مبین ام الکتاب کی صورت ہیں اس میں تمام عنارین و مغامین کتب الیہ اس کی طرف منتہی ہیں ان سے جدا نہیں ہیں لہذا تمام خلق کو اس طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ ام لکتاب خزینۂ موجودات واصل کائنات ہے۔ اسی لیے معاویہ کی فوج نے جب قرآن کے پاروں کو نوکِ نیزہ پر بلند کیا۔ کیونکہ وہ جنگ ہار رہے تھے اور بچت کا کوئی راستہ نہیں تھا تو حضرت علیؑ کی فوج جو شیعانِ علیؑ کے نام سے

مشہور تھے انہوں نے جنگ روک دی تو جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ میں ناطقِ قرآن ہوں بولتا ہوا قرآن ہوں یہ معاویہ کی مکاری ہے پروانہ کرو اور نیزوں پر جو قرآن ہیں ان کو تیروں سے چھید دو تو کُل شیعانِ علیؑ جو صرف بغضِ معاویہ میں اور بیاسی طور پر علیؑ علیؑ کر رہے تھے خود اس ولایت مطلقہ کے دشمن ہو گئے کیوں وہ معرفت ولایت نہیں رکھتے تھے اور کہنے لگے علیؑ کافر ہو گئے ہیں ان کو قتل کر دو اور شیعانِ علیؑ نے ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا لیکن جنابِ امیر المومنینؑ کے جانثار غلاموں نے جن میں۔ قیسؓ۔ مالک اشترؓ۔ حضرت قنبرؓ۔۔ وغیرہ شامل تھے انہوں نے معاملے کو نمٹایا۔ آج کی شیعت کا حال بھی یہی ہے جو ماضی میں تھا میں نے اس کی بھرپور تفصیل اپنی کتاب ''انوار العقول'' میں واضح کی ہے۔ کہ شیعہ فرقہ کُلی طور پر اس ولایت مطلقہ سے انکار کرتا ہے اور صرف بغض معاویہ میں علیؑ علیؑ کرتا ہے علیؑ کو پہچان کر یا اس عقلِ مطلقہ حکمت کل کی حقیقی معرفت رکھ کر علیؑ علیؑ نہیں کرتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایک کسان کے دو بیل تھے آدھی رات کو ایک بیل جو اس کے گھر کے باہر کھونٹے سے بندھا ہوا تھا رسی توڑ کر بھاگ گیا۔

کسان کچھ دیر بعد بیدار ہوا اور چاہا کہ اپنے بیلوں کو دیکھے تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بیل غائب ہے۔ جنگل کی آدھی رات ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دے وہ پریشان پھرتا ہے اور روتا جاتا ہے میرا بیل میرا بیل تو کہاں چلا گیا مختصر یہ کہ کسان واپس پلٹتا ہے اور جس جگہ اس نے اپنے بیل کو باندھا تھا وہاں ایک شیر آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کسان بیچارہ یہ سمجھا کہ میرا بیل واپس آ گیا اور تاریکی میں شیر کی پیٹ پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتا جاتا اور کہتا جاتا اے میرے بیل تو کہاں چلا گیا تھا سارا دن تو زمین پر ہل چلاتا ہے اور رات کا کچھ عرصہ ہوتا ہے کہ تو آرام کر لے میں تجھے بہت زحمت دیتا ہوں کسان کی یہ گفتگو سن کر شیر ہنسنے لگا اور یہ کہا کہ اے کسان تو رات کی تاریکی میں مجھے بیل سمجھ کر میری پیٹ پر ہاتھ پھیر رہا ہے اگر دن کے اجالے میں تو مجھے دیکھ لیتا تو تیرا کلیجہ پھٹ جاتا مولانا رومؒ اس حکایت کے بعد فرماتے ہیں کہ اے لوگوں تم نے ابھی علیؑ کو رات کی تاریکی میں دیکھا ہے اگر دن کے اجالے میں دیکھ لیتے تو تمھارے کلیجے پھٹ جاتے۔

اگر معرفتِ ولایتِ مطلقہ رکھ کر وردِ نادعلیاً مظہر العجائب کر رہے ہوتے تو ملت کا ہر فرد قلندر، قطب، ابدال جیسے مراتب پر

فائز ہو جاتا محض فرقہ پرست متعصب مذہبی جنونی بن کر محدود نہیں رہ جاتا۔

مولائے کائنات خطبۃ البیان میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ میں علم ماکان و مایکون کا مالک ہوں اور کُل شے کا علم رکھنے والا ہوں۔

سورہ جن جو قرآنِ حکیم کا پانچواں قل ہے اس کو محض اس لئے چھپا دیا گیا اور جب قل کی بات ہوئی تو شیعہ سنی ملاؤں نے ایک آواز ہو کر کہا کہ قرآن میں صرف چار قل ہیں میں نے اس کی تفسیر بھی اپنی کتب ''الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ اور انوار العقول'' میں کی تھی۔ مگر یہاں مختصر عرض کرتا چلوں کہ اس سورہ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اپنی ولایت مطلقہ کے ظہور کو عالم الغیب قرار دیا ہے اور فرمایا کہ صرف اللہ غیب کا جاننے والا ہے وہ کسی کو عالم الغیب نہیں بناتا مگر اس کو جو ارتضٰی ہے یعنی مرتضی ہے اور رسول کو۔

واضح ہوا کہ اللہ ولی ہے اور اس کی ولایت مطلقہ کی تعبیر و تشریح اور ظہور جنابِ امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کی ذاتِ مبارکہ ہے اس لیے وہ غیب کی کنجیوں کے مالک ہیں اگر ہم اس کی تفصیل میں

گئے تو سیکڑوں دفتر سیاہ ہو جائیں گے۔

لامتناہی سلسلہ غیب کیا ہے اس پر دسترس اور تصرف ولایت مطلقہ کا ہے اسی لیے اُسے غیب الغیوب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ لامتناہی سلسلہ غیب کی کنجیاں اسی کی دسترس میں ہوگی جو تصرف غیب رکھتا ہوگا۔ علم ما کان و ما یکون۔۔۔ یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو ہونے والا ہے مستقبل میں ان سب کا جاننے والا ہی ولی مطلق کہلاتا ہے۔

میں ہی عالمین کی فطرت ''اللہ کا امر اور روح اللہ ہوں''

ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے رسول یہ تمھارے پاس آ کر روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اُن سے کہہ دو روح ہمارا امر ہے اس سے زیادہ ہم نے ان کو اس کے بارے میں علم نہیں دیا سورہ مومن میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ وہی ہے کہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے روزی اُتارتا ہے او نصیحت نہیں مانتا مگر جو رجوع لائے تو اللہ کی بندگی کرو مخلص بندے بن کر پڑے برا مانیں کافر بلند درجے دینے والا عرش کا مالک ہے (جن کے درجوں کو بلند کرنا چاہتا ہے) ان میں اپنی روح کا القاء کر دیتا ہے۔

اس کی روح یعنی ولایت کا القاء اور مردِ مومن کے درجات

کو بلند کرتا ہے اس کی روح سبب رزق ہے یعنی ولایتِ مطلقہ کائنات میں رزق بانٹنے والی ہے اور انسانی درجات کی بلندی اس ولایتِ مطلقہ سے متصل ہے حضرتِ امام جعفرِ صادقؑ فرماتے ہیں کہ ہماری معرفت بہت مشکل محال ہے مگر کوئی فرشتہ یا ملائیکہ یا وہ جس میں ہم القاء کردیں ان کی معرفت سے مراد ولایت مطلقہ کی معرفت اور عقلِ مطلقہ کا یعنی عقلِ ناقص کو کامل کرنا اور منزل کمال پر پہنچانا اس وقت ممکن ہے جب ولی ہی مطلق جب چاہے کہ تو اس نور کا القاء یعنی اپنے نور، امر، روح، ولایت کو Motivate کردیں گے۔ مامور امر کن فکان کے درمیان ولایت مطلقہ تصرف ہے اس لیے وہ محض باب العلم نہیں بلکہ باب الحوائج بھی ہیں۔ یعنی روح اعظم کلی کا ارواح دیگر پر تصرف عقلی کلی کا عقول کلیہ و جزئیہ پر تصرف یا نفس قدسیہ کا کلیہ نفوس پر تصرف۔

اسی لیے سورہ طارق میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا وہ جو کُل نفوس کا نگہبان ہے۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں میں نے نہج البلاغہ کے خطبہ اول سے اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں کہ اللہ کی معرفت محال ہے وہ

وجودیت عددیت کے فلسفے سے ماورا ہے اور محض صفت نہیں ہے نہ اسم ہے اسے اسم اور اس کی صفت اسکی ولایت اسکا نور اسی قدرت کا اظہار یہ ہیں کہ اسرارِ ولایتِ مطلقہ یعنی امیر المومنینؑ مظہر العجائب علی العظیم لسان صدقِ عَلیناً ۔

یعنی ہر نبیؑ رسول کا ظہور ولایت اللہ کا ظہور ہے یعنی کسی بھی رسول اور نبیؑ ولایت مطلقہ کی دسترس سے باہر نکل کر اپنی رسالت یا نبوت کو قائم نہیں کرسکتا بلکہ رسالت نبوت کے قیام کی اصل ہی ولایت مطلقہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا مسلسل تکرار اللہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں اللہ رب العزت کا مسلسل یہ کہنا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا ہاں میری تجلی کو دیکھ۔۔ مولائے کائنات کا یہ فرمانا کہ

انا صاحبِ طور

یعنی حضرت موسیٰؑ نے ولایت مطلقہ کی تجلی کو دیکھا اور بے ہوش ہوگئے میں نے یہاں پر مولاؑ سے سوال کیا مولاؑ آپ فرماتے ہیں کہ میں ہی مسیح ہوں اور پالنے میں نے ہی گفتگو کی اور میں ہی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ ہوں پھر آپ فرمارہے ہیں کہ میری تجلی ولایت کو موسیٰؑ نے دیکھا اور بے ہوش ہوگئے۔ مولاؑ نے فرمایا یہ ہمارے

عجائبات ہیں تجلی بھی ہم ہیں موسیٰ بھی ہم یعنی ہم نے خود اپنے آپ کو دیکھا اور دنیا کو دکھانے کے لیے بے ہوش ہو گئے۔

مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ میں ہی آدم ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر نبیؑ ولی ہے اور معصوم ہے اس سے گناہ نہیں ہوسکتا لیکن مسلمانوں کی کم عقلی نے تو حضرت آدم سے گناہ کروا دیا اور ان کو عریاں دنیا میں پھروایا صرف مسلمانوں ہی کا کیا قصور تمام اہل کتاب خواہ عیسائی ہوں یا یہودی ان کی Clergy بھی اسی بات کی قائل ہے سوال پھر وہ ہی ہے کہ آسمانی آئتیں ان لوگوں سے گفتگو نہیں کرتی جو متشابہات میں اُلجھ جاتے ہے۔ اور ان کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ ذرا صاحبِ عقل افراد قرآنِ حکیم کی ان آیات مبارکہ پر غور کریں:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ

فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ۔ (سورہ البقرہ ۲۹ سے ۳۴)

(اور یاد کرو اور جب تمھارے رب نے ملائیکہ سے کہا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں)۔

یعنی اس منزل پر اللہ رب العزت نے ابھی صرف اعلان کیا ہے کہ میں نائب بنانے والا ہوں اللہ کا نائب اللہ اکبر یعنی اس کی تمام صفات و قدرت ولایت کا ظہور اس کے علم کُل کا ظہور یعنی بے نیاز کا نائب کوئی محض بشر نہیں ہوسکتا۔

(ملائیکہ بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا۔)

تعجب خیز بات ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں کوئی چیز ایجاد کرنے جارہا ہوں تو آپ خاموش رہیں گے اور جب میں وہ چیز ایجاد کرلوں گا تو اس کے بعد آپ اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس ایجاد کے نقائص اور صحیح ہونے پر تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

اللہ عالم الغیب کسی کو نہیں بناتا صرف اپنی ولایت مطلقہ کو اس نے عالم الغیب بنایا۔

گویا ملائیکہ علم غیب نہیں رکھتے ابھی اللہ نے نائب بنایا نہیں ہے بنانے والا ہے تنقید پہلے سے کیوں؟۔

یہ صاحب عقل کے لیے عجب موڑ ہے اب ذرا یہاں ٹھہر جائیں حضرت امیر المومنینؑ سے کسی نے سوال کیا کہ آدم سے پہلے کون تھا آپ نے فرمایا آدم سے پہلے آدم پھر اس نے اپنا سوال دوہرایا آپؑ نے فرمایا آدم سے پہلے آدم۔۔۔آدم سے پہلے آدم۔۔۔آدم سے پہلے آدم اور اگر تو ساری رات بھر مجھ سے یہی سوال کرتا رہے گا میں اس کا جواب یہی دونگا کہ آدم سے پہلے آدم۔۔۔یعنی کوئی مخلوق آدم تھی جو دنیا میں فساد پھیلا رہی تھی یہاں دراصل ایک (CommunicationGap) آگیا ہے۔

اس لیے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے

ملائیکہ یہ سمجھے جو آدم دنیا میں حیوانی خصلتوں کے ساتھ فساد پھیلا رہا ہے وہ اس پاک پروردگار کا نائب کیسے ہوسکتا ہے۔

قرآن سے پھر آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے اور پھر سب اشیاء کو ملائیکہ پر پیش کیا۔

(اس مقام پر ڈارون کا فلسفہ ارتقاء اور تاریخ انسان واضح ہوتا نظر آرہا ہے)

یعنی علم الاسماء کی تعلیم دی اور کائنات کے تمام خشک و تر کا علم دیا۔ اور ملائیکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو (اسکو سجدہ کرو) جو یہ کہہ رہا ہے کہ میں کائنات کی تمام ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا علم رکھتا ہوں۔۔۔۔۔

لیکن ابلیس نے تکبر کیا اور سجدہ نہیں کیا۔۔

اب پھر یہاں رک جائیں میں پھر جناب امیر المومنینؑ کی روایت نقل کرتا ہوں آپؑ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا نور آدم کی پیشانی پر چمکا یعنی ہمارا ظہور آدم میں ہوا تو ملائیکہ سجدے میں گر گئے۔

میرا نظریہ یہ ہے کہ ابلیس عاشق خدا تھا اور ہے اس نے کہا کہ اے اللہ تو لائق سجدہ ہے نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ یعنی نور ولایت مطلقہ و عقل مطلقہ کو میں سجدہ نہیں کرونگا۔ آج بھی جو افراد اللہ کی ولایت مطلقہ کو نظر انداز کر کے محض اللہ کے عاشق ہونے کے دعویٰ دار ہیں دراصل وہ ابلیس کی ولایت کی تقلید کر رہے ہیں۔

کیونکہ دنیا میں صرف دو ولایت ہیں ایک اللہ کی ولایت جس کا ظہور مولا علیؑ ہیں اور دوسری ابلیس کی ولایت جو انتہا پسند ملاؤں کی شکل میں موجود ہے اور جو اپنی ناقص ولایت کی اطاعت مسلمانوں سے کرانا چاہتی ہے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آیا اگر آپ توحید پرست ہیں اور اطاعت تسلیم رضا کے قائل ہیں تو آپ کو عقل مطلقہ یعنی ولایت مطلقہ کے در پر سجدہ ریز ہونا ہوگا۔ اور اگر نہیں تو پھر نعوذ باللہ اس ولایت مطلقہ کو لفظ مستحب کا اطلاق کر کے ناقص انسان کی تقلید اور غلامی کو واجب قرار دینا ہوگا۔

کیونکہ سورہ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ۔۔۔۔ آیت ۴۴ یہاں کھلتا ہے اللہ کی ولایت ہی حق ہے اس کا ثواب سب سے

بہتر اور اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا

جاننا چاہیے کہ ولایت مطلقہ عقل مطلقہ علم کل ان تین الفاظ میں اللہ کی تمام قدرت وصفات سمٹ کر آجاتی ہیں اللہ محض نہ صفت نہ اسم۔۔۔۔ اور معصومؑ کا یہ کہنا کہ نحن ذکر اللہ نحن الاسماء الحسنی۔۔یعنی بسم اللہ اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) یہ اضافی جملہ ہے جو ملا کے جرائم میں سے ایک جرم ہے اللہ کو کون شروع کرے گا۔

چن حکایت ہستی کہاں معلوم
نہ ابتداء کی خبر نہ انتہا معلوم

یعنی اللہ نام سے اس کے نام اس کا ذکر ولایت مطلقہ کا ذکر ہے ان کے نام ولایت مطلقہ کے ہی مختلف نام ہیں۔

اگر میں صرف اس خطبۃ البیان کے ظاہری حیثیت پر بھی لکھتا چلا گیا تو کئی سال لگ جائیں یعنی طبعی عمر ختم ہو جائے ولایت مطلقہ کے اسرارِ رموز پر بحث کا مکمل

ہونا محال ہے اور کجا وہ خطبۃ البیان جو مولاؑ نے مجھے تعلیم کیا جو میرے سینے میں موجود ہے لیکن جو محض ظاہری کلام ہے اس کی معرفت محال

ہے اور مذہبی متعصب افراد اور عقل دشمن اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

کجا اصل حقیقت اور اس کے اسرار و رموز اس مقدمے کا مقصد محض اس بات کو ثابت کرنا تھا کہ مظہر العجائبات کے عجائباتِ عقلیہ کیا ہیں۔ ولایت مطلقہ ہی عقل مطلقہ ہے جو حجت قطعی ہے۔ اور جس انسان کا تعلق خواہ وہ کسی مذہب یا رنگ و نسل ہو اس عقلِ مطلقہ سے ہو جاتا ہے اور اس کی عقل ناقص اس عقل مطلقہ کے دربار میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ تو عقل نورانیہ میں تبدیل ہو کر کو نئے نئے تجربات اور مشاہدوں کے ذریعے نئی ایجادات کرتی ہے۔ کیوں کہ جہاں تخلیق و ایجاد کا سلسلہ لامتناہی عقلِ انسانیہ کی شکل میں جاری و ساری ہے وہاں ہی حقیقی عقلِ مطلقہ یعنی اسرارِ ولایتِ مطلقہ کا پتہ چلتا ہے۔

میں نے مولاؑ سے سوال کیا یا مولاؑ جب آپ بشریت سے ماورا ہیں اور ولایتِ مطلقہ محتاجِ مادیت نہیں ہے بلکہ خالقِ مادیت ہے۔ اور موت و حیات بھی آپؑ کی مخلوق ہے اور مخلوق خالق پر تصرف نہیں کر سکتی تو اس اسرارِ ولایتِ مطلقہ سے پردہ اٹھائیں۔

تاریخی حوالوں سے تین روایتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ ابن ملجم نے ضربت لگائی بظاہر آپؑ شہید نظر آئے کہتے ہیں کہ آپؑ کے جسم مبارک کو نجف میں دفن کر دیا گیا بڑی تعجب کی بات ہے اگر اللہ کی ولایتِ مطلقہ کو موت آ گئی اور اسے دفن کر دیا گیا تو یعنی امر اللہ و روح اللہ کو موت آ گئی کیا نعوذ باللہ اللہ کی صفت اور قدرت کے اظہار کو جسے ولایتِ مطلقہ کہتے ہیں۔ اسے دفن کر دیا گیا یعنی اللہ کی صفات و قدرت دفن ہو گئیں

۲۔ دوسری روایت آپؑ نے فرمایا کہ میرے جسم کو اٹھا کر ایک نقاب پوش کے حوالے کر دینا وہ آئے گا مولا حسنؑ نے جب نقاب پوش سے سوال کیا کہ اپنا نقاب اٹھا کر چہرے کی زیارت کرایں تو جیسے ہی نقاب اٹھا تو آپؑ نظر آئے

۳۔ آپؑ نے فرمایا کہ میرے وجود کو ایک اونٹنی پر سوار کرا کے چھوڑ دینا اونٹنی غائب ہو جائے گی

تو کیا یہ تینوں روائتیں غلط ہیں تو آپؑ نے فرمایا یہ تو کچھ بھی نہیں ایسے مسائل بے حساب ہیں یعنی ہم ایک لمحہ میں، یا پلک جھپکنے سے پہلے ہی بے شمار جگہ نظر آ سکتے ہیں اور یہ تینوں روایتیں بھی

درست ہیں۔ اور ان تینوں روایتوں میں ولایتِ مطلقہ مکر اللہ ہے یعنی اللہ کی پوشیدہ تدبیر اسی لیے ولایت مطلقہ کو علیا مظہر العجائب کہا جاتا ہے۔ جہاں معجزات کا اختتام ہوتا ہے وہاں سے عجائبات کی شروعات ہوتی ہے۔ معجزات عینِ فطرت ہیں۔ وہ معجزاتِ حسی و بصری ہوں یا معجزاتِ عقلی و قلبی ہوں۔ جبکہ عجائبات خلافِ فطرت یا ماورائے فطرت ہوتے ہیں یعنی سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے یہ فطرت ہے۔ عجائبات یہ ہیں کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔

میں نے پھر سوال کیا اونٹنی کہاں گئی تو فرمایا کہ بلوچستان ہم نے وہاں ظہور کر کے ظالم دیو کے شکنجے سے مظلوم پریوں کو آزاد کرایا اور صرف ہم نے ہی نہیں پنجتنؑ نے ظہور کیا۔ میں نے پلٹ کے پوچھا کیا بلاول شاہ فرمایا ایسا کچھ نہیں صرف ہمارا ہی ظہور اور ہم ہی کُل قوتِ نورانیہ کے شاہ ہیں آگے مجھے حکم ابھی نہیں ہے کہ میں ولایتِ مطلقہ کے ان رازوں سے پردہ اُٹھاوں جو مولاؑ نے مجھے تعلیم فرمائے ہیں۔

میری یہ حقیری سی محنت بعنوان ''مقدمہ خطبۃ البیان یعنی اسرارِ ولایت مطلقہ'' بتاریخ ۲۷ جون ۲۰۰۳ کو مکمل ہوئی اور میرے

نزدیک عجائباتِ عقلیہ اور اسرارِ ولایتِ مطلقہ کے حوالے سے مقدمے کی تمہید بھی مکمل نہیں ہوئی۔ اب جیسے آئندہ مولا کا حکم ہوگا انشااللہ اسرارِ ولایتِ مطلقہ کے مزید راز کھولے جائیں گے۔

بندۂ احقر

غلام حضرتِ فضہؑ

عمران لیاقت حسین

خطبة البیان کی شان میں عارفین کے مناقب

(۱)

ای شاه شاهان جهان الله مولانا علی
ای نور چشم عاشقان الله مولانا علی
آن نور چشم انبیاء احمد که بد بدردجا
میگفت در قرب دنی الله مولانا علی
قاضی و شیخ و محتسب دار دبدل بغض علی
هر سه شد ند ازدین بری الله مولانا علی
تو چشم و جان رامیدهی کون و مکان را میدهی
چشم و عیان را میدهی الله مولانا علی
داننده راز همه انجام و آغاز همه
ای قدر و اعزاز همه الله مولانا علی
هم حی و هم باقی توئی هم کوثر و ساقی توئی
قسام و رزاقی توئی الله مولانا علی
ما جمله سرگرداں توهم واله وحیراں تو
گوینده برهان تو الله مولانا علی

وحش و طیور و انس و جان جمله بفرمانت روان
داری تو فصل بیکران الله مولانا علی
ای مرغ خوش الحان بخوان الله مولانا علی
تسبیح خود کن سر زبان الله مولانا علی
خواهی کمیابی زندگی بشتاب اندر بندگی
تا بخشدت زیبندگی الله مولانا علی
اسمش عظیم و اعظم است غفران و فردوعالمست
مولا و حق آدم است مولانا علی
خواهی کمیابی زونشان جان در ره او برفشان
کو جان دهست و جانستان الله مولانا علی
سبحان حی لاینام پید از تو هر صبح و شام
حج و نماز است و صیام الله مولانا علی
رازق رزق بندگان مطلوب جمله طالبان
مامور امر کن فکان الله مولانا علی
سلطان بیمثل و نظیر پروردگار بی وزیر
دارندهء برنا و پیر الله مولانا علی

دارندهء لوح و قلم پیدا کن خلق از عدم
میر عرب فخر عجم الله مولانا علی
سر دفتر هر انجمن علامهء مصر و یمن
آن پر دل دشمن فکن الله مولانا علی
مجموع قرآن مدحتش حمد و ثنا وعز تش
نام برزگی خدمتش الله مولانا علی
هم مومناں و مومنات وحش و طیور هم بنات
مقصود کل کائنات الله مولانا علی
اشجار و کوه و بحر و بر هم آسمان اندر نظر
تسبیح گویندش بغر الله مولانا علی
اقرار کن اظهار کن مولای رومی این سخن
هر لحظه سر من لدن الله مولانا علی

.....

تا صورت پیوند جهاں بود علیؑ بود
تا نقش زمیں بود و زماں بود علیؑ بود
هم اول و هم آخر و هم ظاهر و باطن

هم عابد و هم معبده و معبود علیؑ بود
هم آدمؑ و هم شیثؑ وهم ادریسؑ و هم یعقوبؑ
هم یوسفؑ وهم یونسؑ و هم هودؑ علیؑ بود
هارونؑ ولایت که پس از موسیؑ عمران
والله که علیؑ بود علیؑ بود علیؑ بود
این کفر نه باشد سخن کفر نه این است
تا همست علیؑ باشد و تا بود علیؑ بود
عیسیؑ بوجوه آمد و فی الحال سخن گفت
آن نطق و فصاحت که بدو بود علیؑ بود
موسیؑ و عصا و ید بیضا و نبوت
در مصر بفرعون که بنمود علیؑ بود
جبرئیلؑ که آمد زبر خالق بیچون
در پیش محمدؐ شد و مقصود علیؑ بود

ساقی با وفا منم دم همه دم علیؑ علی
صوفیٔ با صفا منم دم همه دم علیؑ علیؑ

عاشق مرتضیٰؑ منم دم همه دم علیؑ علی
مطرب خوشنوا منم دم همه دم علیؑ علیؑ
آدمؑ باصفا توئی یوسفؑ مه لقا توئی
خضر ره خدا توئی دم همه دم علیؑ علیؑ
عیسیٰؑ مریمی توئی احمدؐ هاشمی توئی
شیر نر خدا توئی دم همه دم علیؑ علیؑ
شاه شریعتم توئیم پیر طریقتم توئی
حق به حقیقتم توئی دم همه دم علیؑ علیؑ
شمس توئی قمر توئی بحر توئی و بر توئی
مالک خشک و تر توئی دم همه دم علیؑ علیؑ
همدم سید البشر راجع شمس و القمر
باب شبیرؑ و هم شبرؑ دم همه دم علیؑ علیؑ
سید سرورؐ کرم گفته به توای ابن عم
لحمک لحمی دمک دم دم همه دم علیؑ علیؑ
آیهٔ انما برت تاج ز لافتیٰ سرت
شمس غلام قنبرت دم همه دم علیؑ علیؑ

(بحواله: کلیات شمس تبریزی مولوی معنوی مولانا روم)

(۲)

خورشید لمعه ای است زنو ر ولا تیش
صد چشمه حیات و دو صد حوض کوثر است
نزدیک ما خلیفه بر حق امام ما است
مجموع آسمان و زمینش مسخر است
مداح اهل بیت به نزدیک شرع و عقل
دنیا و آخرت همه اور امیسسر است
لعنت به دشمنان علیؑ گر کنی روا است
می کن مگو که این سخنی بس مکرر است
هر مومنی که لاف ولای علیؑ زند
توقیع آل آل به نامش مقرر است
با دست جو داوچه بود کان مختصر
با همیش محیط سرابی محقر است
اور ابشر مخواں تو که نور خدااست او
او دیگر است و جلالت او نیز دیگر است

(دیوان شاہ نعمت اللہ ولیؒ)

(۳)

آں گلبن باغ صفا واں سرو بستان وفا
خورشید برج ارتضا یعنی علیؑ مرتضےٰ
مقصود امر کن فکاں مطلوب اسم جسم و جاں
مفتی درس انس و جاں معنی حرف انما
در ولایت را صدف برج امامت را شرف
شاہ عرب ماہ نجف چابک سوار لا فتیٰ
داننده عقل و نظر بیننده نفع و ضرر
مفتی احکام قدر منشی دیوان قضا

(حافظ محمد شیرازی)

(۴)

اے آفتاب چرخ دیں مستاں سلامت می کند
اے قبلہ اصحاب دیں مستاں سلامت می کنند
اے سرور کون و مکان اے رہنمائے سالکاں
نام تو درد ہر زبان مستاں سلامت مے کنند

اے قبلہ اھل دلاں اے ھادے گم گشتگان
اے کارساز بے کساں ھستاں سلامت می کنند
سامان بے ساماں توئی درے ماں بے در ماں توئی
دلداہ یزداں توئی مستاں سلامت می کنند
در آرزوئے روئے تو شب تا سحر در کوئے تو
چشم دو عالم سوئے تو مستاں سلامت می کنند
اے محرم راز خدا اے نور چشم مصطفٰے
اے صاحب ھر دو سرا مستاں سلامت می کنند
اے قاضئی حاجات، اے رونق طاعات
اے بادئہ کاسات ما مستاں سلامت می کنند
اے واقف علم الیقین اے کاشف عین الیقین
اے صاحب حق الیقین مستاں سلامت می کنند
اے ساقی کوثر بما رحمے بکن بہر خدا
ھستی ظہور کبریا مستاں سلامت می کنند
از لطف تو شاھیم ما در طلعت ماھیم ما
از تو ترا خواھیم ما مستاں سلامت می کنند

از روز اول ظاهرے هم حاضرے هم باطنے
حکم تو حکم داورے مستاں سلامت می کنند

اے زبده میر بشر روشن ز تو شمس و قمر
من آمدم سویت به سر مستاں سلامت می کنند

اے مرجع شاه و گدا اے مطلع نور هدیٰ
هستی امام و رهنما مستاں سلامت می کنند

رو بردرت بنهاده ام جان و دل و دین داده ام
دستم بگیر افتاده ام مستاں سلامت می کنند

اے صاحب عالی نسب داری اسد الله لقب
عالم ز تو اندر طرب مستاں سلامت می کنند

بنما مرا آں پاك روا اے همچورو پاکیزه خو
عشق تو دارم مو به مو مستاں سلامت می کنند

اے بادشاه مهرباں ثانی نه داری در جهاں
لطفے به حال خستگاں مستاں سلامت می کنند

اے شمع دین ما توئی نور جبیں ما توئی
مهر یقین ما توئی مستاں سلامت می کنند

صابر غلام خاص تو هست از ازل بے گفت ہ گو
رحمے بکن بر حال او مستاں سلامت می کنند
(حضرت صابر کلیری)

(۵)

از مئے عشق شاہ سرمستم
بندۂ مرتضیٰ علیؑ هستم
من بغیر از علیؑ ندانستم
علیؑ اللہ از ازل گفتم
حیدری ام قلندرم هستم
بندۂ مرتضیٰ علیؑ هستم
اسد اللہ است ید اللہ است
ولی اللہ است مظہر اللہ است
حجت اللہ قدرت اللہ است
بے نظیر ذات اللہ است
حیدری ام قلندرم هستم
بندۂ مرتضیٰ علیؑ هستم

شاه اقلیم هل اتی خوانم
مالک تخت قل کفیٰ خوانم
صاحب سیف لافتیٰ خوانم
والیٔ تاج انما خوانم
حیدری ام قلندرم هستم
بندهٔ مرتضیٰ علیؑ هستم
آن علیؑ است ساقیٔ کوثر
آن علیؑ حاکم قضا و قدر
آن علیؑ قائم نیم و نصیر
قمبرش را منم زجان قمبر
حیدری ام قلندرم هستم
بندهٔ مرتضیٰ علیؑ هستم
برائے مدح شاه می بویم
جز علیؑ دیگر نه می جویم
من علیؑ دانم علیؑ گویم
چون نصیری که بنده اویم

حیدری ام قلندرم هستم
بندۂ مرتضیٰ علیؑ هستم
(حضرت لال شہباز قلندرؒ)

(۲)

اے باب مدینۂ محبت
اے نوح سفینۂ محبت
اے ماحیِ نقشِ باطل
اے فاتح خیبر دلِ من
اے سرّ خطِ و جوب وامکاں
تفسیر تو سورہ ہائے قرآں
از ہوش شدم مگر بہوشم
گوئی کہ نصیری خموشم
مرصل حق کردنا مش بوتراب
حق ید اللہ خواند در ام الکتاب
ہر کہ دانای رموز زند گیست
سر اسمائے علی داند کہ چیست

از خود آگای یداللهی کند
از یداللهی شهنشاهی کند
چشم و گوش و لب کشا ای هوش مند
گر نیبینی راہ حق بر من بخند
(علامہ ڈاکٹر اقبال)

(۷)

لو ان المرتضیٰ ابد محلۃً
لکان الخلق طرا سجداًلہ
کفیٰ فی فضل مولانا علی
وقوع الشک فیہ انہ اللہ
ومات الشافعی ولیس یدری
علی ربہ ام ربہ اللہ
(امام شافعیؒ)

(۸)

لقد فاز عبد للوصی ولائہ

و ان شايه بالموبقات الكبائر
وخاب معاديه ولو حلّقت به
قوادم فتخاء الجناحين كاسر
وذوالمعجزات الواضحات اقلها
الظهور على مستودعات السرائر
صفاتك اسماء وذاتك جوهر
برىء المعانى من صفات الجواهر
يجل عن الاعراض والاين والمتى
ويكبر عن تشبيه بالعناصر
(ابن ابى الحديد المعتزلى)

(٩)

كيف تحظا بمجدك الاوصياء
و به قد توسل الانبياء
مالخلق سوى النبى وسبطيه
السعيدين هذا العلياء
فبكم آدم استغاث و قدمس

تـــه بـعـد الـمسـرة الـضـرأء
يـوم امسـى فـى الارض فـردا غـريبـا
ونـات عـنـه عـرسـه حـواء
فتـلّـقـى مـن ربـه كـلـمـاتٍ
شـر فتهـا مـن ذكـركـم اسـمـاء
فـاستـجيـب الـدعـا مـنـه ولـولا
ذكـر كـم مـا استـجيـب منـه الـدعـاء
ثـم يـعـقـوب قـد دعـا مستـجيـرا
مـن بـلاءُ بـكـم فـزال البـلاءُ
واتـاه بـكـم قـمـيـص يـوسف وارتـد
بـصيـراً و تـمـت الـنـعـمـاء
(محدث اکبر حر عاملی)

خطبۃ البیان

سید نعمت اللہ جزائری اپنی کتاب انوار النعمانیہ کے صفحہ نمبر ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ **رخطبۃ البیان المنقولہ منہ تبیین ہذا کلّہ وھی الاسرار التی لایعرف معناھا الّا العلماء الراسخون** یعنی خطبہ بیان میں جو ان سے (حضرت علی سے) منقول ہے اور اس میں جو کچھ مرقوم ہے سب اسرار ہیں جن کے معنی کی معرفت سوائے علمائے راسخ کے کوئی نہیں رکھتا ملا عبدالصمد ہمدانی اپنی کتاب بحر المعارف میں لکھتے ہیں کہ خطبۃ البیان کے سمجھنے کے لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ حدیث طارق کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے کہ یہ اس خطبہ کا مقدمہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ آدمی ایک نسخۂ مجموعہ اور کتاب جامع ہے اور حق تعالیٰ انسان کامل میں اپنے سماء وصفات کا مشاہدہ کرتا ہے پس وہی انسان جو ان صفات کاملہ سے متصف ہو۔ خلافت حق کے لئے سزاوار ہوگا اور وہی مظہر اسمِ اعظم بلکہ خود اسمِ اعظم ہوگا جیسا کہ حدیث خیبر میں بھی مذکور ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ قاصران

بے بصیرت اور شمس ہدایت سے بے بہرہ، اندھے اور بار باطن جہلا خطبۂ بیان، خطبۂ تطنجیہ اور دیگر ارشادات سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اس مقام کو اہل معرفت مقام توحید عیانی و شہودی کہتے ہیں۔ جو انتہائی قرب و اتصال کا مقام ہے۔ حضرت علی صلوۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انا الذی عندی مفاتیح الغیب لا العلمُها بعد محمّدٍ صلّی اللّٰه علیه و آله غیری وانا بکلّ شئی علیم. انا الّذی قال فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله انا مدینة العلم و علی بابها انا ذوالقرنین المذکور فی الصّحف الا ولی. انا الحجر الّذی تفجر منه اثنا عشرة عینا انا الذی اتولی حساب الخلائق اجمعین. واتا اللّوح المحفوظ انا جنب اللّٰه انا قلب اللّٰه انا مقلّبُ القلوب والا بصار آنا انّا الینا ایا بهُم ثمّ ان علینا حسا بهم انا الذی قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله یا

على الصراط صراطک والموقف موقفک.
انا الذی عنده علمُ الکتاب علی ماکان وما
یکونَ. انا آدمُ الأول انا نوح الأول انا ابراهیمُ
الخلیل حین القی فی النار انا حقیقه
الاسرار انا مونس المومنین انا فتاح
الاسباب انا منشی السَّحاب انا مورق
الاشجار انا مخرج الثمار انا مجری
العیون انا واحی الارضین. انا سماک
السموات انا فصل الخطاب انا قسیم
الجنة والنار انا ترجمان وحی اللّٰه انا
معصوم من عند اللّٰه انا خازن علم اللّٰه انا
حجةُ اللّٰه علی من فی السمآدات وفوق
الارضین انا قائم بالقسط انا دابة الارض انا
الرَّاجفة انا الرَّارفةُ انا الصَّیحة بالحق یوم
الخروج انا الذی لایکتمُ عنه خلق السمَّوات
والارض انا الساعة اللَّتی لمن کذب بها

سعيرًا انا ذالک الکتاب لاريب فيه. انا الا
سمآء والحسنى الّتى امرالله ان يدعى به انا
النور الذى اقتبس منه موسى فهدى انا هادمُ
القصور انا مخرج المومنين من القبورانا
الذى عندى الف کتاب من کتب الانبيآءِ انا
المتکلمُ بکّل لغةٍ فى الدنيا. انا صاحب نوح
ومنجيه انا صاحب ايوب المبتلى و
شافيه انا صاحب يونس ومنجيه انا
صاحب الصور انا مخرج من فى القبور انا
صاحب يوم النشور. انا اقمت السّموات
السبّع با مر ربى وقدرته انا الغفور الرحيم
وان عذابى لهو العذاب الاليم وانا الذى بى
اسلمُ ابراهيمُ الخليل واقربفضلى انا عصآءُ
الکيم وبه اخذبنا با صية الخلق اجمعين.
انا الذى نظرت فى الملکوت فلمُ اجدغيرى
شيأ وغاب عن غيرى انا الذى احصى هذا

لخلق وان كثرواحتى اوديهمُ الى اللّٰه انا الذى
لايبدل القول لدى وما انا بظلّام للعبيد انا
ولى اللّٰه فى ارضة والمفوض اليه امره
والحاكمَ فى عباده وانا الذى دعوت الشمس
والقمر ناجابانى وانا الذى دعوت السبح
السمّوات فاجا بوْنى وامريهافينصبون انا
الذى بعثيت النبين والمرسلين . انا
فطرت العالمين . انا واحى الارضين
والعالم با لاقاليم انا امراللّٰه والروح كما قال
تعالى يسلونک عن الروح تک الروح من
امرربى انا الذى قال اللّٰه تعالى لنبيه القيا
فى جهنم كل كفار عنيد الذى اكون الا شيآءَ
بعد تكونيها با مر ربى انا ارسيت الجبال و
بسطت الارضين انا مخرج العيون
ومنبت الزردع ومضرس للثما رومخرج
شجار انا الذى اتدر اتو اتها وانا منزل القطر

ومسمع الرعد ومبرق البرق انا مضيى الشمس مطلع الفجر ومنشى النجوم وانا منشى جوار الفلك فى الجور انا الذى اقومُ الساعة انا الذى ان مت لمْ امت وان قتلت لمْ اقتل انا الذى اعلم ما يحدث انا بعد ان وساعة بعد ساعة بعد ساعة انا الذى اعلم خطرات القلوب دلمح العيون وما يخفى الصدورانا صلوة المومنين وزكوتهمْ و حجهمْ وجهادهمْ انا الناقور الذى قال اللّٰه تعالى فاذا نقرفى الناقور. انا صاحب النشر الاول والاخرانا اول ماخلق اللّٰه نورى. انا صاحب انكوكب ومزيل الدولة انا صاحب الزلزال والرجفة انا صاحب الذى اعلمُ المنا يا والبلايا وفصل الخطاب انا صاحب ارم ذات العماد التى لم يخلق مثلها فى البلادوناز لها انا المنفق الباذل

بما فيها. انا الذى اهلكت الجبارين
والفراعنة المتقدمين بسيفى ذى الفقار. انا
الذى حملت نوحاً فى السفينة انا الذى
انجيت ابراهيمَ من نار نمرودٍ ومونسه
مونس يوسف الصديق فى الجب ومخرجه
انا صاحب موسى والخضر ومعلمهما انا
منشى المكوت والكون وانا البارى انا
المصور فى الارحام انا الذى ايرى الاكمه
والابرص واعلمُ ما فى الضمائره انا انبئكمُ
بما تاكلون وما تدخرون فى بيوتكمُ انا
البعوضة التى ضرب اللّٰه بها المثل انا
الذى اقامنى اللّٰه والخلق فى الاظلة ودعى
الى طاعتى فلما اظهرت انكروه امره كما
قال اللّٰه عزوجل فلما جاءهمُ ما عرفوا
كفروابه انا الذى كسوت العظامَ لحما ثمَّ
انشاءَ ناه بقدرته انا حاصل عرش اللّٰه مع الا

برار من ولدى وحامل العلم انا اعلمُ بتا ويل القران والكتب السالفة انا المرسوخ فى العلم انا وجه اللّٰه فى السموات والارض كما قال اللّٰه تعالى كل شئ هالک الا وجهه انا صاحب الجبت والطا غوت ومحرتهما انا باب اللّٰه الذى قال اللّٰه تعالى ان الذى كذبوا بايا تنا واستكبر واعنهالا تفتح لهم ابواب السماءِ ولا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سمّ الخياط وكذالک نجزى المجر مين . انا الذى خد منى جبرئيل وميكائل انا الذى الى الماءِ من الجنة انا الذى يتقلب الملاتكة على فرشى ويصر فنى عباداً كل اقليم الدينا انا الذى ردت لى الشمس مرقين انا الذى خص اللّٰه جبرئيل وميكائيل بالطاعة لى. انا اسمَ من اسماءِ اللّٰه الحسنى وهو الا عظمُ والا على انا صاحب الطورا والكتاب

المسطور انا البيت المعمور انا الحراث
وانسل انا الذى فرض الله طاعتى على
قلب كل ذى روح متنفس من خلق الله انا
الذى النشر الاولين والاخرين انا قاتل الا
شقيآء بسيفى ذى الفقار ومحرقهم با لنار
انا الذى اظهر نى الله على الدين وانا المتقمُ
من الظالمين انا الذى الى دعوهُ الامم كلها
الى طاعتى ومن كفرت وامرت منحت انا
الذى ارد المنافقين من حوض رسول الله
صلى الله عليه وآله انا باب فتح الله
لعباده من دخله كان امناً ومن خرج منه كان
كافراً انا الذى بيدى مفا يتح الجنان
مقاليدالنيران انا الذى جهد الجبابرة باطفآء
نور الله وارحاض حجة فيابى الله الا ان يتمَّ
نوره وولايته اعطبى الله نبيه نهر الكوثر
واعطا فى نهر الحيواة انا مع رسول الله

صلى الله عليه وآله فى الارض فعرننى الله مايشآء ويمنعنى ما يشآء انا قايم فى حضرحيث الارواح تخرك ولا نفس ينفس غيرى . انا عالم صامت ومحمد عالم ناطق انا القرون الاولى انا صاحب القرن الاوّل اناجاوزت موسى فى البحرواغرقت فرعون انا عذاب يوم الظلة.انا الذى اعلمُ هما هم البهايم ومنطق اطيرانا آيت الله وحجج الله وامين الله انا احيى واميت وانا اخلق وارزق انا السميع انا العليمُ انا البصير انا الذى اجوزالسموات السبع والارضين السبع فى طرفة العين . انا الاول انا الثانى انا ذوالقرنين كما قال رسول الله صلى الله عليه وآله انا ذوالقرنين هذه الامة انا صاحب الناقه التى اخرجها انه نبيه صالح . انا الذى نقر فى الناقوروذالك

يومئذٍ يومَ عسير على الكافرين غير يسيرٍ.
انا الاسمُ الاعظمُ وهو كهيّعصّ. انا المتكلمُ
على لسان عيسى فى المهدصبيا انا
المتكلم على لسان صبى يوسف الصديق
انا الذى ليس كمثله شيءٍ. انا العذاب الاعظمُ
انا الالعذاب الاعظمُ انا الاخرة والاولىٰ انا ابدءُ
واعيد انا فروع من فروع الزيتون الذى قال
اللّٰه والتين والزيتون وقنديل من قناديل
النبوة انا مظهر الا شيآءَ انا الذى ارى اعمال
العبادلايغرب عنى شيئَ فى الارض ولافى
السمآءِ انا مصباح الهدىٰ انا مشكوة فيهانور
المصطفىٰ انا الذى ليس شى من عمل عامل
الا بمعرفتى. انا خازن السموات وخازن
الارضين انا قايم بالقسط انا عالم
تبغيرالزمان وحدثانه انا الذى اعلمُ
عدرالخل دوزنها وخفتها ومقدارالجبال و

وزنعا وعدد قطرت الامطار انا آيات الله
الكبرى التى اراها الله بفرعون وعصى انا
اقبل لى القبلتيس واحيى مرتين واظهر
الاشياءَ كيف اشاءَ انا الذى رميت وجه الكفار
كف تراب ترجعواوهلكو اانا الذى مجد
ولايتى الف امتهِ فمسجهم الله تعالى. انا
مذكور فى سالف الزمان والخارج اخرالزمان
انا قاصمُ لجبت فراعنة الاولين ومخرجهم
ومعد بهم فى الاخرين انا معذب لجبت
والطاغوت محرقهمُ ويعذب يعوق ويغوث
ونسروقداضلواكثيراً. انا المتكلم بسبعين
لساناً ومفتى كل شيئَ علىٰ سبعين وجهاً انا
الذى اعلمُ بتاويل القران وما يحتاج اليه
الامته انا الذى اعلمُ ما يحدث باليل
والنهار امرابعد امروشيًا بعد شئَى الى يوم
القيمة. انا الذى عندى اثنان وسبعون اسماً

من اسمآءِ اللّٰہ العظام انا الذی ارق اعمال الخلایق فی مشارق الارض ومغاربھاولاوبھاولا یخفی علی منھمُ شی انا الکعبۃ وبیت الحرام والبیت العتیق کما قال اللّٰہ تعالی فلیعبد وارب ھذا البیت انا الذی یملکنی اللّٰہ شرق الارض وغربھا اسرع من طرفۃ عین وعلی المرتضیٰ کما قال رسول اللّٰہ صلی عیلہ وآلہ علی ظھر منی انا الممدوح بروح القدس انا المعنی الذی لایقح علی اسم ولاشبہ انا اظھر الاشیآءَ الوجودیۃ کیف اشآء انایاب حطتھم الی یدخلون فیھا ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ محمد وآلہ اجمعین وا لحمد للّٰہ رب العالمین ۔

ترجمہ :

میں وہ ہوں کہ جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں کہ ان کو محمد صلعم

کے بعد میرے سوا کوئی اور نہیں جانتا اور میں ہر شے کا علم رکھتا ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے لئے رسولِ خدا نے فرمایا کہ میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے میں ذوالقرنین ہوں جس کا ذکر گزشتہ صحف میں موجود ہے۔ میں وہ حجرِ مکرم ہوں جس سے بارہ چشمے جاری ہوں گے میں وہ ہوں جس کے پاس سلیمان کی انگوٹھی ہے (یعنی میں تمام جن وانس اور تمام خلائق پر متصرف ہوں) میں وہ ہوں جس کے ذمہ خلائق کے حسابات کئے گئے ہیں۔ میں لوحِ محفوظ ہوں کہ (جس کے ضمیر میں تمام حقائق کونی والٰہی موجود ہیں) میں جنب اللہ اور قلب خدا ہوں میں لوگوں کی آنکھوں اور قلوب کو پھیرنے والا ہوں ان کی بازگشت ہماری طرف اور ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے میں وہ ہوں جس کے لئے رسولِ خدا نے فرمایا کہ یا علیؑ صراطِ مستقیم ہی تمہارا راستہ ہے اور موقف تمہارا موقف ہے۔ میں وہ ہوں جس کے پاس گزشتہ وہ آئندہ کا علم کتاب ہے میں ہوں آدم اول (کا ساتھی) میں ہوں نوحؑ اول (کا مددگار) میں ہوں ابرہیمؑ خلیل کا مونس جبکہ وہ آگ میں ڈالا گیا۔ میں اسرار خدا کی حقیقت ہوں میں مومنین کا مونس و غمگسار ہوں میں ہوں اسباب کا بنانے والا۔ میں ہوں بادلوں کا پیدا

کرنے والا میں ہوں درختوں میں پتے پیدا کرنے والا میں ہوں
پھلوں کا لگانے والا میں ہوں چشموں کا جاری کرنے والا میں ہوں
زمینوں کا بچھانے والا میں ہوں آسمانوں کو بلند کرنے والا میں
ہوں حق و باطل میں فرق کرنے والا میں ہوں جنت اور جہنم کا تقسیم
کرنے والا میں ہوں وحی خدا کا ترجمان میں اللہ کی جانب سے
معصوم خلق ہوا ہوں میں علم الٰہی کا خزانچی ہوں اس مخلوق پر جو
آسمانوں اور زمینوں پر ہے میں حجت خدا ہوں ۔ میں عدل سے
موصوف اور قائم ہوں میں دابۃ الارض ہوں میں یوم قیامت صور کی
پہلی پھونک ہوں ۔ اور میں رادفہ ہوں میں وہ صیحہ برحق ہوں جو
خلقت کے باہر نکلنے کے دن ہوگا ۔ میں وہ ہوں جس سے آسمانوں
اور زمین کی مخلوق پوشیدہ نہیں ہے میں وہ ساعت (صاحب روزِ
قیامت) ہوں کہ جس کے جھٹلانے والے کے لئے جہنم ہے میں وہ
کتاب ہوں جس میں کسی قسم کا شک نہیں (یعنی قرآنِ ناطق ہوں)
میں خدا کے وہ اسمائے حسنہ ہوں جسکے ساتھ دعا کرنے کا اللہ کا حکم ہے
میں وہ نور ہیں جس سے موسیٰ نے کچھ حاصل کیا اور ہدایت پائی (میں
دنیا کے محلوں کو منہدم کرنے والا اور مومنین کو قبور سے نکالنے والا ہوں

میں وہ ہوں جس کے پاس پیغمبروں کی کتب سے ایک ہزار کتابیں ہیں میں دنیا کی ہر زبان میں بات کرتا ہوں میں نوحؑ کا رفیق اور ان کا نجات دلانے والا ہوں میں تکالیف میں مبتلا ایوبؑ کا رفیق اور شفا عطا کرنے والا ہوں اور میں یونسؑ کا رفیق اور نجات دلانے والا ہوں میں صاحب صور ہوں میں قبور سے لوگوں کو نکالنے والا اور صاحب مالک یوم قیامت ہوں میں نے سات آسمانوں کو اپنے رب کے حکم اور قدرت سے قائم کیا ہے میں غفور و رحیم ہوں اور بہ تحقیق کہ میرا عذاب اس کا عذاب الیم ہے۔ میں وہ ہوں کہ جس کی وجہ ابراہیمؑ خلیل سلامت رہے اور میری بزرگی کا اقرار کیا۔ میں موسیٰ کا عصا ہوں اور اس کے ذریعہ تمام مخلوق کو پیشانی (کے بال سے) پکڑنے والا ہوں۔ میں وہ ہوں کہ جس نے عالم ملکوت پر نظر کی اور اپنے سوا کوئی چیز نہ پائی اور میرے غیر کو غائب پایا میں وہ ہوں جو اس مخلوق کا اعداد و شمار کرتا ہوں اگرچہ وہ بہت ہیں یہاں تک کہ انہیں اللہ تک پہنچاؤں میں وہ ہوں جس کے پاس کلام تبدیل نہیں ہوتا میں بندگان خدا پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں میں زمین پر اللہ کا ولی ہوں امر خدا میرے سپرد کیا گیا ہے اور میں اس کے بندوں پر حاکم ہوں میں وہ

ہوں جس نے چاند اور سورج کو بلایا اور انہوں نے میری اطاعت قبول کی میں وہ ہوں جس نے ساتوں آسمانوں کو دعوت دی انہوں نے میرے حکم کو قبول کیا پس میں نے حکم دیا اور وہ قائم ہو گئے میں وہ ہوں جس نے نبیوں اور رسولوں کو معبوث کیا۔ میں نے تمام عالمین کو پیدا کیا میں ہوں زمینوں کا بچھانے والا اور تمام ولایتوں کے حالات سے عالم میں ہوں امر خدا اور اس کی روح جیسا کہ خدا نے فرمایا کہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہدو روح میرے رب کے امر سے ہے۔ میں وہ ہوں جس کے لئے اللہ نے اپنے نبیؐ سے کہا کہ تم دونوں ہر کافر عنید کو جہنم میں ڈالو میں وہ ہوں کہ خدا کے حکم سے تمام چیزوں کو تکوین کے بعد وجود میں لایا۔ میں وہ ہوں کہ جس نے پہاڑوں کو لنگر کیا اور زمینوں کو پھیلایا میں ہوں چشموں کا نکالنے والا اور کھیتوں کا اگانے والا اور درختوں کا لگانے والا اور میووں کا نکالنے والا۔ میں وہ ہوں جو لوگوں کے کھانے کا اندازہ لگاتا ہوں اور بارش برساتا ہوں اور بادل کی کڑک سناتا ہوں اور برق کو چمکاتا ہوں۔ میں ہوں سورج کو روشنی دینے والا اور صبح کو طلوع کرنے والا ستاروں کو پیدا کرنے والا میں سمندروں میں کشتیوں کا ساتھی ہوں میں قیامت

برپا کردں گا میں وہ ہوں کہ جس کو موت دی جائے تو نہ مروں گا اور اگر قتل کیا جاؤں تو قتل نہ ہوں گا۔ میں ہر آن و ہر ساعت پیدا ہونے والی چیزوں کو اور قلوب میں گزرنے والے خطرات کو جاننے والا ہوں اور آنکھوں کے جھپکنے کے حال اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سب جانتا ہوں میں مومنین کی نماز زکوۃ اور حج و جہاد ہوں میں وہ ہوں جس کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جب صور پھونکا جائے گا میں نشر اول و آخر کا مالک و مختار ہوں میں وہ ہوں جس کے نور کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا میں ہوں صاحب کواکب اور دولت کا زائل کرنے والا۔ زلزلہ اور رابطہ میرے اختیار میں ہیں میں منایا اور بلایا سے واقف ہوں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہوں۔ میں بڑے بڑے ستونوں والے جنت کا مالک ہوں جس کا مثل کسی شہر میں پیدا نہیں ہوا اس میں جو کچھ جواہرات وغیرہ ہیں میں ہوں ان کا خرچ کرنے والا میں وہ ہوں جس نے ذوالفقار سے سرکشوں اور جباروں کو ہلاک کیا میں وہ ہوں جس نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کیا میں وہ ہوں جس نے ابراہیمؑ کو نمرود کی آگ سے نجات دلائی اور اس کا مونس تھا میں یوسف صدیق کا باولی میں مونس تھا اور اس کو کنوئیں سے نکالا میں

موسیٰ وخضرؑ کا صاحب اور تعلیم دینے والا ہوں میں منشی ملکوت اور کون
ومکاں ہوں میں پیدا کرنے والا ہوں میں ماؤں کے رحموں میں
صورتوں کا بنانے والا ہوں میں مادرزاد اندھوں کو بینا اور بروص کو اچھا
کرتا ہوں اور جو کچھ دلوں میں ہے اس سے واقف ہوں تم جو کچھ
کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو اس سے واقف ہوں
میں وہ بعوضہ ہوں جس کی مثال اللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے
میں وہ ہوں جس کو اللہ نے قائم کیا جب کہ تمام مخلوق ظلمت میں گھری
ہوئی تھی اور مخلوق کو میری اطاعت کی طرف دعوت دی پس جب وہ
ظاہر ہوگئی (مخلوق عالمِ وجود میں آگئی) اس کے امر سے انکار کر دیا
جیسا کہ خدا فرماتا ہے پس جب وہ ان کے پاس آیا انہوں نے
اسے نہیں پہچانا اور کافر ہوگئے میں وہ ہوں جس نے منشائے قدرت
سے ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ میں اپنی اولاد میں سے ابراروں
کے ساتھ عرشِ خدا کا اور نوائے حمد کا اٹھانے والا ہوں میں تاویل
قرآن کا اور گذشتہ کتابوں کا عالم ہوں میں علم قرآن میں راسخ ہوں
میں آسمانوں اور زمین میں وجہہ خدا ہوں جس کے لئے خدا نے فرمایا
ہر شے ہلاک ہوجائے گی سوائے اس کے چہرے کے میں ہوں

جنت و طاغوت کا جلا دینے والا میں وہ اللہ کا دروازہ ہوں جس کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور سرکشی کی ان کے لئے نہ آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ داخل ہو جائے اور اس طرح ہم مجرمین کو بدلہ دیتے ہیں۔ میں وہ ہوں کہ جبرئیل اور میکائیل نے جس کی خدمت کی میں وہ ہوں کہ جبرئیل و میکائیل کو اس پانی پر مسلط کیا جو جنت سے جاری ہوتا ہے میں ہی ملائیکہ کو فرش پر بدلتا رہتا ہوں اور دنیا کی تمام ولایتوں کے لوگوں کو جانتا ہوں میں وہ ہوں جس کے لئے آفتاب دو مرتبہ لوٹایا گیا میں وہ ہوں کہ اللہ نے جبرئیل و میکائیل کو میری اطاعت کے لئے مخصوص کیا۔ میں اللہ کے اسمائے حسنی میں سے ایک اسم ہوں جو اعظم اور اعلی ہے میں صاحب طور ہوں اور صاحب کتاب مسطور (یعنی لوح محفوظ) ہوں۔ میں بیت معمور ہوں میں ہی وہ حرث و نسل ہوں ، میں وہ ہوں جس کی اطاعت اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ہر ذی روح اور ہر تنفس پر فرض کی ہے میں ہی اولین اور آخرین کو (یوم قیامت) اٹھاؤں گا۔ میں اپنی تلوار ذوالفقار سے اشقیاء کو قتل کرتا

ہوں اور ان کے خرمن حیات کو آتش غضب سے جلا دیتا ہوں میں وہ ہوں کہ اللہ نے مجھ کو دین پر غالب کیا اور میں ظالمین سے بدلہ لینے والا ہوں میں ہی وہ ہوں جس کی طرف تمام امتوں کو دعوت دی گئی تا کہ میری اطاعت کریں جس نے کفر کیا اور خلاف ورزی کی مسخ ہو گیا۔ میں ہی منافقین کو رسول اللہ کے حوض کوثر سے دفع کروں گا۔ میں وہ دروازہ ہوں جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے کھولا ہے جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں رہے گا اور جو اس سے نکل گیا کافر ہو گیا۔ میں وہ ہوں جس کے ہاتھ میں جنت اور جہنم کی کنجیاں ہیں میں وہ ہوں جس نے جباروں سے جہاد کیا جنہوں نے نور خدا کو بجھانے اور اس کی حجت کے باطل کرنے کی کوشش کی تھی پس اللہ نے انکار کیا مگر یہ کہ اس کا نور اور ولایت کامل ہو گئے اللہ نے اپنے نبیؐ کو نہر کوثر عطا فرمایا اور مجھے آب حیات عطا فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زمین پر ہوں۔ پس جس کو چاہا اللہ نے میرا عارف بنایا اور جس کو نہ چاہا نہ بنایا۔ میں نورانی (یعنی رنگِ سبز) میں کھڑا ہوں جہاں روحیں حرکت کرتی ہیں اور میرے سوا کوئی سانس لینے والا نہ تھا۔ میں خاموش عالم ہوں اور محمدؐ بولنے والے عالم

ہیں۔ میں قرن اولی کا صاحب ہوں میں نے موسیٰؑ کو بحر میں بچایا اور فرعون کو غرق کیا میں یوم ظلۃ کا صاحب عذاب ہوں (جو بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا) میں ان سب سے زیادہ اعلم ہوں میں جانوروں اور پرندوں کی بولیوں کا عالم ہوں۔ اللہ کی آیت اللہ کی حجت اور اللہ کا امین ہوں۔ میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں اور میں پیدا کرتا ہوں اور رزق دیتا ہوں میں سنتا ہوں اور ہر چیز کا عالم ہوں اور ہر چیز کو دیکھتا ہوں میں وہ ہوں جو ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی ایک چشم زدن میں سیر کرتا ہوں میں نفخہ اول اور نفخہ ثانی ہوں میں ذوالقرنین ہوں جیسا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میں امت کا ذوالقرنین ہوں میں اس ناقہ کا صاحب ہوں جو صالح نبیؑ کے لئے نکلا تھا میں وہ ہوں جو کہ صور پھونکے گا اس روز جو کہ کافروں پر بہت سخت ہوگا۔ جس میں بالکل آسانی نہ ہوگی۔ میں اسم اعظم ہوں جو کھیعص ہے میں وہ ہوں جو عیسیٰ کی زبان میں گہوارہ میں گویا ہوا میں وہ ہوں جو یوسف صدیق سے بچپن کی زبان میں گویا ہوا میں وہ ہوں جس کے مثل کوئی شئے نہیں میں عذاب اعظم ہوں (دشمنان خدا کے لئے) میں ہوں آخرت اور اولی میں ہوں ان کا اعادہ اور حشر کرنے والا۔ میں زیتون

کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہوں جس کی قسم خدا نے والتین والزیتون کہہ کر کھائی ہے اور نبوت کی قندیلوں میں سے ایک قندیل ہوں میں ہوں چیزوں کا ظاہر کرنے والا جس طرح چاہوں۔ میں وہ ہوں جو بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہوں۔ آسمان وزمین کی کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں میں ہوں چراغ ہدایت میں چراغ دان ہوں جس میں مصطفیٰ کا نور ہے میں وہ ہوں جس کی معرفت کے بغیر کسی عمل کرنے والے کا عمل بیکار ہے میں آسمانوں اور زمینوں کے (عجائبات کا خزانچی ہوں کہ سب میری قدرت میں ہیں) میں ہوں عدل کا قائم کرنے والا میں زمانہ کے تغیرات وحوادث کا علم رکھتا ہوں میں وہ ہوں جو چیونٹیوں کی تعداد کا علم رکھتا ہے اور ان کے وزن اور سبکی سے واقف ہے اور پہاڑوں کی مقدار اور ان کے وزن کو جانتا ہے اور بارش کے قطرات کی تعداد سے واقف ہے میں خدا کی آیات کبری ہوں جو اس نے فرعون کو دکھائی اور اس نے عصیان کی۔ میں وہ ہوں جس نے دو قبلوں کی طرف منہ کیا اور دو مرتبہ زندہ کرتا ہوں میں ہی چیزوں کو جس طرح چاہتا ہوں ظاہر کرتا ہوں میں وہ ہوں کہ کفار کے چہرے پر مٹھی بھر خاک ڈالی تھی پس وہ واپس ہو گئے

اور ہلاک ہو گئے۔ میں وہ ہوں جس کی ولایت سے ہزار امتوں نے انکار کیا تھا پس اللہ بے انہیں مسخ کر دیا میں وہ ہوں جس کا ذکر زمانہ سے پہلے کیا گیا اور آخری زمانہ میں خروج کروں گا میں پہلے فراعنہ کی گردن توڑنے والا ان کو (ان کی سلطنت سے) نکالنے والا اور آخرین کو عذاب دینے والا ہوں میں ہوں جنت وطاغوت کو عذاب دینے والا اور جلانے والا اور یعوق یغوث اور نسر کو عذاب دینے والا کیونکہ انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا۔ میں ہوں ستر زبانوں میں بات کرنے والا اور ہر چیز کا ستر طور پر فتوی دینے والا میں ہی قرآن کی تاویل سے عالم ہوں اور ہر چیز سے واقف ہوں جس کی امت محتاج ہے میں وہ ہوں کہ جو ہر اس چیز سے واقف ہے جو رات و دن واقع ہوتی ہے اور قیامت تک ایک امر کے بعد دوسرا واقع ہوگا اور ایک شے کے بعد دوسری شئے واقع ہوگی۔ میں ہوں جس کے پاس اللہ کے اسمائے اعظم سے بہترین اسما ہیں۔ میں مشرق سے مغرب تک خلائق کے اعمال کو دیکھتا ہوں اور ان کی کوئی چیز مجھ پر پوشیدہ نہیں میں ہوں کعبہ اور بیت الحرام اور بیت العتیق جیسا کہ خدا نے فرمایا کہ پس اس گھر (بیت) کے رب کی عبادت کرو میں وہ ہوں کہ

جس کو اللہ ایک چشم زدن میں مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین کا مالک کردے گا میں ہوں محمد مصطفیٰ اور میں ہوں علیؑ مرتضی جس طرح کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ظاہر ہوا ہے میں روح القدس کا ممدوح ہوں میں وہ ہوں کہ جس پر کسی نام یا شبہ کا اطلاق نہیں ہوتا میں اشیائے وجودیہ کو جس طرح چاہتا ہوں ظاہر کرتا ہوں میں ان کے لئے باب حطہ ہوں (یعنی نجات کا دروازہ) جو اس میں داخل ہونا چاہے۔ سوائے خدائے علی و عظیم کے کوئی قوت نہیں اللہ کی رحمت نازل ہو محمدؐ اور ان کی آل پر تمام حمد اللہ کیلئے ہے جو پالنے والا ہے تمام عالمین کا۔

خطبه رجيعه

ان لى الكرة بعد الكرة والرجعة بعد الرجعة وانا صاحب الرجعات والكرّات وصاحب الصولات ولنعمت والدولات العجيبات وانا قرن من حديدٍ وانا عبد الله واخو رسول الله وانا امين الله وخازنه وعيبة سره و حجابه ورجهه وصراطه وميزانه وانا الحاشر الى الله وانا كلمة الله التى يجمع بها المتفرق ويفترق بها المجتمع وانا اسمآء الله الحسنى و امثاله العليا واياته الكبرى وانا صاحب النجة والنار اسكن اهل الجنة واهل النار النار والى تزويج اهل الجنة والى عذاب اهل النار والى ايات الخلق جميعاً وانا الماب الذى يوب اليه كل شئ بعد القضآءِ والى حساب الخلق جميعاً

وانا صاحب الحسنات وانا الموذن على
الاعراف وانا بارز الشمس وانا دابة الارض
وانا قسيم النار وانا خازن الجنان وصاحب
الاعراف وانا امير المومنين ويعسوب
الميقين و آية السابقين ولسان الناطقين
وخاتمُ الوصيين ولسان ووارث والنبيين
وخليفة رب العالمين وصراط ربى
المستقيم وقسطاسه والحجة علىٰ اهل
السمٰوات و الارضين وما فيهما وبينهما
وانا الذى احتج اللّٰه به عليكمُ فى ابتدآء
خلقكمُ وانا الشاهد يومَ الدين وانا الذى
علمت علمُ المنايا واليلا يا والقضا يا و
فصل الخطاب والا نساب واستحفظت
ايات النبيين الميحفين المستخفظين وانا
صاحب العصاءِ والميسور وانا الذى
سخرت لى استحاب والرعدو البرق والظلمَ

والا نوار والریاح والجبال والجار والنجوم والشمس والقمر وانا القران الحدید وانا فاروق الا مة وانا الحادی وانا الذی احصیت کل شیئی عددا بعلم اللّٰہ الذی اودعیتہ وبسرہ الذی اسرہ الی محمدٍ واسرہ النبی الی وانا الذی انجلنی ربی اسمہ وکلمۃ وحکمتہ وعلمہ ونہمہ یا معشر الناس سلونی قبل ان تفقدونی قبل اللھمّ انی اشھدک واستعدیک علیھمُ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیمُ والحمد للّٰہ متبعین امرہ۔

ترجمہ:

بیشک میرے لئے (دنیا میں) بار بار آنا اور رجعت کرنا ہے۔ میں صاحب رجعات وکرات ہوں میں حملوں والا سزاوں والا نعمتوں والا اور عجیب دولتوں والا ہوں۔ میں (ہر قلعہ کفر کو ڈھانے والا) آہنی سینگ ہوں میں بندہ خدا اور برادر رسولؐ خدا ہوں میں خدا کا امین اور خزانہ دار ہوں اور اسکے رازوں کا محفوظ صندوق ہوں۔ میں

حجاب خدا، وجہ خدا، صراط خدا، اور اسکی میزان ہوں میں ہی (مخلوق کو) خدا کی طرف جمع کرنے والا ہوں میں وہی کلمہ خدا ہوں جس کے ذریعہ ہر متفرق چیز اکٹھی اور ہر اکٹھی چیز متفرق ہو جاتی ہے میں خدا کے اسمائے حسنیٰ عالی مرتبہ امثال اور بڑی نشانیوں کا مظہر ہوں۔ اہل جنت کو جنت میں اور اہل نار کہ جہنم میں داخل کروں گا۔ اہل جنت کی تزویج اور اہل نار پر عذاب کرنا میرے ہی ذمہ ہے اور تمام مخلوق کی بازگشت میری ہی طرف ہوگی اور میری ہی طرف ہر امر بعد قضائے الہیٰ رجوع ہوتا ہے اور ساری خلق کا حساب میرے ہی ذمہ ہے۔ میں ہی نیکیاں بخشنے والا ہوں اور اعراف کی طرف پکارنے والا ہوں میں ہی آفتاب کو واپس کرنے والا ہوں۔ میں ہی دابتہ الارض ہوں اور میں ہی جہنم کا تقسیم کرنے والا ہوں۔ میں ہی خازن بہشت ہوں اور صاحب اعراف ہوں میں امیر المومنین اور متقیوں کا یعسوب، سابقین کی نشانی، ناطقین کی زبان، خاتم الوصیین اور وارث النبیین اور پروردگار عالم کا خلیفہ ہوں میں اپنے رب کا صراط مستقیم اور تمام اہل سماوات و زمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے سب پر اللہ تعالی کی حجت ہوں۔ میں وہ ہوں کہ اللہ نے ابتدائے

خلقت کے وقت تم پر احتجاج و اتمام حجت کیا اور میں ہی یوم قیامت کا شاہد ہوں میں علم منایا، بلایا، قضایا اور فصل الخطاب۔ اور علم انساب جانتا ہوں۔ میں ہی تمام نبیوں کی مخفی نشانیوں کا محافظ ہوں میں ہی صاحب عصا میسم ہوں میں ہی ہوں جس کیلئے بادل، برق، گرج تاریکیاں، روشنیاں، ہوائیں، پہاڑ، سمندر، ستارے، آفتاب اور ماہتاب مسخر کر دیئے گئے ہیں قوت خدا کا آہنی سینگ ہوں اور میں فاروق امت ہوں یعنی مجھ ہی سے حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے۔ میں ہی مخلوق کو اللہ کی طرف ہنکانے والا ہوں میں ہی وہ ہوں جس نے ہر شے کو گن گن کر اس کے ذریعہ جو خدا نے مجھ میں ودیعت کیا ہے اور اس راز قدرت کے ذریعہ جو اس نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہونچایا اور نبیؐ نے مجھ کو پہونچایا احصا کیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جسے خدا نے اپنا نام، اپنا کلمہ، اپنی حکمت اور اپنا علم و فہم عطا فرمایا۔ اے لوگوں سوال کر لو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ خداوندا میں تجھ کو ان پر گواہ بناتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں کوئی قوت و طاقت نہیں ہے سوائے اس خدائے علی و عظیم کے اور ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اسکے حکم کا اتباع کرتے ہیں...

حدیث طارق

یاطارق الا مامُ کلمةُ اللّٰه وحجة اللّٰه وجه اللّٰه ونور اللّٰه وحجاب اللّٰه وآیةُ اللّٰه یختار اللّٰه یجعل فیه ما یشآء ویوجب له بذالک الطاعة والولایة علی جمیع خلقه فهوولیه فی سماواته وارضه اخذله بذالک العهد علی جمیع عباده فمن تقدمَ علیه کفر باللّٰه من فوق عرشه فهویفعل مایشآءَ واذاشاء اللّٰه شیاء ویکتب علی عضدهٗ وتمت کلمة ربک صدقًا وعدلًا فهوالصدق والعدل وینصب له عمود من نورمن الارض الی السمآءِ یریٰ فیه اعمال العبادویلبس الهیبة وعلم الضمیر ویطلع علی الغیب ویعطی التصّرف علی الاطلاق ویریٰ مابین الملک المغرب وللمشرق فلایخفیٰ علیه شیئ من

عالم الملک والملکوت ویعطی منطق
الطیر عند ولا یة فهذاالذی یختارهُ اللّٰه لوحیه
ویرتضیه لغیبه ویویده بکلمة ویلقنه
حکمه ویجعل قلبه مکان مشئة وینادی له
بالسلطنة ویذن له بالا مرة ویحکمُ له
بالطاعة وذلک لان الا مامة میراث
الانبیآءِ ومنزلة الا وصیآءِ وخلافة اللّٰه
وخلافة رُسُل اللّٰه فهی عصمه وولایة و
سلطنة وهدایة لا نها تمام الدین ورحج
الموازین الامام دلیل للقاصدین ومنار
للمهندین وسبیل للسَّالکین و شمس مشرقة
فی قلوب العارفین ولایة سبب للنجاة
وطاعته مفترضة فی الحیٰوة رعدة
بعدالمماف وعزالمومنین رشغاعه
المذنبین ونجاة المحبین ونوز التابعین لا
نهاراس الا سلام وکمال الا یمان ومعرفة

الحدوروالا احكام وتبين الحلال من الحرام
فهى رتبة لاينا لها الامن اختاره اللّٰه وقدمه
وولاه وحكمه فالولاية هى حفيظ الثغوروتدبير
الامور وهى تعددالايام والشهورالامامُ الماءِ
العذب عل الضماء والدال الهدى. الامامُ
المطهر من الذنوب المطلع على الغيوب
فالا مام هو الشمس الطالعه على العباد بالا
نوار فلا تناله الا يدى والا بصار واليهاالا
شارة بقوله تعالى قللّه العزة ولرسوله
وللمومنينَ والمومنون على وعترته فالعزة
للنبى وللعترة والنبى والعترة لا يفترقان
الىٰ آخر الدهرفهم راس دائرة الايمان
وقطب الوجود وسماءُ الجود وشرف الموجود
وضوء شمس الشرف ونورقمره واصل العزو
المجد ومبدئه ومعناه ومبناه فالا مام هو
السراج الوهاج والسبيل والمنهاج والمآءُ

الجاج والبحر العجاج والبد والشرق والغدير
المغدق والمنهج الواضح المسالك والدليل
اذا عمت المهالك والسحاب الهاطل
والغيث الهامل والبدر الكامل والدليل
الفاضل والسمآءُ الظليله والنعمة الجليلة
والبحر الذى لا ينزف والشرف الذى لايوصف
والعين الغريرة والروضه المطيرة
والزهر الاريج البهيج والنتر اللايج
والطيب الفايح والعمل الصالح والمتجر
الترايح والمنهج الواضح والطبيب الرفيق
والاب الشفيق ومفزع العباد فى الدواهى
والحاكم والآمر والناهى امير الله على
الخلايق واميته على الحقايق حجة اللهِ
على عباده محجة فى ارضه وبلاده مطهر
من الذنوب مبرأ من العيوب مطلع على
الغيوب ظاهره امرًا يملك وباطنه غيب

لا بدرك واحد دهره وخليفة الله فى نهيه
وامره يوجد له مثل ولا يقومُ له بديل فمن
ذا يال معرفتنا اوينال درجينا اويشهد
كرامتنا اويدرك منزلتنا حارت الالباب
والعقول وتاهت الا فهامُ فيما اقول تصا
غرت العظمآء وتقاصرت العلماء وكلت
الشعرء وخرست البلغآء واتلنت الخطباء و
عجزت الفصحآء وتواضعت الارض
والسمآء عن وصف شان الاوليآء وهل يعرف
اويوصف اويعلمُ اويفهمُ اويدرك اويملک
شان عن هو نقطة الكائنات وقطب
الدائرات وسر الممكنات وشعاع جلال
الكبرياء وشرف الارض والسمآء جلّ مقامَ
آل محمدٍ عن وصف الواصفين ونعت
الناعتين وان يقاس بهم احد من العالمين
وكيف وهم النور الاول والكمة العليا والتمية

البيضآء والوحدانية الكبرى التى اعرض
منهامن اربروتولىٰ وحجاب اللّٰه الاعظمُ الا
علىٰ فاين الا ختيار من هذا واين العقول من
هذا ذاعزت ومن عرف اووصف من وصف
ظنوا ان ذالک فى غير آل محمدٍ كذبو
اوزلت اقدامهمُ واتخذوا العجل ربا
واشيٰطين جزياً كل ذالک بغضةً لبيت
الصفوة و دار العصمة وحسداً لمعدن الرسالة
والحكمة وزين لهمُ الشيطان اعمالهم فتبا
لهمُ وسحقاً كيف اختارو اماماً جا هلاً عابد للا
صنام جبانًا يوم الزحام والامام يجب ان
يكون عالمًا لايجهل وستجاعاً لا ينكل لا
يعلعوو عليه حسب ولا يدينه نسب فهو فى
الذروة من قريش والشرف من ها شم البقية
من ابراهيم والنهج من المنبع الكريم
والنفس من الرسول والرضى من اللّٰه

والقبول عن الله فهو شرف الاشراف والفرع
من عبد مناف عالم بالسياسة قائم
بالرياسة مفترض الطاعة الى يوم الساعة
اودع الله قلبه سره وانطق به لسانه فهو
معصوم موفق ليس بجبان ولا جاهل فتركوه
يا طارق واتبعوا اهواء همُ ومن اضل اتنع
هواه بغير هدىً من الله والا مامُ ياطارق بشر
ملكى وجسد سمادى وامر الهي وروح قدسى
ومقام علي ونور جلى وسدخفى فهوملكى
الذات الهى الصفات زايد الحسنات عالم
بالمغيبات خصامن رب العالمين وانصاً
من الصادق الامين ونصاً كله لآل محمدٍ لا
يشاركهمُ فيه مشارك لانهم معدن التنزيل
ومعنى التاويل وخاصة الرب الجليل
ومهبط الامين جبرئيل كلمه صفات الله
وسره وكلميه شجرة النبوة ومعدن الفتوة

عين المقالة ومنتهى الدلالة ومحكم
الرسالة ونور الجلاله جنب الله ووديعته
وموضح كلمة الله ومفتاح حكمة ومصابيخ
رحمته الله دينا نيع نعمته السبيل الى الله
والسبيل والقسطاس المستقيم والمنهاج
القويم والذكر الحكيم والوجه الكريم ونور
القديم اهل الشريف والتقوليم والتقديم
والتفصيل والتعظيم خلفاءَ النبى الكريم
وابناء الروف الرحيم وامنآء العلى العظيم
ذرية بعضها من بعض والله سميع عليم
السنام الاعظم والطريق الاقوم من عرفهم
واخذ عنهم فهو منهم واليه الاشارة بقوله من
تبعنى فانه منى حلقهم الله من نور عظمته
ودلا هم امرو مملكته.فهم سر الله المخرون
واولياَ به المقربون وامره بين الكاف والنون
بل هم الكف والنون الى الله يد عون دعنه

يقولون وبامره يعملون علم الانبيآء فى
علمهم وسر الاوصيآء فى سرهم وعز الاوليآء
فى عزهم كا نقطرة فى البحر والذرة فى
القفر والسموات والارض عند الامام منهم
كيده من راحته يعرف ظاهرها من باطنها
ويعلم برها من فاجرها ورطبها ويابسها لان
الله علم بنيته علمُ ماكان وما يكون وورث
زلك السر المصون الا وليآء المنتجبون
ومن انكر ذالك فهو شقى ملعون يلعنه الله
ويلعنه اللا عنون وكيف يفرض الله على
عباده طاعة من يحجب عنه ملكوت
السموات والارض وان الكلمة من آل محمد
تنصرف الى سبعين وجها وكلما فى ذكر
الحكيم والكتاب الكريم ولكلا م اتقديم من
اية يذكروفيها العين والوجه اليد والجنب
فالمرادمنها الولى لا نه جنب الله ووجه الله

يعنى حق الله وعلمُ الله وعين الله ويد الله
لان ظاهرهمْ باطن الصفات الظاهرة
وباطنهم ظاهر الصفات الباطنة فهم
ظاهر الباطن وباطن اظاهر واليه الاشارة
بقوله ان لله اعين واياديَ وانا وانت ياعلى
منهاء فهم الجنب العلى والوجه الرضى
والمنهل الروى والصراط السوى والوسيلة
الى الله والوصلة الى عفوه روضاء سر الواحد
والاحد فلا يقاسُ بهم من الخلق احد فهم
خاصته الله وخالصته وسر الديان وحكمة
وباب الايمان وكعبته وحجته الله ومحجة
واعلام الهدى ورايته وفضل الله ورحمته
وعين اليقين وحقيقته وصراط الحق
وعصمه ومبدءُ الوجوروغاية وقدرة الرب
دمشية وام الكتاب وخاتمته وفصل
الخطاب ودلالة وخزنة الوصى وحفظته

وآيت الذكر وتراجمتة ومعدن التنزيل
ونهاية ، نهم الكواكب العلوية والانوار
العلوية المشرقة مان شمس العصمة
الفاطمية فى سمآء العظمة المحمدية
الاغصان النبوية انابعة فى الدوحة الاحمدية
الاسرار الالهبيته المودعة فى الهياكل
البشرية والذرية الزكية والعترة الهاشميه
الهادية المهدية اولئک هم خير البرية فهم
الائمة الطاهرين والعترة المعصومين
والذرية الاكرمين والخلفآء الراشدين
والكبرآء الصديقين والاوصيا المنتجبين
الاسباط المرضيين والهداة المهديين
والغر الميامين من آل طه ويسين وحجة
الله على الاولين والآخرين واسمهم مكتوب
على الاحجار وعلى اوراق الاشجار وعلى
اجنحة الاطيار وعلى ابواب الجنه

والنار وعلى والعرش والا فلاك وعلى اجنحة الاملاك وعلى حجب الجلال ورارقات العزوالجمالى وبا سمهم تسبح الا طيارو تستغفر لشيعتهم الحيان فى لجج البحاروان اللّٰه لم يخلق خلقاً الاواخذ عليه الاقراربالواحدنية والولاية الذرية الزكية والبرءة من اعدالهم وان العرش لم يستقرحتى كتب عليه بالنور لااله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه على ولى اللّٰه.

ترجمہ:

اے طارق امام کلمۃ اللہ؛ حجۃ اللہ ، وجہہ اللہ، نوراللہ؛ احجاب اللہ اور آیت اللہ ہوتا ہے اسکو خدا منتخب کرتا اور جو کچھ (اوصاف وکمالات) چاہتا ہے اسکو عطا کرتا ہے اور تمام مخلوق پر اسکی اطاعت کو واجب کرتا ہے پس وہ تمام آسمانوں اور زمین پر اسکا ولی ہے خدا نے اس بات پر اپنے تمام بندوں سے عہد لیا ہے پس جس نے اس پر سبقت کی اس نے خدائے عرش سے کفر کیا۔ پس وہ

(امام) جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جب ہی کرتا ہے جب خدا کسی بات کو چاہتا ہے اسکے بازو پر وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً یعنی مکمل ہوا کلمہ رب جو صدق اور عدل ہے لکھا رہتا ہے بس وہی صدق اور عدل ہے اس کے لئے زمین سے آسمان تک ایک نور کا ستون نصب کیا جاتا ہے جس میں وہ بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے وہ لباس ہیبت وجلال سے ملبوس رہتا ہے وہ دل کی بات جانتا ہے اور غیب پر مطلع رہتا ہے وہ متصرف علی الاطلاق ہوتا ہے وہ مشرق تا مغرب تما م اشیاء کو دیکھتا ہے عالم ملک اور ملکوت کی کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کی ولایت میں اسکو جانوروں کی بولی عطا کی جاتی ہے۔ پس یہی وہ (امام) ہے جس کو اللہ نے اپنی وحی کے لئے منتخب کیا اور امور غیب کے لئے پسند فرمایا اور اپنے کلام سے اس کی تائید کی اور اس کو اپنی حکمت تلقین کی اور اس کے قلب کو اپنی مشیت کی جگہ قرار دیا اس کے لئے سلطنت کی منادی کردی اور اسکو اولی الامر بنا کر اس کی اطاعت کا حکم دیا کیونکہ امامت میراث انبیاء اور درجہ اوصیاء خلافت خدا اور خلافت رسولانِ خدا ہے۔ پس یہی صاحب عصمت وولایت اور سلطنت وہدایت ہے کیونکہ وہ ضرور بہ ضرور

دین کی تکمیل کرنے والا ہے اور بندوں کے اعمال کی کسوٹی ہے۔ امام خدا کا قصد رکھنے والوں کے لئے دلیل راہ ہے اور ہدایت پانے والوں کے لئے منارہ نور اور سالکین کے لئے سبیل راہ اور عارفین کے قلوب میں چمکنے والا آفتاب ہے اس کی ولایت سبب نجات ہے اس کی اطاعت زندگی میں فرض گردانی گئی ہے اور مرنے کے بعد وہی توشہ آخرت ہے وہ مومنین کے لئے باعث عزت اور گناگاروں کے لئے باعثِ شفاعت اور دوستوں کے لئے باعثِ نجات اور تابعین کے لئے معرفت حدود واحکام اور حلال وحرام کا بیان کرنے والا ہے پس یہ وہ مرتبہ ہے جس پر سوائے اس کے جس کو اللہ نے منتخب کرے اور سب پر مقدم و حاکم و والی بنائے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ پس ولایت حفظ ثغور تدبیر امور اور ایام وشہور کی تعدید کرنے والی ہے۔ امام تشنگان علوم معارف کے لئے آب شیریں اور طالبان ہدایت کے لئے ہادی ہے۔ امام وہ ہے جو ہر گناہ سے پاک ومطہر ہو اور امور غیب سے مطلع ہو پس امام وہ ہے جو انوار کے ساتھ بندگانِ خدا پر طلوع ہوتا ہے پس وہ ایسی شے نہیں جس کو ہاتھ اور آنکھ پاسکے اور اسی کی طرف قول خدا کا اشارہ ہے کہ عزت بس اللہ اور اس کے رسولؐ

اور مومنین کے لئے ہے وہ مومنین علیؑ اور ان کی عترت ہیں بس عزت نبیؐ اور عترت نبیؐ کے لئے ہے نبیؐ اور انکی عترت زمانہ کے ختم ہونے تک جدا نہیں ہو سکتے پس وہ ایمان کے دائرہ کے مرکز اور قطب وجود، آسمان جود و سخا اور شرف موجود ہیں یہی ضیائے آفتاب شرافت اور اس کے ماہتاب کے نور ہیں اور اصل معدنِ عزت و بزرگی اور اس کے مبداء و معنا اور بناء ہیں۔ پس امام (ضلالت کی تاریکیوں میں) درخشاں چراغ ہے اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ اور سیراب کرنے والا پانی اور موج زن سمندر ہے وہی بدر منیر اور علوم معارف سے بھرا ہوا تالاب ہے وہی وہ صراط الٰہی ہے جس کے راستے واضح ہیں اور وہ دلیل و رہنما ہے ضلالت کے مہلک راستوں ہیں وہ (رحمت الٰہی کا) برسنے والا بادل اور باران کثیر ہے وہ (ہدایت کا) بدر کامل رہنمائے فاضلِ سب پر سایہ رکھنے والا آسمان اور اس کی نعمت جلیل ہے وہ ایک سمندر ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا اور وہ ایک ایسا شرف ہے جسکی تعریف نہیں کی جا سکتی وہ ایک چشمۂ فیض اور نعمات الٰہی کا سرسبز باغ اور مہکتا ہوا (چمن رسالتؐ کا) پھول، روشن بدر کامل اور (امامت) کا درخشاں آفتاب ہوتا ہے وہ ایک پاکیزہ خوشبو اور مجسم

عمل صالح ہے وہ فائدہ بخش مال تجارت اور سبیل واضح ہے (جس سے کوئی بھٹک نہیں سکتا) وہ ایک رفیق طبیب، پدر شفیق اور بندوں کی ہر مشکل میں مدد کرنے والا ہوتا ہے وہ اللہ کی جانب سے خلائق اور حقائق پر اس کا امین ہے اس کے بندوں پر اللہ کی حجت اس کی زمین اور ملکوں پر اللہ کی راہ روشن ہے وہ تمام گناہوں سے جملہ عیوب سے مبرا اور غیب کی باتوں سے مطلع رہتا ہے اس کا ظاہر ایک ایسا امر ہے جس پر کوئی محیط نہیں ہوسکتا اس کا باطن ایسا غیب ہے جس کا کوئی ادراک نہیں کرسکتا وہ واحد روزگار اور خدائے امر و نہی میں اس کا خلیفہ ہوتا ہے نہ اس کا کوئی مثل و نظیر ہے اور نہ کوئی اس کا بدل۔ پس کون ہے جو ہماری معرفت حاصل کرسکے یا ہمارے درجے کو پہنچ سکے یا ہماری کرامت کا مشاہدہ کرسکے یا ہماری منزلت کا ادراک کرسکے۔ اس امر میں عقول حیران اور افہام سرگشتہ ہیں یہ وہ مرتبہ ہے جس کے سامنے بڑے بڑے لوگ حقیر ہیں اس کے ادراک سے علماء قاصر شعراء ماندے، بلغا و خطباء گونگے اور بہرے، فصحاء عاجز اور زمین و آسمان شان اولیاء میں ایک وصف بھی بیان کرنے سے مجبور ہیں کون اس کو پہچان سکتا یا اس کا وصف بیان کرسکتا یا سمجھ سکتا یا

ادراک کرسکتا ہے جو کہ نقطہ کائنات، دائروں کا مرکز ممکنات کا راز اور جلال کبریائی کی شعاع اور ارض وسماء کا شرق ہے۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کا مقام اس سے برتر ہے کہ کوئی وصف کنندہ اس کی توصیف کرسکے اور اس کی نعت وتعریف لکھ سکے اور تمام عوالم میں کسی کو ان کے ساتھ قیاس کرسکے وہ نور اول اور کلمہ علیا واسمائے نورانی اور وحدانیت کبری ہیں جس نے ان سے منہ موڑا وہ واحدانیت سے مڑ گیا اور یہی خدا کے حجاب اعظم واعلیٰ ہیں۔ پس ایسے امام کو کون منتخب کرسکتا ہے اور عقلیں اس کو کہاں پہچان سکتی ہیں اور کون ایسا ہے جس نے اس کو پہچانا یا اس کے اوصاف بیان کرسکا جو لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ (امامت) آلِ محمدؐ کے علاوہ غیروں میں بھی پائی جاتی ہے وہ جھوٹے ہیں ان کے قدم (راہ راست سے) ہٹ گئے ہیں انہوں نے گویا کہ اپنا رب اور شیاطین کو اپنی جماعت بنالی ہے یہ سب بیت صفوۃ اور خانہ عصمت سے بغض کی وجہ اور معدن حکمت و رسالت سے حسد کی وجہ ہے۔ شیطان نے ان کے لئے اعمال کو مزین کردیا ہے خدا ان کو ہلاک کرے کہ کس طرح انہوں نے اس کو امام بنالیا جو جاہل بت پرست اور یوم جنگ بزدلی دکھانے والا تھا

حالانکہ یہ واجب ہے کہ امام ایسا عالم ہو کہ اس میں کسی قسم کا جہل نہ ہو اور ایسا شجاع ہو کہ کسی معرکہ میں منہ موڑے نہ حسب میں کوئی اس سے اعلی ہو اور نہ نسب میں اس سے برابر ہو پس امام ذروہ قریش اور اشراف بنی ہاشم اور بقیہ ذریت ابراہیمی سے ہوتا ہے اور وہ نبی کریم کی شاخ سے ہوتا ہے وہ نفس رسول ہوتا ہے اور رضائے خدا سے مقرر ہوتا ہے اور یہ انتخاب اللہ کی جانب سے ہوتا ہے پس وہ شرف ہے اشراف کا اور فرع ہے عبد مناف کی اور وہ عالم سیاست ہوتا ہے اور (اہل زمین پر) ریاست عامہ رکھتا ہے اس کی اطاعت قیامت تک فرض کی گئی ہے خدا اس کے قلب میں اپنے اسرار ودیعت کرتا ہے اور اس میں اپنی زبان کو گویا کرتا ہے پس وہ معصوم اور موفق من اللہ ہوتا ہے۔ وہ جاہل یا بزدل نہیں ہوتا۔ پس اے طارق لوگوں نے ایسے امام کو چھوڑ دیا اور ہوا و ہوس کے تابع ہو گئے اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو بغیر ہدایت خدا اپنے خواہشات کی پیروی کرے اے طارق امام فرشتہ بصورت بشر جسد سماوی میں ایک امر الٰہی اور روح قدس ہوتا ہے۔ اسکا مقام بلند وہ نور جلی اور سر خفی الٰہی ہوتا ہے پس وہ ملکی الذات اور الٰہی صفات وزاید الحسنات اور

عالم الغیبات ہوتا ہے۔ وہ رب العالمین سے مخصوص اور صادق الامین (یعنی رسول خدا) سے منصوص ہوتا ہے یہ تمام باتیں صرف آل محمدؐ ہی میں ہیں اور کوئی دوسرا ان میں ان کا شریک نہیں کیونکہ یہی معدن تنزیل اور (کلام خدا کے) معنی تاویل، خاصان رب جلیل اور جبرئیل امین کے نازل ہونے کے مقام ہیں۔ یہی برگزیدہ خدا، راز خدا اور اس کا کلمہ شجرہ نبوت و معدن شجاعت اس کے عین کلام اور منتہائے دلالت، محکم رسالت، نور جلال الٰہی، جنب اللہ اور اس کی امانت موضع کلمہ خدا، مفتاح حکمت، چراغ رحمت اور اس کی نعمت کے چشمے ہیں، یہی خدا کی معرفت کا راستہ اور سبیل ہیں اور یہی میزان مستقیم صراط مستقیم اور خدائے حکیم کے ذکر مجسم اور وجہہ رب کریم اور نور قدیم ہیں یہی صاحبان عزت و بزرگی وتقویم وتفصیل و تعظیم، جانشینان نبی کریم اور فرزندان رسول روف ورحیم اور امانت داران خدائے علی وعظیم ہیں۔ یہ بعضھا من بعض کی ذریت ہیں اللہ سب کچھ جانتا اور سنتا ہے۔ یہی ہدایت کے نشان بلند اور طریق مستقیم ہیں جس نے ان کو پہچان لیا اور ان سے (معارف کو حاصل کیا) پس وہ ان سے ہے رسول خدا کے قول من تبعنی فانہ منی میں

اسی کی طرف اشارہ ہے (یعنی جس نے میری پیروی کی مجھ سے ہے) اللہ نے ان کو اپنے نور عظمت سے خلق کیا ہے اور ان کو اپنی مملکت کے امور کا والی بنایا ہے پس وہی اللہ کے پوشیدہ راز ہیں اور اس کے اولیا مقرب ہیں اور کاف ونون کے درمیان اس کے امر ہیں بلکہ وہی کاف ونون ہیں۔ وہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اسی کی طرف سے بات کرتے ہیں اور اسی کے امر پر عمل کرتے ہیں تمام انبیاء کا علم ان کے علم کے مقابلہ میں اور تمام اوصیاء کا راز ان کے راز کے مقابل اور تمام اولیاء کی عزت ان کی عزت کے مقابل ایسی ہی ہے جیسے سمندر کے مقابل قطرہ اور صحرا کے مقابل ایک ذرہ۔ تمام زمین وآسمان امام کے نزدیک اس کے ہاتھ اور ہتھیلی کے مانند ہیں وہ ان کے ظاہر و باطن کو پہچانتا ہے اور نیک و بد کو جانتا ہے اور وہ ہر رطب و یابس کا عالم ہے۔ چونکہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو تمام گذشتہ اور آئندہ کا علم دیا تھا اس کے اوصیائے منتجبون اس راز محفوظ کے وارث ہوئے جو اس بات سے انکار کرے وہ بد بخت اور معلون ہے اس پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں خدا کس طرح اپنے بندوں پر ایسے شخص کی اطاعت فرض کر سکتا ہے جس سے

آسمان وزمین کے ملکوت پوشیدہ ہوں اور بہ تحقیق کہ آلِ محمدؐ کی شان میں ایک ایک لفظ ستر ستر توجیہیں رکھتا ہے اور سب کے لئے ذکرِ حکیم وکتاب کریم اور کلام قدیم میں ایک آیت ضرور موجود ہے جس میں صورت آنکھ ہاتھ اور پہلو کا ذکر ہے پس ان سب سے مراد یہی ولی ہے کیونکہ وہ جنب اللہ، وجہہ اللہ یعنی حق اللہ و علم اللہ، عین اللہ اور یداللہ ہے گویا کہ ان کا ظاہر صفات ظاہرہ کا باطن اور ان کا باطن باطنی صفات کا ظاہر ہے۔ پس وہ باطن کے ظاہر اور ظاہر کے باطن ہیں اور قول رسول خدا کا اسی طرف اشارہ ہے کہ ان عین وایادی وانا وانت یاعلی منھا (بہ تحقیق کہ اللہ کے لئے ہاتھ اور آنکھیں ہیں یاعلیؑ میں اور تم اسی سے ہیں)۔ پس وہی جنب خدائے علی وعظیم اور وجہ مرضی اور سیراب کرنے والے چشمے اور (خدا کی) سیدھی راہ ہیں اور وہی خدا تک پہونچنے کا اور اس کے عفو ورضا سے وصل ہونے کا وسیلہ ہیں وہی خدائے واحد اور احد کے راز ہیں پس ان کے ساتھ کسی مخلوق کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یہی مخصوصین خدا اور مخلص بندے ہیں۔ یہی اس کے دین وحکمت کے راز ہیں اور باب الایمان کعبہ، حجت خدا اور اس کے صراط مستقیم ہیں اور علم ہدایت اور اس کے نشان

ہیں اور فضل خدا اور اس کی رحمت ہیں۔ یہی عین الیقین وحقیقت اور صراط حق وعصمت اور مبداء ومنتہائے وجود اور غایت وقدرت پروردگار اور اس کی مشیت ہیں اور یہی ام الکتاب اور خاتمۃ الکتاب (یعنی فاتحہ کتاب تکوین اور خاتمہ مصحف، تدوین ہیں) یہی فصل الخطاب اور اس کی دلالت اور وحی کے خزانہ دار و محافظ ہیں اور اس کے ذکر کے امین و مترجم اور معدن تنزیل ہیں۔ یہی وہ کواکب علویہ اور انوار علویہ ہیں جو آفتاب عصمت فاطمہؑ سے آسمان عظمتِ محمدیہؐ میں چمکے اور روشن ہوئے یہی شاخ ہائے نبوی ہیں جو شجر احمدیہؐ میں اگے یہی وہ اسرارِ الٰہی ہیں جو صورت بشریہ میں ودیعت کئے گئے یہی ذکیہ اور عترت ہاشمیہ ہیں جو ہادی اور مہدی ہیں یہی بہترین مخلوقات ہیں بس یہی آئمہ طاہرین، عترت معصومہؑ، ذریت مکرمہ خلافائے راشدین، صدیقین اکبر، اوصیائے منتجبین، اسباط مرضیین اور مہدیوں کے ہادی مبارک اشخاص کے مشاہیر آل طہ و یسین سے ہیں اور وہ جملہ اولین وآخرین پر حجت خدا ہیں۔ ان کے نام حجروں پر درختوں کے پتوں پر، پرندوں کے پروں پر، جنت و جہنم کے دروازوں پر، عرش وآسمانوں پر، فرشتوں کے بازوؤں پر

اور حجاب ہائے عظمت وجلال الٰہی پر اور عز و جمال خداوندی کے سرا پردوں پر لکھے ہوئے ہیں انہی کے نام سے پرندے تسبیح کرتے ہیں اور ان کے شیعوں کے لئے مچھلیاں سمندر میں استغفار کرتی ہیں اور اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا نہیں کیا جب تک کہ اس کے اپنی وحدانیت اور اس ذریت ذکیہ کی ولایت اور ان کے دشمنوں سے برات کا عہد نہ لے لیا اور عرش قائم نہ ہوا جب تک کہ اس پر نور سے لا الہ الا اللہ معمدؐ رسول اللہ علیؑ ولی اللہ نہ لکھا گیا.

.....

علمِ ماکان وما یکون، ولایتِ مطلقہ کا ظہورِ مسلسل

اور۔۔شریمد بھگود گیتا

ویداہم سمتی تانی ورتمانانی چارجن!
بھویشیانڑی چہ بھوتانی مام تُوویدنہ کشچن۔

ترجمہ: اے ارجُن! شری بھگوان ہونے کے ناطے سے میں جو کچھ ماضی میں ہو چکا ہے، جو ہو رہا ہے اور جو آگے ہونے والا ہے، وہ سب کچھ جانتا ہوں۔ میں تمام جیوؤں کو بھی جانتا ہوں، لیکن مجھے کوئی نہیں جانتا۔ (شلوک ۲۶، ادھیائے ساتواں)

یہ گیان سب وِدیاؤں (علوم) کا راجہ ہے، جو تمام رہسیوں (رازوں) میں سب سے زیادہ رازدارانہ ہے۔ پرم شُدھ ہے اور چونکہ یہ آتما کی برائے راست انوبھوتی (جانکاری) کرانے والا ہے، اس لئے یہ دھرم کی تکمیل ہے، یہ اویناشی ہے اور بہت سُکھ پُوروک مکمل کیا جاتا ہے۔ اے پرنتپ (دشمنوں کو جیتنے والے)! جو لوگ بھکتی میں شردّھا (یقین) نہیں رکھتے، وہ مجھے پراپت (حاصل)

نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ اس مادّی سنسار میں بار بار جنم اور موت کے چکر میں پھنستے رہتے ہیں۔ یہ سارا جگت میرے اویکت (غیر ظاہر) رُوپ سے بھرا ہوا ہے۔ جیو مجھ میں ہیں، لیکن میں اُن میں نہیں ہوں۔ پھر بھی میرے ذریعے پیدا ہوئی ساری کائنات مجھ میں نہیں رہتی، زرا میرے یوگ ایشوریہ (شکتی) کو دیکھو، اگرچہ میں تمام جیووں کا پالن کرنے والا ہوں اور ہر جگہ موجود ہیں، لیکن میں اس تخلیق کا حصہ نہیں ہوں کیونکہ میں سرشٹی کا کارنز سوروپ (سر چشمہ) ہوں۔ جس طرح ہر جگہ چلنے والی پربل وایو (طاقت ور ہوا) ہمیشہ آکاش میں موجود رہتی ہے، اُسی طرح تمام پیدا ہونے والے پر انڑیوں کو مجھ میں قائم جانو۔ اے کنتی پتر! کلپ کا انت (کائنات کی آخرت) ہونے پر سارے پرانڑی میری پرکرتی (قدرت) میں داخل ہوتے ہیں اور دوسرے کلپ کے شروع ہونے پر میں انہیں اپنی یوگ شکتی سے دوبارہ پیدا کرتا ہوں۔ یہ سارا وِراٹ جگت میرے آدھین (اختیار میں) ہے۔ یہ میری اچھا سے بار بار پرگٹ ہوتا رہتا ہے اور میری ہی اچھا سے آخر میں وِنشٹ ہوتا ہے۔ اے دھنجیہ! یہ سارے کرم مجھے نہیں باندھ سکتے ہیں۔ میں اداسین

(غیر جانبداروں) کی طرح ان سارے مادّی کرموں سے ہمیشہ الگ رہتا ہوں۔ اے کُنتی پُتر! یہ بھوتِک پرکرتی (مادی قدرت) میرے شکتیوں میں سے ایک ہے اور میری نگرانی میں کام کرتی ہے، جس سے سارے چر اور اچر (ساکن اور غیر ساکن) پرانڑی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کے تحت یہ جگت بار بار سرجیت (تخلیق) اور وِنشٹ (فنا) ہوتا رہتا ہے۔ جب میں منشیہ روپ میں اوتار لیتا ہوں، تو مورکھ (بیوقوف) لوگ میرا مزاق اڑاتے ہیں۔ وہ مجھ پر میشور کے دیویہ سوبھاؤ (روحانی فطرت) کو نہیں جانتے۔ جو لوگ اسطرح الجھن کا شکار ہوتے ہیں، وہ آسوری (راکشی) اور ناستک وچاروں میں کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اس موہ مایا کی حالت میں انکی مکتی کی آشا، ان کے پھل آور کرم اور حاصل کیا ہوا گیان سبھی نشپھل (ضائع) ہوجاتے ہیں۔ اے پارتھ! موہ مکت (لگاؤ سے آزاد) مہاتما جن دیوی پرکرتی (روحانی قدرت) کی پناہ میں رہتے ہیں۔ وہ مکمل طور پر بھکتی میں مگن رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ مجھے آدی (ابتدائی) اور اویناشی بھگوان کے روپ میں جانتے ہیں۔ یہ مہاتما میری مہیما کا ہمیشہ کرتن کرتے ہوئے پکے ارادے کے ساتھ پریاس

کرتے ہوئے، مجھے نمسکار کرتے ہوئے، بھکتی بھاؤ سے بھرپور میری پوجا کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ جوگیان کی کھوج کے ذریعے یکیہمیں لگے رہتے ہیں، وہ بھگوان کی پوجاان کے ادھویہ (دوئی کے بغیر) روپ میں، مختلف روپوں میں اود وشو (وارٹ) روپ میں کرتے ہیں۔ لیکن میں ہی کرم کانڈ (دھارمک کاریہ) میں ہی یکیہ، پتروں کو دیا جانے والا ترپنڑ (شرادھ)، جڑی بوٹی، دیویہ دھونی (منتر)، گھی، اگنی اور آہوتی (چڑھاوا) ہوں۔ میں اس جگت کا پیتا، ماتا، آشریہ، (پناہ گاہ) اور پتامہ (دادا) ہوں۔ میں جاننے یوگیہ، پویتر کرنے والا اور اوم کار ہوں۔ میں رگ وید، سام وید اور یجور وید بھی ہوں۔ میں ہی لکشیہ (منزل مقصود)، پالن کرتا، سوامی، ساکشی، دھام، پناہ گاہ اور سب سے پریہ متر ہوں۔ میں سرشٹی اور پرلیہ (آخر) سب کو سہارا دینے والا اور اویناشی بیج بھی ہوں۔ اے ارجن! میں ہی سوریہ روپ سے جگت کو تاپ دیتا ہوں اور ورشا کو روکنے اور برسانے والا ہوں۔ میں امرتو (لافانی) ہوں اور ساکشات مرتیو بھی ہوں۔ آتما اور پدارتھ (ست اور است) دونوں مجھ ہی میں ہیں۔ جو ویدوں کو پڑھتے اور سوم رس پیتے ہیں،

وہ سورگ کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے میری بالواسطہ پوجا کرتے ہیں۔ وہ پاپ کرموں سے شدھ ہو کر اندر کے پویتر لوک میں جنم لیتے ہیں، جہاں وہ دیوتاؤں جیسا آنند بھوگتے ہیں۔ اس طرح جب وہ (اُپاسک) سورگ (سورگ) اندر یہ سکھ کو بھوگ لیتے ہیں اور ان کے پنڑیہ کرموں کے پھل ختم ہو جاتے ہیں، تو وہ اس مرتیو لوک میں دوبارہ لوٹ آتے ہیں۔ اس طرح جو تینوں ویدوں کے سدھانتوں میں پکے ارادے سے اندر یہ سکھ کی کھوج کرتے ہیں، انہیں جنم مرتیو کا چکر ہی مل پاتا ہے۔ لیکن جو لوگ انتیہ بھاؤ (پورے انہاک) سے میرے دھویہ سوَ روپ کا دھیان کرتے ہوئے میری پوجا کرتے ہیں، انکی جو ضروریات ہوتی ہیں، انہیں میں پورا کرتا ہوں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی رکشا کرتا ہوں۔ اے کنتی پتر! جو لوگ انیہ دیوتاوں کے بھکت ہیں اور انکی شردھا پوروک پوجا کرتے ہیں، حقیقت میں وہ بھی میری ہی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن وہ یہ غلط ڈھنگ سے کرتے ہیں۔ میں ہی تمام یکیوں کا ایک ماتر بھوکتا اور سوامی ہوں۔ اس لئے جو لوگ میرے حقیقی دیویہ سوَ روپ کو نہیں پہچانتے وہ نیچے گر جاتے ہیں۔ جو دیوتاوں کی پوجا

کرتے ہیں، وہ دیوتاؤں کے بیچ جنم لیتے ہیں، جو پرتیوں کی اُپاسنا کرتے ہیں، وہ ان ہی کے درمیان جنم لیتے ہیں اور میری پوجا کرتے ہیں، وہ میرے ساتھ نیواس کرتے ہیں۔ اگر کوئی پریم شردھا اور بھکتی کیساتھ مجھ کو پتا، پشپ (پھول)، پھل یا جل پردان کرتا ہے، تو میں اسے سویکار کرتا ہوں۔ اے کنتی پتر ! تم جو کچھ کرتے ہو، جو کچھ کھاتے ہو، جو کچھ ارپت کرتے ہو یا دان دیتے ہو اور جو بھی تپسیہ کرتے ہو، اسے مجھے ارپت کرتے ہوئے کرو۔ اس طرح تم کرم کے بندھن اور اس کے شبھ اشبھ پھلوں سے مکت ہو جاؤ گے۔ اس سنیاس یوگ میں اپنے چت کو قائم کر کے تم مکت ہو کر میرے پاس آسکو گے۔ میں نہ تو کسی سے دویش (نفرت) کرتا ہوں، نہ ہی کسی کے ساتھ پکش پات (طرفداری) کرتا ہوں۔ میں سب کے لئے یکساں ہوں۔ لیکن جو بھی بھکتی پوروک میری سیوا کرتا ہے، وہ میرا متر ہے مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں بھی اس کا متر ہوں۔ اگر کوئی برے سے برا کرم کرتا ہے، لیکن اگر وہ بھکتی میں لگا رہتا ہے تو اسے سادھو ماننا چاہیے۔ کیونکہ وہ اپنے سنکلپ میں ٹھیک طرح سے قائم رہتا ہے۔ وہ ترنت (جلد ہی) دھرماتما بن جاتا ہے اور دائمی

شانتی کو حاصل کرتا ہے۔ اے کنتی پتر! نڈر ہو کر اعلان کر دو کہ میرے بھکت کا کبھی ناش نہیں ہوتا ہے۔ اے پرتھا پتر! جو لوگ میری شرن لیتے ہیں، وہ بھلے ہی نمن جنما (چھوٹے طبقے) جیسے استری (عورت)، ویشیہ (کسان یا تاجر) اور شودر (مزدور خدمت گار) کیوں نہ ہو وہ پرم دھام کو پا سکتے ہیں۔ پھر دھرماتما براہمنوں، بھکتوں اور راج رشیوں کے لئے تو کہنا ہی کیا ہے۔ اس لئے اس عارضی اور دکھ بھرے سنسار میں آجانے پر میری پریما بھکتی میں اپنے آپ کو لگاؤ۔ اپنے من کو ہمیشہ میرے چنتن میں لگاؤ، میرے بھکت بنو، مجھے نمسکار کرو اور میری ہی پوجا کرو اس طرح مجھ میں پوری طرح دھیان لگاتے ہوئے تم یقیناً مجھے حاصل کرو۔ اے مہابا ہو ارجن! اور آگے سنو چونکہ تم میرے پریہ سکھا ہو، اس لئے میں تمھارے فائدے کے لئے ایسا گیان پروان کروں گا، جو ابھی تک میرے ذریعے بتائے گئے گیان سے سریشٹھ ہوگا۔ نہ تو دیوتا میری اتپتی یا ایشوریہ (تمام خوبیوں) کو جانتے ہیں اور نہ مہرشی لوگ ہی جانتے ہیں کیونکہ میں سبھی طرح سے دیوتاؤں اور مہرشیوں کا بھی کارن سوروپ ہوں۔ جو مجھے اجنما، انادی (جس کی کوئی شروعات نہ ہو) تمام

لوکوں کے سوامی کے روپ میں جانتا ہے، منشیوں میں صرف وہی موہ رھیت (فریب سے آزاد) اور تمام پاپوں سے مکت ہوتا ہے۔ بدھی، گیان، سنشیہ (شک) اور موہ سے مکتی، شما بھاؤ، سچائی، اندریوں پر قابو پانا، من پر قابو رکھنا، سکھ اور دکھ، جنم، مرتیو، ڈر، بے خوفی، اھنسا، سمتا، (یکسانیت)، سنتوش، تپسیہ، دان، عزت اور ذلت جیوؤں کو یہ مختلف گونڑ میرے ہی ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔ سات مہان مہارشی اور ان سے بھی پہلے چار دوسرے مہارشی اور سارے منو (مانو جاتی کے پوروج) سب میرے من سے پیدا ہوتے ہیں اور مختلف لوکوں (سیاروں) میں رہنے والے سارے جیو ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو میری اس خوبی اور یوگ شکتی کو پوری طرح سے جانتا ہے، میری اتنیہ (خالص) بھکتی میں لگ جاتا ہے۔ اسمیں ذرا بھی شک نہیں ہے ۔ میں تمام آدھیاتمک اور بھوتک (روحانی اور مادی) جگتوں کا کارنڑ (وجہ) ہوں۔ ہر چیز مجھ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ جو بدھی مان یہ اچھی طرح جانتے ہیں، وہ میری پریما بھکتی میں لگتے ہیں اور ہردیہ سے پوری طرح میری پوجا میں مشغول رہتے ہیں۔ میرے شدھ بھکت ہمیشہ میرے بارے میں سوچتے ہیں، انکے جیون میری سیوا میں

ارپت رہتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو گیان پروان کرتے اور میرے بارے میں باتیں کرتے ہوئے پرم سنتوش اور آنند حاصل کرتے ہیں۔ جو ہمیشہ پریم اور شردھا سے میری سیوا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں میں ایسی بدھی یوگ پروان کرتا ہوں، جس کے ذریعے وہ مجھ تک آسکتے ہیں۔ میں ان پر خاص کرپا کرنے کے لئے، ان کے ہردیوں میں واس کرتے ہوئے گیان کے پرکاش مان دیپک کے ذریعے اگیان سے پیدا ہوئے اندھکار کو دور کرتا ہوں۔

ارجن نے کہا! آپ پرم بھگوان، پرم دھام، پرم پویتر، پرم ستیہ ہیں۔ آپ نتیہ، دیویہ، آدی پروش (دائمی روحانی اول) اجما اور عظیم ترین ہیں۔ نارد منی، اسیت، دیول اور ویاس دیؤ جیسے رشی آپ کے اس ستیہ کی تصدیق کرتے ہیں اور اب آپ خود بھی مجھ سے بیان کر رہے ہیں۔ اے کیشو! آپ نے مجھ سے جو کچھ کہا ہے، اسے میں پوری طرح ستیہ مانتا ہوں۔ اے پربھو! نہ تو دیوتا اور نہ اسور ہی آپ کے سوروپ کو سمجھ سکتے ہیں۔ اے پرم پروش، اے ہر شے کا سرچشمہ، اے تمام پرانڑیوں کے سوامی، اے دیوؤں کے دیو، اے کائنات کے سوامی! بے شک صرف آپ ہی اپنے کو اپنی اندرونی شکتی سے

جاننے والے ہیں۔ کرِپا کر کے تفصیل کے ساتھ مجھے اپنے ان دیوی ایشوریوں (روحانی خوبیوں) کو بتائیں، جنکے ذریعے آپ ان تمام لوکوں میں رچے بسے ہیں۔ اے کرشنڑ، اے پرم یوگی! میں کس طرح آپ کا ہمیشہ چنتن کروں اور آپ کو کیسے جانوں؟ اے بھگوان! آپ کا سمرنڑ کن کن روپوں میں کیا جائے؟ اے جنارد ھن! آپ پھر تفصیل سے اپنے ایشوریہ اور یوگ شکتی کا زکر کریں۔ آپ کے بارے میں سننے سے میرا من کبھی نہیں بھرتا، کیونکہ جتنا ہی آپ کے بارے میں سنتا ہوں اتنا ہی آپ کے شبد امرت کو چکھنا چاہتا ہوں۔

شری بھگوان نے کہا! ہاں اب میں تم سے اپنی شاندار وبھوتیوں (خوبیوں) میں سے خاص خاص وبھوتیوں کے بارے میں ذکر کروں گا۔ کیونکہ اے ارجن! میرا ایشوریہ (خوبیاں) لامحدود ہیں۔ اے ارجن! میں تمام جیوؤں کے ہردیوں میں قائم پرم آتما ہوں۔ میں ہی تمام جیوؤں کا آدی (شروعات)، مدھیہ (درمیان) اور انت (آخر) ہوں۔ میں بارہ آدیتوں میں وشنو نامک ادیتیہ ہوں، پرکاشمان جیوتیوں میں انشومان سوریہ میں ہوں، اونچاس مروتوں میں مریچی ہوں اور نکشتروں (تاراگنڑوں) میں چندرماہوں میں

ویدوں میں سام وید ہوں، دیوؤں میں سورگ کا راجا اندر دیو ہوں، اندر ہوں میں من ہوں اور تمام جیوؤں میں جیونی شکتی (چیتنا) ہوں۔ میں گیارہ رودروں میں شنکر ہوں، یکشوں اور راکشسوں میں دھن کا دیوتا کوبیر ہوں، آٹھ وسوؤں میں اگنی ہوں اور تمام پربتوں میں میرو پربت ہوں۔ اے ارجن! مجھے تمام پروہیتوں میں مکھیہ پروھیت برھسپتی جانو۔ میں ہی تمام سینا نایکوں (سپہ سالاروں) میں اسکندر ہوں اور تمام آب گاہوں میں سمندر ہوں۔ میں مہرشیوں میں بھرگو رشی ہوں، وانیٰ (شبد) میں دیو یہ اوم کار ہوں، تمام یگیوں میں پویتر نام کا کرتن جپ اور اچلوں (ساکن۔ یہ حرکت کرنے والی چیزوں) میں ہمالیہ ہوں۔ میں تمام درختوں میں پیپل کا درخت ہوں اور دیورشیوں میں نادر منی ہوں۔ میں گندھروں میں چترتھ ہوں اور سدھ پروشوں میں کپل من ہوں۔ گھوڑوں میں مجھے اچے شرواجانو (جو امرت کے لئے سمندر منتھن کے وقت نکلا تھا)۔ ہاتھیوں میں ایراوت ہاتھی ہوں اور منشیوں میں راجا ہوں۔ میں ہتھیاروں میں وجر (اندر کا ایک ہتھیار) ہوں، گائیوں میں سوربھی گائے، سنتان پیدا کرنے والا کام دیو بھی میں ہوں اور سرپوں

(سانپوں) میں واسوکی ہوں۔ انیک پھنڑوں والے ناگوں میں
میں انت ناگ ہوں اور جلچروں (آبی جانداروں) میں ورونڑ دیو
ہوں۔ میں پتروں میں اریما (پتروں کا راجا) ہوں، اصولوں پر
چلانے والوں میں میں مرتیو یم راج ہوں۔ دیتیوں (راکشس)
میں میں بھکت راج پرھلاد ہوں، ناش کرنے والوں میں کال ہوں،
جانوروں میں ببر شیر ہوں اور پکشیوں (پرندوں) میں گروڑ ہوں۔
تمام پویتر کرنے والوں میں وایو (ہوا) ہوں، شستر دھاریوں میں
رام ہوں، مچھلیوں میں مگر (شارک) اور ندیوں میں گنگا ہوں۔
اے ارجن! میں تمام سرشٹیوں (کائنات) کا آدی (شروعات)،
مدھیہ (درمیان) اور انت (آخر) ہوں۔ میں تمام ودیاؤں میں
ادھیاتم ودیا (روحانی تعلیم) ہوں اور ترک شاستریوں (بحث کرنے
والوں) میں حتمی فیصلہ ہوں۔ اکشروں میں میں اکار (الف) ہوں
اور سماسوں (الفاظوں کے جوڑ) میں دوندسماس (دو الفاظوں کا جوڑ)
ہوں۔ میں شاشوت کال (لافانی وقت) بھی ہوں اور تخلیق کرنے
والوں میں برھما ہوں۔ میں سب کو ناش کرنے والی مرتیو ہوں اور میں
ہی آگے ہونے والوں کو پیدا کرنے والا ہوں۔ استریوں (عورتوں)

میں کیرتی، شری (سندرتا)، واک (وانڑی)، یادداشت، عقل، پکاارادہ اور شما (معافی) ہوں۔ میں سام وید کے گیتوں میں بر ھتسام ہوں اور چھندوں (منتروں) میں گائتری ہوں۔ تمام مہینوں میں میں مارگ شرش (نومبر، دسمبر) اور سارے موسموں میں پھول کھلانے والی بسنت روت (بہار کر موسم) ہوں۔ میں چھلیوں میں جواہوں اور تیجسویوں میں تیج ہوں۔ میں ہی وجیہ (جیت) ہوں اور بلوانوں کا بل ہوں۔ میں ورشنڑی ونشیوں میں واسودیو اور پانڈوں میں ارجن ہوں۔ میں تمام منیوں میں ویاس دیو اور مہان وچاریکوں (سوچنے والوں) میں اشنا (سوچ) ہوں۔ غیر قانونی اعمال کو روکنے والے طریقوں میں سزا ہوں اور وجے (فیح) چاہنے والوں کی میں نیتی ہوں۔ رازوں میں خاموشی ہوں اور بدھی مانوں میں گیان ہوں۔ یہی نہیں اے ارجن! میں تمام کائنات کا پیدا کرنے والا بیج ہوں۔ ایسا چر اور اچر (ساکن اور غیر ساکن) کوئی بھی پرانڑی نہیں ہے جو میرے بناء رہ سکے۔ اے پرنتپ! میری دیوی وبھوتیوں (روحانی خوبیوں) کا انت نہیں ہے۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا، وہ میری لامحدود خوبیوں کی صرف ایک جھلک ہے۔ تم جان لو کہ سارے

ایشوریہ، سوندریہ (خوبصورت) اور تیجسوی مخلوقات ہیں۔ وہ سب میرے تیج کے انش (نور کی چنگاری) سے پیدا ہوتے ہیں۔لیکن اے ارجن! اس سارے تفصیلی گیان کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو اپنے ایک انش ماتر سے پورے پرھانڈ (جگت) میں ویاپت ہو کر اس کو دھارنڑ کرتا ہوں۔ ارجن نے کہا! آپ نے جن انتہائی گپت روحانی وشیوں کا مجھے اپدیش کیا ہے اسے سن کر اب میرا سوہ (الجھاؤ) دور ہو گیا ہے۔ اے کنول نین! میں نے آپ سے جیوؤں کی اتپتی (پیدائش) اور موت کے بارے میں تفصیل سے سنا ہے، اور آپ کی مہیما (شان وشوکت) کو محسوس کیا ہے۔ اے پروشوتم، پرم ایشور! اگر چہ آپ کو میں اپنے سامنے آپ کے ذریعے بتائے آپ کے اصلی روپ میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن میں یہ دیکھنے کا خواہشمند ہوں کہ آپ اس کائنات میں کس طرح داخل ہوئے ہیں۔ میں آپ کے اسی روپ کا درشن کرنا چاہتا ہوں۔ اے پربھو، اے یوگیشور! اگر آپ سوچتے ہیں کہ میں آپ کے وشوروپ کو دیکھنے کے قابل ہوں، تو کرپا کر کے مجھے اپنے لامحدود وشوروپ کے درشن کرائیں۔ شری بھگوان نے کہا! اے پاتھ! اب تم میرے ایشوریہ (شان وشوکت) والے

سینکڑوں ہزاروں طرح کے دیویہ (روحانی) اور مختلف رنگوں والے روپوں کو دیکھو۔ بھارت! لوتم ادیتیوں، (ادیتی کے بارہ بیٹوں) آٹھ سوؤں، گیارہ دردروں، اشونی کماروں اور دوسرے دیوتاؤں کے مختلف روپوں کو یہاں دیکھو۔ تم ایسے کئی حیرت انگیز روپوں کو دیکھو، جنھیں پہلے کسی نے نہ تو کبھی دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ اے ارجن! تم جو بھی دیکھنا چاہو، اسے اسی وقت میرے اس شریر میں دیکھو۔ تم اس وقت اور بھویشیہ (مستقبل) میں بھی جو دیکھنا چاہتے ہو اس کو یہ وشوروپ دکھانے والا ہے۔ یہاں ایک ہی جگہ پر تمہیں چراچر (ساکن اور غیر ساکن) سب کچھ مل جائے گا۔ لیکن تم مجھے اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے میں تمہیں دیویہ (روحانی) آنکھیں دے رہا ہوں۔ اب میرے یوگ ایشوریہ (شان وشوکت) کو دیکھو۔ سنجیہ نے کہا! اے راجا! اس طرح کہہ کر پرم یوگیشور بھگوان شری ھری نے، ارجن کو اپنا وشوروپ دکھایا۔ ارجن نے اس وشوروپ میں لامحدود منہ، لامحدود آنکھیں اور لامحدود حیرت انگیز منظر دیکھے۔ یہ روپ مختلف روحانی آبھوشنڑوں (ہیرے جواہرات) سے سجا ہوا تھا اور انیک روحانی ہتھیار لئے ہوئے تھا۔ یہ

روحانی مالائیں اور وستر (لباس) پہنے ہوے تھا اور اس پر انیک روحانی خوشبوئیں لگی تھیں۔ سب کچھ حیرت انگیز، پرثور لامحدود اور ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ اگر آکاش میں ہزاروں سوریہ ایک ساتھ نکلے ہوں، وہ بھی ان کی روشنی شائد پرم پروش بھگوان کے اس وشوروپ کے تیج کی برابری کر سکے۔ اس وقت ارجن نے بھگوان کے وشوروپ میں ایک ہی جگہ پر موجود ہزاروں حصوں میں بٹے ہوئے کائنات کے لامحدود حصوں کو دیکھا۔ تب حیرت زدہ اور رومانچت ہوئے ارجن نے سر جھکا کر نمسکار کیا اور ہاتھ جوڑ کر بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگا۔ ارجن نے کہا! اے بھگوان کرشنڑ! میں آپ کے شریر میں سارے دیوتاؤں اور مختلف جیوؤں کو ایک ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ میں کمل پر براجمان برھما، بھگوان شو اور سارے رشیوں اور روحانی روپوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اے ایشور، اے وشوروپ! میں آپ کے شریر میں کئی کئی ہاتھ، پیٹ، منہ اور آنکھیں دیکھ رہا ہوں۔ جو ہر طرف پھیلے ہیں اور جن کا انت نہیں ہے۔ آپ میں نہ انت دکھتا ہے نہ درمیان اور نہ شروعات۔ آپ کے روپ کو اس کے چکا چوند تیج کی وجہ سے دیکھ پانا بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ بھڑکتی ہوئی اگنی کی طرح

اور سورج کے لامحدود پرکاش کی طرح چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ تو بھی میں اس چکا چوند والے روپ کو ہر طرف دیکھ رہا ہوں، جو کئی مکٹوں (تاجوں) گداؤں اور چکروں سے سجا ہوا ہے۔ آپ ہی جاننے کے قابل، آپ اس کائنات کے پرم آدھار (آشریہ۔ پناہ گاہ) ہیں۔ آپ اویناشی اور پورانژ پروش ہیں۔ آپ ہی سناتن دھرم کے پالن کرنے والے پرم پروش بھگوان ہیں ایسی میری رائے ہے۔ آپ آدی (شروعات)، مدھیہ (درمیان) اور انت (آخر) سے نیارے ہیں آپکا یش لامحدود ہے۔ آپ کے بے شمار بازو ہیں اور سوریہ اور چندرما آپ کی آنکھیں ہیں۔ میں آپ کے منہ سے بھڑکتی ہوئی اگنی نکلتے اور آپ کے تیج سے اس پوری کائنات کو جلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اگرچہ آپ ایک ہیں، لیکن آپ آکاش اور سارے لوکوں اور ان کے بیچ کے پورے خلاؤں میں موجود ہیں۔ اے مہاپروش! آپ کے اس ادبھوت اور بھیانک روپ کو دیکھ کر سارے لوک (جگت سیارے) خوف زدہ ہیں۔ تمام دیوتا آپ کی شر نڑ لے رہے ہیں اور آپ کے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ خوف زدہ ہو کر ہاتھ جوڑے آپ کی پرارتھنا کر رہے ہیں۔ مہر،

شی اور کامل ھستیاں گڑگڑا کر ''کلیانڑ ہو'' کہہ کر ویدک منتروں کا پاٹھ کرتے ہوئے آپ کی استوتی (تعریف) کر رہے ہیں۔ شو کے مختلف روپ، آدیتیہ، وسو، دادھیہ، وشودیو، دونوں اشوینی کمار، مرودگنڑ، پتر گنڑ، گندھرو، یکش، اسور اور سدھ دیو سبھی آپ کو حیرانی سے دیکھ رہے ہیں۔ اے مہاباہو! آپ کے اس بہت سے منہ، آنکھوں، بازوؤں، جانگوں، پاؤں، پیٹ اور بھیانک دانتوں والے وراٹ روپ کو دیکھ کر دیوتا سمت سبھی لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں اور ان ہی کی طرح ہیں بھی ہوں۔ اے سرو ویاپی وشنو! مختلف چمکیلے رنگوں سے بھرپور آپکے آسمان کو چھوتے مکھ پھیلائے اور بڑی بڑی چمکتی آنکھیں نکالے دیکھ کر خوف سے میرا من پریشان ہے۔ میں نہ تو دھرج پا رہا ہوں، اور نہ من کی شانتی۔ اے دیویش، اے جگن نیواس! آپ مجھ پر دیا کیجئے، میں اس طرح سے آپ بھیانک روپ اور وکرال دانتوں کو دیکھ کر اپنا توازن قائم نہیں رکھ پا رہا۔ میں ہر طرح سے پریشان ہو گیا ہوں۔ دھرت راشٹر کے سارے پتر اپنے تمام ساتھی راجاوں کے ساتھ اور بھیشم پتامہ، درونڑ چاریہ، کرنڑ اور ہمارے مکھیہ یودھا بھی آپ کے وکرال (بھیانک) منھ میں داخل

ہورہے ہیں۔ان میں سے کچھ کے سروں کو تو میں آپ کے دانتوں کے بیچ پستا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جس طرح ندیوں کی انیک لہریں سمندر میں پرویش کرتی ہیں۔اس طرح یہ تمام مہان یودھا بھی آپ کے بھڑکتے اگنی مکھوں میں داخل ہورہے ہیں۔ میں تمام لوگوں کو پوری رفتار سے آپ کے مکھ میں اسی طرح داخل ہوتے دیکھ رہا ہوں۔جس طرح پتنگے (پروانے) اپنے وناش کے لئے بھڑکتی ہوئی اگنی میں کود پڑتے ہیں۔اے وشنو! میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے سلگتے ہوئے مکھوں سے سبھی طرف کے لوگوں کو نگلتے جارہے ہیں۔آپ سارے جگت کو اپنے تیج سے روشن کرکے اپنی وکرال (خوفناک) بھلساتی کرنوں کے ساتھ ظاہر ہورہے ہیں۔ اے دیویش! کرپا کر کے مجھے بتائیں کہ اتنے خوفناک روپ میں آپ کون ہیں؟ میں آپ کو نمسکار کرتا ہوں۔کرپا کرے مجھ پر دیا کریں آپ آدی بھگوان ہیں میں آپ کو جاننا چاہتا ہوں، کیونکہ میں نہیں جان پارہا ہوں کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔شری بھگوان نے کہا! تمام جگتوں کا ناش کرنے والا کال میں ہوں اور میں یہاں تمام لوگوں کا وناش کرنے کے لئے آیا ہوں۔تمھارے (پانڈوں) کے سوا دونوں طرف کے سارے

یودھا مارے جائیں گے۔ اس لئے اٹھو لڑنے کے لئے تیار ہو جاو اور شہرت حاصل کرو۔ اپنے شتروں کو جیت کر سارے راجیہ (راج پاٹ) کا سکھ حاصل کرو۔ یہ سب میرے ذریعے پہلے ہی مارے جا چکے ہیں اور اے سویہ ساچی! (میدان جنگ میں بڑی مہارت سے تیر اندازی کرنے والا) تم تو یودھ میں صرف ایک سبب ہو۔ درونڑ اچاریہ، بھیشم پتامہ، جیہ درتھ، کرنڑ اور دوسرے مہان یودھا پہلے ہی میرے ذریعے مارے جا چکے ہیں۔ اس لئے تم انکا ودھ کرو اور بلکل بھی پریشان نہ ہو۔ تم صرف یودھ کرو یودھ میں تم اپنے دشمنوں کو شکست دو گے۔ سنجیہ نے دھرت راشٹڑ سے کہا! بھگوان کے مکھ سے ان وچنوں کو سن کر کانپتے ہوئے ارجن نے ہاتھ جوڑ کر انھیں بار مبار نمسکار کیا۔ پھر اس نے خوف زدہ ہر کر کانپتی ہوئی آواز میں سری کرشن سے اس طرح کہا۔ ارجن نے کہا! اے ہرشی کیش! آپ کے نام کے سرونڑ (سننے) سے سنسار خوش ہوتا ہے اور سبھی لوگ آپکی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر چہ سدھ پروش آپ کو نمسکار کرتے ہیں، لیکن اسوری (شیطان) لوگ خوفزدہ ہیں اور ادھر اُدھر بھاگ رہے ہیں یہ ٹھیک ہی ہوا ہے۔ اے مہاتما! آپ برھما سے بھی بڑھ

کر ہیں۔ آپ سنسار کے حقیقی خالق ہیں، تو پھر وہ آپ کو سادر نمسکار کیوں نہ کریں؟ اے انت، (لامحدود) اے دیویش، ای جگن نیواس! آپ پرم اکشر (اویناشی) ہیں آپ سب وجھوں کی وجہ اور اس مادی سنسار سے پرے ہیں۔ آپ آدی دیو، سناتن پروش اور اس فانی جگت کے پرم آشریہ (پناہ گاہ) ہیں آپ سب کچھ جاننے والے ہیں اور آپ ہی وہ سب کچھ ہیں جو جاننے کے لائق ہیں۔ آپ مادی گونڑوں سے پرے پرم آشریہ ہیں۔ اے انت روپ! یہ سارا جگت آپ ہی سے رچا بسا ہے۔ آپ وایو (ہوا) ہیں اور پرم نیتا (منتظیم) بھی ہیں۔ آپ اگنی ہیں۔ جل ہیں اور چندر ما ہیں۔ آپ آدی جیو برھما (کائنات کے سب سے پہلے جیو) ہیں اور آپ پر دادا ہیں۔ اس لئے آپ کو ہزار بار نمسکار ہے اور بار بار نمسکار ہیں۔ آپ کو آگے پیچھے اور چاروں طرف سے نمسکار ہیں۔ اے لامحدود شکتی! آپ لامحدود شکتی کے مالک ہیں۔ آپ سروویاپی ہیں اور آپ سب کچھ ہیں۔ آپ کو اپنا متر مانتے ہوئے میں نے جلدی میں آپ کو اے کرشنڑ، اے یادو، اے سکھا جیسے الفاظوں سے پکارا ہے، کیونکہ میں آپ کی مہیما کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے مورکھتا میں یا

پریم کے وش میں ہو کر جو کچھ بھی کیا ہے کرپا کر کے اس کے لئے مجھے شما (معاف) کر دیں یہی نہیں، میں نے کئی بار آرام کرتے وقت، ایک ساتھ لیٹے ہوئے یا ساتھ ساتھ کھاتے یا بیٹھے ہوئے، کبھی اکیلے تو کبھی کئی متروں کے سامنے آپ کی شان میں اگر گستاخی کی ہے، تو اے اچیوت! میرے ان تمام اپرادھوں کو شما کریں۔ آپ اس چر اور اچر (ساکن اور غیر ساکن) پوری کائنات کے پیتا ہیں۔ آپ پرم پوجیہ روحانی گرو ہیں۔ نہ تو کوئی آپ کے برابر ہے۔ نہ ہی کوئی آپ کے سمان ہو سکتا ہے۔ اے لامحدود شکتی والے پربھو! بھلا تینوں لوکوں میں آپ سے بڑھ کر کوئی کیسے ہو سکتا ہے؟۔ آپ پرم ایشور ہیں۔ آپ تمام جیوؤں کے لئے پوجا کے قابل ہیں۔ اس کئے میں جھک کر آپ کو پرنام کرتا ہوں اور آپ کی کرپا کی یاچنا کرتا ہوں۔ جس طرح باپ اپنے بیٹے کی گستاخی برداشت کرتا ہے، متر اپنے متر کی بدتمیزی سہ لیتا ہے یا پریمی اپنی پریمیکا کا اپرادھ سہن کر لیتا ہے اسی طرح آپ کرپا کر کے میری غلطیوں کو سہن کر لیں۔ پہلے کبھی نہ دیکھے گئے آپ کے اس واراٹ روپ کا درشن کر کے میں خوش ہو رہا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی میرا من خوف زدہ ہو رہا ہے۔ اس لئے آپ مجھ پر کرپا

کریں اور اے دیویش اے جگن نیواس! آپ اپنا پروشوتم بھگوت سنو روپ پھر سے دکھائیں۔ اے وراٹ روپ، اے ہزاروں ہاتھ والے بھگوان! میں آپ کے مکٹ دھاری چار ہاتھوں والے روپ کا درشن کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں آپ اپنے چاروں ہاتھوں میں شنکھ، چکر، گدا اور کنول اٹھائے ہوئے ہیں میں اسی روپ کو دیکھنے کی اچھا کرتا ہوں۔ (ادھیائے نواں، دسواں ، گیارہواں)۔

تمہیں اپنا کرم (کرتویہ) کرنے کا اختیار ہے، لیکن کرم کے پھلوں کے تم ادھیکاری نہیں ہو۔ تم نہ تو کبھی اپنے آپ کو اپنے کرموں کے پھلوں کا کارنڑ (سبب) مانو نہ ہی کرم نہ کرنے میں لگاؤ رکھو۔ اے ارجن! جے (کامیابی) اور پراجئے (ناکامی) کی تمام خواہشوں کو تیاگ کر سم بھاو (یکساں) ہو کر اپنا کرم کرو۔ ایسی حالت یوگ کہلاتی۔ اے دھنجیہ! بھکتی سیوا کے ذریعے تمام قابل نفرت کرموں سے دور رہو اور اسی بھاؤ سے بھگوان کے شرنڑ میں جاؤ۔ جو لوگ اپنے سکام کرم پھلوں (پھل کی خواہش والے کام) کو بھوگنا (لطف اندوز ہونا) چاہتے ہیں، وہ کنجوس کہلاتے ہیں۔ بھکتی سیوا میں لگا ہوا منشیہ اسے جیون میں ہی اچھے اور برے کرموں سے اپنے کو مکت

کر لیتا ہے۔ اس لئے یوگ کے لئے کوشش کرو کیونکہ سارا کاریہ کوشل (تمام اعمال کا فن) یہی ہے۔ اس طرح بھگوت بھکتی میں لگے رہ کر بڑے بڑے رشی، منی اور بھکت جن اپنے آپ کو اس مادی سنسار میں کرم کے پھلوں سے مکت کر لیتے ہیں۔ اسطرح وہ جنم مرتیو کے چکر سے چھوٹ جاتے ہیں اور بھگوان کے پاس جا کر اس حالت کو پراپت کرتے ہیں، جو سارے دکھوں سے پرے ہے۔ جب تمہاری بدھی وہم کے گھنے جنگل سے باہر آئے، تب جو کچھ تم نے سنا ہے اور جو کچھ بھی سننے کے لائق ہے اس سے تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔ جب تمہارا من ویدوں کی دل ربا زبان سے وچلت ہ ہو اور خود شناسی کی سمادھی میں قائم ہو جائے، تب تمہیں دیویہ چیتنا (روحانی عقل) پراپت ہو جائے گی۔ ارجن نے کہا! اے کیشو! جس منشیہ کا شعور روحانیت میں قائم ہو تو اس کے کیا لکشنز ہیں؟ وہ کیسے بولتا ہے اور اس کی بھاشا کیا ہے وہ کس طرح بیٹھتا اور چلتا ہے؟۔ شری بھتوان نے کہا! اے پارتھ! جب منشیہ منودھرم سے پیدا ہونے والی اندیہ ترپتی کی ساری کامناؤں کا پری تیاگ کر دیتا ہے اور جب اس طرح پویتر ہوا اس کا من آتما میں سنتوش پراپت کرتا ہے، تو وہ ودشدھ دیویہ چیتنہ کو حاصل

ہوا (استھیت پرگیہ) کہا جاتا ہے۔ جس کا من تین طرح کے دکھوں میں مبتلا ہو کر بھی پریشان نہیں ہوتا اور نہ خوشی میں مگن ہوتا اور جو لگاؤ، خوف اور کرودھ سے آزاد ہے، وہ استھیر (قائم) من والا منی کہلاتا ہے۔ اس بھوتک جگت میں جو منشیہ نہ تو شبھ (اچھا) کی پراپتی سے ہر شت (خوش) ہوتا ہے اور نہ اشبھ کے پراپت ہونے پر اس سے گلہ کرتا ہے، وہ پورنڑ گیان میں استھیر (قائم) ہوتا ہے۔ جس طرح کچھوا اپنے انگوں کو سمیٹ کر کھول کے اندر کر لیتا ہے۔ اسی طرح جو منشیہ اپنی اندریوں (حواس) کو اندریہ ودشیوں (حواس کے خواہشات) سے کھینچ لیتا ہے، وہ پورنڑ چیتنہ میں درڑتا پوروک قائم ہوتا ہے، شریر میں موجود آتما کو اندریہ بھوگ (نفسانی لطف) سے روکا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اسکی اندریہ بھوگوں کی خواہش باقی رہتی ہے۔ لیکن اتم رس پانے سے وہ ایسے کاریہ ترک کر کے بھکتی میں قائم ہو جاتی ہے۔ اے ارجن! اندریاں اتنی طاقت ور ہیں وہ اس وویکی (سمجھدار) پروش کے من کو بھی بل پوروک (طاقت کے ذریعے) جیت لیتی ہیں۔ جو انھیں قابو میں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو اندریوں (حواس) کو پوری طرح قابو میں رکھتے ہوئے اپنی چیتنا

(شعور) کو مجھ میں استھیر (قائم کر دیتا ہے، وہ منشیہ استھیر بودھی (مستحکم عقل والا) کہلاتے ہے۔اندریہ وشیوں (حواس کے محسوسات) کا چنتن کرتے ہوئے منشیہ کا ان میں لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور ایسے لگاو سے کام (ہوس) پیدا ہوتا ہے اور بو پھر کام سے کرودھ (غصہ) ظاہر ہوتا ہے۔کرودھ سے سراسر موہ (لگاو) پیدا ہوتا ہے اور موہ سے سمرنڑشکتی (سننے کی طاقت) ختم ہو جاتی ہے، جب سمرنڑشکتی بھرمت ہو جاتی ہے تو بدھی نشٹ ہو جاتی ہے اور بدھی نشٹ ہونے پر منشیہ مادی بھوساگر (سنسار) میں گر جاتا ہے۔لیکن تمام راگ، (لگاو) دویش (نفرت) سے مکت اور اپنی اندریوں (حواس) کو سنیم (پرہیزگاری) کے ذریعے قابو میں کرنے کے قابل شخص بھگوان کی پورنڑکرپا حاصل کرسکتا ہے۔اس طرح سے کرشن بھاونا میں لگے ہوئے منشیہ کے لئے سنسار کے تینوں دکھ نشٹ ہو جاتے ہیں اور ایسی مطمئن چیتنا ہونے پر اس کی بدھی جلد ہی استھیر (قائم، مستحکم) ہو جاتی ہے۔ جو کرشن بھاؤنا مرت میں پرمیشور سے سمندھت (تعلق میں) نہیں ہے اس کی نہ تو بدھی دیویہ ہوتی ہے اور نہ ہی من استھیر ہوتا ہے، جس کے بناء شانتی کی کوئی امید نہیں

ہے۔ شانتی کے بناء سکھ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جس طرح تیز ہوا پانی میں تیرتی ناؤ کو دور بہا لیجاتی ہے۔ اسی طرح آوارہ اندریوں میں سے کوئی ایک جس پر من لگا رہتا ہے، منشیہ کی بدھی کو ہر لیتی ہے یا اڑا لیجاتی ہے۔ اس لئے اے مہابا ہو! جس پروش کی اندریاں اپنے اپنے وشیوں (محسوسات) سے سب طرح سے دور ہو کر اس کے قابو ہیں۔ اسی کی بدھی یقیناً قائم و مستحکم ہے۔ جو سب ہستیوں کے لئے رات ہے، وہ آتم سنیمی (فاتح نفس) کے جاگنے کا سمے ہے اور جو سب جیوؤں کے جاگنے کا سمے ہے، وہ آتم نرکشک (اندر دیکھنے والے) منی کے لئے رات ہے۔ جیسے سمندر میں تمام ندیاں گرنے سے سمندر پُرسکون رہتا ہے، ویسے ہی جو پروش خواہشات کے مسلسل بہاو سے پریشان نہیں ہوتا اور جو ہمیشہ قائم و مستحکم رہتا ہے، وہی پرم شانتی پراپت کر سکتا ہے، وہ نہیں جو ایسی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جس پروش نے اندریہ نرپتی (تسکین حواس) کی ساری خواہشات کو ترک کر دیا ہے، جو خواہشات سے رھیت (آزاد) رہتا ہے، اور جس نے ساری (ملکیت) تیاگ دی اور اھنکار (جھوٹی انا) سے رھیت ہے، وہی حقیقی شانتی کو پراپت

کرسکتا ہے۔ یہ آدھیاتمک (روحانی) اور ایشوریہ جیون کا راستہ ہے، جیسے پراپت کر کے منشیہ الجھتا نہیں ۔ اگر کوئی جیون کے انتم سمے (آخری وقت) میں بھی اس طرح قائم و مستحکم ہوتو وہ بھگود دھام میں داخل ہوسکتا ہے۔ (ادھیائے دوسرا)

جس شخص کے سب کرم اندی ترپتی (تسکین حواس) کی خواہشایت سے رھیت ہوتے ہیں، اسے پورنڑ گیانی سمجھا جاتا ہے۔ اسے ہی دادھو پروش ایسا کرم کرنے والا کہتے ہیں، جس نے پورنڑ گیان کی اگنی سے کرم پھلوں کو بھسم کردیا ہے۔ اپنے کرم پھلوں کو پوری طرح تیاگ کر ہمیشہ مطمئن اور آزادرہ کر وہ سبھی طرح کے کاریوں میں شامل رہ کر بھی کوئی سکام کرم (پھل دینے والے کرم) نہیں کرتا۔ ایسا گیان ءپروش جو من اور عقل کو مکمل طور پر کابو میں لاکر اپنے سارے عیش وآرام کو تیاگ دیتا ہے اور صرف شریر کو زندر کھنے کے لئے کرم کرتا ہے۔ اس طرح کا ریہ کرتا ہوا وہ پاپ روپی پھلوں سے پر بھاوت (متاثر) نہیں ہوتا ہے۔ میشیہ اسی شے پر قناعت کرتا ہے جو بغیر کوشش کے حاصل ہوجاتی ہے، جو وئی (خوشی اور غم، عزت ذلت، نفع نقصان وغیرہ) سے مکت ہے اور ارشیہ (حسد) نہیں کرتا جو

کامیابی اور ناکامی دونوں میں یکساں رہتا ہے، وہ کرم کرتا ہوا بھی کبھی بندھتا نہیں۔ جو پروش پر کرتی (مادی قدرت) کے گنڑوں سے لاتعلق ہے اور جو دیویہ (روحانی) گیان میں پوری طرح استھیت (قائم) ہے، اس کے سارے کرم برھم میں لین (ملنا) ہوجاتے ہیں۔ جو شخص کرشن آگہی میں پوری طرح لین رہتا ہے، اسے اپنے آدھیاتمک کرموں (روحانی کرموں) میں مصروف رہنے کی وجہ سے اوشیہ ہی بھگوت دھام کی پراپتی ہوتی ہے، کیونکہ اس میں ہون آدھیاتمک ہوتا ہے اور ہوی (جو چیز ہون میں نزر ہوتی ہے) بھی آدھیاتمک ہوتی ہے۔ کچھ یوگی مختلف قسم کے یگیوں کے ذریعے دیوتاوں کی بھلی بھانتی (اچھی طرح) پوجا کرتے ہیں اور کچھ برھم روپی اگنی میں آہوتی (ہون کی سامگری) ڈالتے ہیں۔ ان میں سے کچھ (سچے بھرمچاری) سروندرآدی کریاؤں (سننے کے طریقے) اور اندریوں کو ضبط نفس کی آگ میں قربان کردیتے ہیں اور دوسرے لوگ (گرھستھا) اندری وشیوں (حواس کی خوشی کی چیزوں) کو اندیوں کی آگ میں بھسم کردیتے ہیں۔ دوسرے جو من اور اندریوں کو قابو میں کرکے آتم شاکشاتکار (خودشناسی) کرنا چاہتے ہیں۔

سمپورنڑ اندریوں اور پرانڑ وایو کے کاریوں کو باضابطہ من روپی اگنی میں آہوتی (نزر) کردیتے ہیں۔ کٹھن ورت کرکے کچھ لوگ اپنے دھن سمپتی کا تیاگ کرکے کچھ کٹھن تپسیہ کے ذریعے تچھ استھانگ یوگ طریقے کے ابھیاس کے ذریعے اور دوسرے دیویہ گیان میں ترقی کرنے کے لئے ویدوں پر غور کرتے ہیں۔اور کچھ یوگی ایسے بھی ہیں جو سمادھی میں رہنے کے لئے سانس کو فوتے رہتے ہیں۔وہ اپانڑ وایو (داخل ہونے والی سانس) میں پرانڑ وایو (خارج ہونے والی سانس) کو اور پرانڑ وایو میں امانڑ وایو کو روکنے کا ابھیاس کرتے ہیں اور انت میں پرانڑ۔ اپانڑ کو روک کر سمادھی میں رہتے ہیں۔ دوسرے یوگی کم بھوجن کرکے پرانڑ وایو کی پرانڑ وایو میں ہی آہتی دیتے ہیں۔ یہ سبھی یگیہ کرنے والے یگیوں کا ارتھ (مطلب) جاننے کی وجہ سے پاپ کرموں سے مکت ہوجاتے ہیں اور یگیوں کے پھل روپی امرت کو چکھ کر پرم دیویہ آکاش کی طرف بڑھتے جاتے ہیں اے کروسریشٹھ! جب یگیہ کے بناء منشیہ اس لوک یا اس جیون میں ہی سکھ سے نہیں رہ سکتا تو پھر پرلوک میں کیسے رہ سکتا ہے۔ ویدوں میں ان تمام قسم کے یگیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جو مختلف قسم

کے کرموں سے پیدا ہوتے ہیں۔ انھیں اس روپ میں جاننے سے تم مکت وہجاؤ گے۔ اے پرنتپ (دشمنوں کو مغلوب کرنے والے)! درویہ یگیہ (دنیاوی چیزوں کے یگیہ) سے گیان یگیہ سریشٹھ ہے۔ اے پارتھ! دیویہ گیانسارے کرم یگیوں کی آخری حد ہے۔ تیم ست گرو کے پاس جا کر ستیہ (سچائی) کو جاننے کی کوشش کرو ان سے نمرتا سے پوچھو اور ان کی سیوا کرو۔ سئو روپ ویکتی تمھیں گیان پروان کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ابھوں نے ستیہ کا درشن کر لیا ہے۔ آتم گیانی ست گرو سے واستوک گیان (حقیقی علم) حاصل کر لینے پر تم کبھی اپنے موہ (لگاؤ) کو پراپت نہیں ہوگے کیونکہ اس گیان کی بدولت تم دیکھ سکو گے سبھی جیو پرماتما کے انش سئو روپ (حصے) ہیں، مطلب وہ سب میرے ہیں۔ اگر تمھیں سارے پاپیوں میں سب سے بڑا پاپی بھی سمجھا جائے، وہ بھی تم دیویہ گیان روپی ناؤ (کشتی) میں ساوار ہو کر دکھ ساگر (دکھی سنسار) کو پار کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ جس طرح جلتی ہوئی اگنی ایندھن کو بھسم کر دیتی ہے، اسی طرح اے ارجن! گیان روپی اگنی بھوتک کرمو (مادی کرموں) کے سارے پھلوں کو جلا ڈالتی ہے۔ اس سنسار میں دیویہ گیان کے جیسا

کچھ بھی پویتر نہیں ہے۔ ایدا گیان تمام یوگ کا پکا ہوا پھل ہے۔ جو انسان بھکتی میں سدھ (مستحکم) ہو جاتا ہے، وہ مانسب سمے پر اس گیان کا آنند لیتا ہے۔ جو شردھالو دیویہ گیان میں مگن ہے اور جس نے اندریوں (حواس) کو قابو میں کر لیا ہے۔ وہ اس گیان کو حاصل کرنے کا ادھیکاری ہے اور اسے حاصل کرتے ہی وہ فوراً آدھیاتمک (روحانی) شانتی کو پالیتا ہے۔ لیکن جو اگیانی اور شردھا کے بغیر ویکتی جو شاستروں پر شک کرتے ہیں اور بھگود بھاؤنہ مرت کو نہیں جانتے، ایسے شکی مزاج لوگوں کے لیے نہ تو اس لوک میں، نہ ہی پرلوک میں کوئی سکھ ہے۔ جو انسان اپنے کرم پھلوں کی خواہش کو چھوڑ کر بھکتی کرتا ہے اور جس کا شک دیویہ گیان کے ذریعے ختم ہو چکا ہے وہی حقیقت میں آتم پرایئڑ (آتما میں قائم) ہے۔ اے دھنجیہ! وہ کرم کے بندھن میں نہیں پھنستا ہے۔ اے بھرت پتر! تمھارے دل میں اگیان (جہالت) کی وجہ سے جو شک وشبہ پیدا ہو گیا ہے اسے گیان روپی شستر (ہتھیار) سے کاٹ ڈالو آتم یوگ سے ہتھیار بند ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور یودھ کرو۔ (ادھیائے چوتھا)

اِیلی

ایلیا۔اِیلا

سینٹ ہال چرچ برطانیہ کے مسٹر جے بی گلیڈون کہتے ہیں کہ نئی اور پرانی عبرانی زبان میں لفظ ایلیاء یا ایلی خدا یا اللہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے نجات دھندہ کا نام ہے جو کبھی مستقبل میں نمودار ہوگا اور ماضی میں بھی نمودار ہوتا رہا ہے۔

بحوالہ:

A note book on old and new testaments of Bible vol I page 428 - 427.

In the language of oldest and present Habrew the word Allia or Aillee is not in meaing of God or Allah, but this word is showing that in a next and last time of this world any one will be come nominated Allia or Aillee

St. Augustine. اپنی کتاب The city of God میں لکھتے ہیں

کہ:

1. Of those which a man of God spake by the spirit to Eli the priest signifying that the priesthood which had been appointed according to Aaram was to be taken away.
2. The old testament property,but figuratively to the New, signifying by the fact just what was said by the word to Eli the priest through the prophet.

And about the ninth hour Jesus caried with a loud voice saying, E`li, E`li, la`ma sabach`tha-ni?

MATTHEW 27 NEW TESTAMENT

پانڈو اور کوروں کی مشہور جنگ میں جب شری کرشن مہاراج کو روکیشتر کے میدان میں تشریف لاتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کے طرفدار تو محض مٹھی بھر ہیں مگر یہ پرستاران باطل کے ٹڈی دل لشکروں سے زمین اٹی پڑی ہے۔ اس منزل پر شری کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں کہ : یہ پرمیشور سنسار پرم آتما تجھے اپنی ذات کی قسم جو اکاش اور دھرتی کا جنم دن ہے اور اس کی قسم جو تیرے

پیارے کا پیارا پریتم کا پریتم ہے تجھے اس کا واسطہ جو ایلی ہے جو سنسار کے سب سے بڑے مندر میں کالے پتھر کے نزدیک اپنا چمتکار دکھلائے گا۔ وہ میری بنتی سن چھوٹے راکشو کو نشٹ کر اور سچوں کو فتح دے۔ اے ایشور ایلا ایلا ایلا۔ (رسالہ کرشن بنتی مولف پنڈت رام رھن صفحہ ۲۷ شائع کردہ ساگری پستکالیہ دہلی ۱۹۳۱ء)

اس عنوان پر مزید تفصیل کے لیے میری کتاب الرسالۃ العلمیہ فی الاخبار المصومینؑ کے باب ۱۵ ولایت امیر المومنینؑ صحفہ ۱۵۳ سے ۲۶۰ اور دوسری کتاب رومی اور اقبال در حکمت قرآن باب مرکزِ عشق ایلی ملاحظہ فرمائیں۔

مجھے اپنی تنہائی پر فخر ہے۔

میں جس مولائے کائناتؑ مظہر العجائبات کا بندہ حقیر ہوں وہ مولاؑ جو آج بھی تنہا ہے اور اپنی حیثیت میں ولایتِ مطلقہ و عقلِ کُل بن کر تمام ہستیوں کا خالق ہے۔ لیکن وہ خود مظلوم ترین ہیں اور اتنے تنہا کہ جب ظاہری طور دنیا کو نظر آ رہے تھے تو شبِ ضربت صرف بطخوں کو شعور تھا اور ان کا دامن پکڑ رہی تھیں لیکن انسان کو نہ کل ان کا شعور تھا نہ آج میں ان کا ایک بندہ حقیر ہوں اور اس دنیا میں بالکل تنہا لیکن تنہا صرف ان معنوں میں کہ مجھے کوئی سمجھ نہیں پایا میں کون ہوں، کیا ہوں، کیا کرنا چاہتا ہوں میرے اس باطنِ حقیقی کو صرف میرے مولاؑ جانتے ہیں یہ کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔

میرا محمدؐ و آلِ محمدؐ سے کیا توسل ہے وہ سب ظاہر ہو چکا ہے۔ مولائے کائناتؑ کے دیوان کو مرتب کرنا اور اس کا ترجمہ میرے بس کی بات نہیں تھی میری کتاب ''انوار القعول'' اس بات کا ثبوت ہے کہ میرا ولایت مطلقہ سے کیا توسل ہے۔

الرسالۃ العلمیہ فی اخبار المعصومینؑ اور بالخصوص فاطمہؑ

بنتِ محمدؐ اور باب اسرارِ ولایتِ مطلقہ یہ تمام سلسلے انسانی نہیں بلکہ بغیر حکمِ معصومؑ ممکن نہیں ہے اور جملہ تمام آسمانی کتبُ میرے ہاتھ پر گفتگو کرتی ہیں۔ جو ایک اہم دلیل ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں عجائبات ہیں اور مظہر العجائباتؑ کی عجائبات میں سے ایک عجب ہیں کیونکہ میں اپنی حیثیت میں کچھ نہیں۔ حضرت قنبرؑ کے غلاموں کی خاک بھی نہیں۔

تونے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کردیا
میں ھی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں۔

عمران لیاقت حسین

دیوان کامل
حضرت شاہ حسین لال شہباز
قلندرِ کبریا

دیوان کامل

حضرتِ شاہ حسین لال شہباز قلندرِ کبریا

جام مہر علی ز در دستم
بعد از جام خوردم مستم (بعد از جام خردام مستم)
کمر اندر قلندر بستم
از دل پاك حیدری ، هستم
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم
از مئے عشق شاه سر مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم
من بغیر از علی نه دانستم
علی اللّٰه از ازل گفتم

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

اسد اللّٰہ است ید اللّٰہ است
ولی اللّٰہ مظہر اللّٰہ است
حجت اللّٰہ قدرت اللّٰہ است
بے نظیر او ذات اللّٰہ است

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

.....

میں نے عشقِ علیؑ کی شراب اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اسکو پی کر میں مست ہوں (نوٹ) (بعداز جام خردام مستم) ایک نسخہ میں یہ مصرعہ اس طرح ہے کہ ''جس کے معنی یہ ہوئے کہ عقل وخرد سے آگے کی یہ مستی ہے جو عشق علیؑ کی شراب سے ملی ہے (مزاج قلندرآنہ) یعنی اب صرف اپنی ذات میں قلندر ہونے میں کمر بستہ ہوں دل کی پاکیزگیوں

کے ساتھ حیدری ہوں (نوٹ) علم عرفان میں حیدری کوئی معمولی لفظ نہیں جس سے آسانی سے گزرا جا سکتا ہے یعنی فنا فی المعصوم...وجود میں بوئے اسداللّٰہی کا پیدا ہونا بقول اقبال:

دارا و سکندر سے وہ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسدؑ اللّٰہی!

یعنی واضح ہوا جو حیدری ہے قلندری ہے اس کا رب علیؑ ہے اور وہ بندہ علیؑ ہے....

یعنی حیدری ہوں قلندر ہوں اور علی مرتضیٰؑ کا بندہ ہوں نوٹ قلندر کبریا کے دیوان کے ترجمے کے ساتھ ساتھ حیدری قلندری اور بندگی علیؑ کے راز حقیقی کھلتے چلے جائیں گے شرط یہ ہے کہ اس ترجمہ کا بغور مطالعہ کیا جائے....

میں عشق علیؑ کی شراب سے مست و فنا ہو چکا ہوں اور صرف اور صرف میں بندہ علیؑ مرتضیٰ ہوں اور کچھ نہیں (نوٹ) یعنی واضح ہوا کہ عشق مولا علیؑ کی مستی اپنی ذات کی نفی کا نام ہے یعنی اس مستی کے بعد صرف

مولا علیؑ کی بندگی ہے .اور اس منزل پر میں غیر علیؑ کو پکار ہی نہیں سکتا ہوں یعنی میں مولا علیؑ کے علاوہ کچھ جانتا ہی نہیں ہوں .اور ازل سے علیؑ اللہ ہی کہتا ہوں کیونکہ حیدری ہوں قلندر ہوں اور علیؑ مرتضیٰ کا بندہ ہوں (نوٹ) علی اللہ کی عارفانہ توضیح اور تشریح مولانا رومؒ کے کلام کے ترجمے میں وضاحت کے ساتھ آئے گی..مولا علیؑ اللہ کا شیر اور اللہ کا ہاتھ ہیں ولی اللہ ہیں یعنی اللہ کا مظہر ہیں. حجت اللہ اور قدرت اللہ ہیں....یعنی بے نظیر ہوئی ذاتِ اللہ (نوٹ) : یعنی اللہ کی قدرت اور اس کی کل صفات کے ظہور کو مولا علیؑ کہتے ہیں..... اس لئے اس معرفت کے ساتھ حیدری ہوں قلندر ہوں اور علی مرتضیٰؑ کا بندہ ہوں...

شاہ اقلیم اھل اتیٰ خوانم
مالک تخت کل کفیٰ خوانم
صاحب سیف لا فتحیٰ خوانم
والی تاج انما خوانم

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

مولائے کائنات قلندر کے نزدیک تاجدارِ ہل اتی میں....قل کفٰی کے تخت کے مالک ہیں الہیٰ تلوار ہیں جو منزل لافتحی.....ہے وہ تو انما کے شہنشاہ ہیں اب ہم قل کفٰی، ہل اتی، لافتحی، انما کی توضیح تشریح کرتے ہیں.....

قل کفٰی...اہل اتی.....انما الفاظ قرآنی ہیں..یہ وہ آیات مبارکہ ہیں جو مولا علیؑ کی شان میں نازل ہوئیں ہیں یعنی قلندر کبریا نے قل کفٰی.....انما.....ہل اتی کے حوالے سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ مولائے کائنات ام الکتاب...علی حکیم.....خبیر بصیر ہیں اور تخلیق موجودات اور اللہ و رسالت کی گواہی دینے والے ہیں....

انما کی منزل میں اللہ کی صفت ولایت کو مولا علیؑ کی صفت قرار دیا ہے کیونکہ رسالت اللہ کی صفت نہیں ولایت اللہ کی صفت ہے اور دوسری

طرف انما کی منزل پر چادر تطہیر کے حوالے سے امت کے رجس کو پاک کرنے کی گفتگو کی گئی جس کی مکمل تفصیل درجہ ذیل ہے.....

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

'' کہدو میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے واسطے اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم کافی ہے'' ۴۳ (سورہ الرعد ۱۳)

ھل اَتیٰ تاجدارِ ھل اَتیٰ

سورہ انسان میں جہاں ملائیکہ نے یتیم اور مسکین کے بھیس میں خیرات درِ بتولؑ پر طلب کی وہاں صرف پانچ روٹیاں نہیں دی گئیں بلکہ چھ روٹیاں دی گئیں جس میں ایک حضرت فضہؑ کی بھی تھی.....اس لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہوا.....

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا

''وہ اُس کی محبت میں یتیم، محتاج اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں''..

(سورہ انسان ۷۶)

لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ سے دی گئیں

روٹیاں (ملائیکہ) پھینک تو سکتے نہیں تھے اور کھا بھی نہیں سکتے تھے کیوں کہ حقیقتاً وہ انسان نہیں تھے فرشتے تھے تو سوال یہ ہے کہ وہ روٹیاں گئیں کہاں؟...

مولائے کائناتؑ کے گھر سے مساوات کے بجائے سلوک کا سلسلہ چلا مساوات یہ ہے کہ سب برابر سے کھائیں اور سلوک یہ کہ ہم بھوکے رہیں تم کھاؤ.....

یعنی مولا علی گواہ ہیں اللہ اور رسولؐ کے درمیان جو ناطق کتاب ہیں..

حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۴

سورہ الزخرف ۴۳

حٰمٓ قسم اور کتاب مبین کی قسم ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم میں سمجھ پیدا اور سب کچھ ام الکتاب میں ہے جو کتاب کی ماں ہے اور علی حکیم ہیں (علی حکمت پر فائز ہیں).

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۵۸ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۵۹

سورہ فرقان ۲۵

ترجمہ: ”توکل کرو اس پر حیّ جسے موت نہیں آتی اور اس کی حمد و ثنا تسبیح پڑھو وہ بندوں کے گناہوں سے واقف ہے کیونکہ خبیر جس آسمان و زمین چھ دنوں بنائے بعد عرش بنایا وہ بڑا مہربان ہے اس کا حال خبیر سے پوچھ لو“.....

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۹۶ سورہ بنی اسرائیل ۱۷

ترجمہ: ”کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے واسطے کوئی صرف اُس خبیر و بصیر

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۳۳ سورہ لاحزاب ۳۳

ترجمہ: ''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ اھل بیتؑ کے وسیلے سے تو پاک و پاکیزہ رکھے...

عربی کا قاعدہ ہے کہ بعض اوقات ''ب'' حرف جر حذف کر دیا جاتا ہے، پس یہاں بھی با اھل بیتؑ مقصود ہے، 'ب'' اس لئے حذف کی گئی کہ حقیقت پر حجاب ہو جائے اصل مقصد تو یہ ہے کہ اللہ تو بس یہی ارادہ کرتا ہے کہ تم سے (مخلوق سے) رجس اور نجاست باطن اور غفلت ولاشعوری کے حجاب ہائے کثیف کو اہل بیتؑ کے ذریعے دور کرے اور پاک کرے تم کو جو حق ہے پاکیزگی کا، دراصل یہ خطاب مخلوق کی طرف ہے مگر چونکہ عوام الناس اس کا بار نہیں اٹھا سکتی، لہذا اس پر حجاب ڈالنا ضروری تھا، اور اسی ظاہری مفہوم کو تقیتاً احادیث میں ظاہر کیا گیا ہے جب کہ احادیث اور آیات قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ احقاق حق اور تزکیہ اور طہارت مخلوق کا ذریعہ اور واسطہ اہل بیتؑ ہی ہیں. تو پھر اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ آیت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ اہل بیتؑ کے ذریعے پاک کرے اور اس کا عملی ثبوت بھی دنیا پر

روشن ہے کہ نجاسات وہوئ و ہوس، بندگی نفس اور معبودان باطل جذبات ہوئ سے نجات دلانے کا ذریعہ اور لا اللہ عملی طور سے کہلوانے کا ذریعہ اہل بیتؑ ہی ہیں.....

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۵۵ سورہ مائدۃ ۵

ترجمہ: ''تمہارا ولی اللہ تمہارا ولی رسولؐ اور وہ ایمان والا جو صلوۃ کے قیام کے دوران حالتِ رکوع میں زکوۃ دیتا ہے....'' یعنی مولا علیؑ کا حالتِ رکوع میں زکوۃ دینا....

ان چہ در وصف مرتضیٰ گفتم
سِر اسرار برملا گفتم
حرف حق است برشما گفتم
ہمہ از قول مصطفیٰ گفتم
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم

جو کچھ میں نے شان علیؑ مرتضٰی بیان کی ہے وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰؐ کا فرمان ہے...

(نوٹ) سورہ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اے رسول آپ جو کہتے ہیں وہ وحی ہے۔ یعنی اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے یعنی فرمان رسول خداؐ فرمانِ اللہ ہے...

اگلے دو اشعار میں قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کہا حرف حق ہے اور میں نے اسرار حق کو برملا کہا ہے....

اسی لئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اُٹھتے ہیں حجاب آخر
"تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

اسلئے میں اسرار حق کو برملا کہہ دیتا ہوں کیونکہ حیدری ہوں قلندر ہوں مستم ہوں اور علیؑ مرتضٰی کا بندہ ہوں...

در پئے مدح شاہ می پویم
جز علی دیگر ے نمی جویم
من علی دانم علی گویم
چوں نصیری کہ بندہ اویم

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضےٰ علی ھستم

وصی مصطفےٰ علی ھست بگو
بخدا راھنما علی ھست بگو
سرور اولیا علی ھست بگو
نور ایمان ما علی ھست بگو

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضےٰ علی ھستم

آں علی است ساقیء کوثر
آں علی قاسم نعیم و سقر

آں علی حاکم قضا و قدر
قنبرش رامنم ز جان قنبر

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

مدحتِ عشقِ علیؑ میں ہی صرف دم بھرتا ہوں غیر علیؑ سے مجھے کیا کام صرف علیؑ علیؑ کرنا جانتا ہوں اور ان کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا صرف عشقِ علیؑ میں مست ہوں اسی لئے میں بھی نصیری کے رب کا بندہ ہوں کیونکہ حیدری ہوں قلندر ہوں مست ہوں علیؑ مرتضیٰ کا بندہ ہوں... مولا علیؑ ہی حقیقی جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں

(نوٹ) **من کنت مولا فھذا علی مولاؑ** کی طرف اشارہ جس جس کا میں مولاؑ اس کا یہ علیؑ مولا ہے.....

قلندر کبریا نے اس سے پہلے بند میں یہ بات واضح کردی ہے کہ رسولؐ اپنی مرضی سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ قول رسولؐ ہی قول اللہ ہے اس لئے میں جو کچھ قلندر نامہ میں بیان کر رہا ہوں وہ قول رسولؐ ہے اس لئے

مولا علی حقیقی جانشین پیغمبرؐ ہیں۔ مولا علیؑ کی ولایت پر ایمان اطاعت حکم رسولؐ ہے. جو خم غدیر کے مقام پر تمام مسلمانوں کو دیا گیا تھا.....

کہو کہ وصی مصطفیٰؐ علیؑ ہیں. خدا کی قسم مولا علیؑ ہی رہبر حقیقی ہیں. کہو خاتم ولایت اور تمام اولیاء کے سردار ہیں...

جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا کہ رسالت اللہ کی صفت نہیں ہے ولایت اللہ کی صفت ہے. اور اللہ کی قدرت وصفات کا ظہور اس کی ولایت مطلقہ میں ہے جسے مولا علیؑ کہتے ہیں بغیر ولایت کے رسالت صاحب تصرف نہیں ہوسکتی اس لئے ہر رسول اور پیغمبر کا ولی ہونا ضروری ہے تا کہ وہ صاحب تصرف ہو اس لئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں مولا علیؑ کی ولایت کے متعلق ''افتخارِ ہر نبی و ہر ولی'' مولا علیؑ ہر نبی اور ہر ولی کا افتخار ہیں اس لئے تمام نبی و رسولؐ ولی ہیں اور ان سب کے سردار علیؑ ہیں....

اس لئے کہو کہ نور ایمان ہی ہمارا مولا علیؑ ہیں اور کیوں نہ ہو جب کُل ایمان کی معرفت ہوگی تو نور ایمان کی شمع دل میں جلے گی.....

جناب مولا علیؑ ساقیِ کوثر ہیں.

کلام کے ابتدا میں قلندر کبریا نے عشق علیؑ کی شراب کی گفتگو کی اور شراب عشق میں وہ مستی ہے جس کا ادراک عقل و شعور سے ماورا ہے وہ عاشق جو مولا علیؑ کے عشق میں فنا ہو گیا اس مستی میں اس پر آبِ کوثر آشکار ہو گئی..

مولا علیؑ حاکم قضا و قدر ہیں.

بے شک ولایت صاحب تصرف ہے اور مولا موت و حیات اور جو مخلوقات ہیں ان کے بھی خالق ہیں اور بالخصوص قضا و قدر پر قدرت رکھتے ہیں اس کی وضاحت کے لئے میری کتاب خطبۃ البیان فی اسرارِ ولایت مطلقہ کا مطالعہ کیجئے. جو کشکول میں شامل ہے.

خطبۃ البیان میں مولاؑ فرماتے ہیں کہ میں بار بار آنے والا ہوں میں ہی خالق ہوں میں ہی آدمؑ ...عیسیٰؑ ...ابراہیمؑ ہوں اور میں ہی کتاب مسطور، لوح محفوظ، صاحبِ طور ہوں اس کی وضاحت مزید ہم مولانا رومؒ کے کلام کے ترجمے میں کریں گے کیوں کہ ولایت کے اس انداز کو

ولائے تصرف بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا عقل مطلقہ خالق موجودات ہے اور عقل مطلقہ کو ہی ولایت مطلقہ کہا جاتا ہے اور ہم فقراء و درویش مولا علیؑ کی ولایت کو ولایت مطلقہ کہتے ہیں اس پر یقین کامل رکھتے ہیں اس لئے آپ اس کتاب ''کشکول'' میں دیکھیں گے کہ ہر ولی قطب، ابدال، بالخصوص قلندر کبریا مولا علیؑ کی ولایت مطلقہ پر سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔۔ جو مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں سنی اور بالخصوص شیعہ کو قبول نہیں ہے۔۔

آں علیؑ قاسم نعیم و سقر

وہ علیؑ جو قاسم بہشت و سقر ہیں

لیکن ایک نسخہ میں یہ مصرعہ اس طرح لکھا گیا

آں علیؑ قائم نعیم و نصیر

مولا علیؑ ہر وجود کی مدد و دستگیر کرنے والے ہیں

میں حضرت قنبر کے قلب سے خود قنبر بن گیا ہو یا یوں کہیں کہ قلب قنبر میں فنا ہو گیا ہوں۔ کیونکہ مولاؑ کے در کے پہلے چار قلندر....

حضرت سلمان فارسیؓ... حضرت قنبرؓ... حضرت ابوذرؓ.. حضرت یاسر عمارؓ ہیں اس لئے قلندر کبریا اپنی قلندری کو ان کی قلندری سے متصل و منفصل کر کے فرما رہے ہیں کہ قنبرؓ اور میرا قلب ایک ہی ہیں.....

اس لئے میں حیدری ہوں قلندر ہوں مست ہوں اور علیؑ مرتضٰی کا بندہ ہوں...

نوٹ: کچھ نسخوں میں شعر اس طرح ہیں..

سرور هر که انبیاء باشد

جبکہ شعر اس طرح بھی ہے کہ

سرور هر که مرتضیٰؑ باشد

سرور هر که مرتضیٰؑ باشد
پیروئے دین مصطفیٰؐ باشد
بے شک او شخص اولیاء باشد
در او نام مرتضیٰؑ باشد

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰؑ علی ھستم
پیر من شاہ من اللّٰہ من است
نور ایمان حب شاہ من است(نورونورِ کبریادانم)
از لطف کرم پناہ من است(نورچوں ازخودچرادانم)
صادقم شاہ من گواہ من است
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰؑ علی ھستم
روئتش روئتی خدا دانم
نور چوں از خود خدا دانم
ذات پاکش جدا نمی دانم
رتبئہ ذات مصطفیٰؐ دانم
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰؑ علی ھستم

غیر حیدر اگر همی دانی
کافر است و یهودی و نصرانی
هست ایمان علی نمی دانی (بہشتِ ایمان علی ہمیدانی)
مپذیر که این مسلمانی

حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰؑ علی هستم

جن کے رہبر صرف انبیائے کرام ہیں
جن کے رہبر صرف مرتضیٰؑ ہیں

ان سب افراد کے لئے دین مصطفیٰؐ کی پیروی ضروری اور لازمی ہے اور دین مصطفیٰؐ کی پیروی کیا ہے صرف مولا علیؑ کے نام کا وردِ مسلسل اور واقعی بے شک وہ ولی ہے جو صرف مولا علیؑ کے نام کا ورد کرتا ہے یعنی ولی بن گئے یا علیؑ کہنے والے اس لئے میں حیدری ہوں قلندر ہوں مست ہوں کہ میرا ورد صرف یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ ہے اور کیوں نہ ہو میں علی مرتضیٰؑ کا بندہ ہوں اور میرے رب علی مرتضیٰؑ ہیں بات واضح ہوئی

کہ اولیاء کرام، قطب ابدال، عارفین کا ورد صرف یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ ہے اس لئے قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ میں اس ورد میں فنا ہوں اس کے غیر سے مجھے کیا واسطہ میرا شاہ، میرا پیر، میرا اللہ مولائے کائنات مولا علیؑ ہیں اسی لئے نور ایمان ہی صرف عشق مولا علیؑ ہے اور مولا علیؑ کا لطف کرم مجھ کو اپنی پناہ میں لیا ہوا ہے. میں سچ کہہ رہا ہوں میری صداقت کی گواہی میرا شاہ، میرا مولا علیؑ دے رہا ہے. اس لئے میں حیدری ہو، قلندر ہو، مست ہو اور علی مرتضیٰؑ کا بندہ ہوں. یعنی واضح ہوا کہ مولاؑ کی ولایت میں ہی تمام چیزیں ہیں ان کی ولایت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے یعنی مولا میں اللہ اور اللہ میں مولا ہے اس کی وضاحت بھی ہم مولانا رومؒ کے کلام کے ترجمے میں واضح طور پر کریں گے مولا علیؑ کا دیدار ہی خدا کا دیدار ہے اور ان کا نور ہی نورِ خدا ہے کیوں کہ ان کی ذات پاک خدا سے جدا نہیں ہے. یہ وہ سمجھ سکتا ہے جو مرتبہ ذات مبارکہ محمد مصطفیٰؐ کو جانتا ہے کیوں کہ مولا علیؑ اور ذات مصطفیٰؐ جدا نہیں ہیں. اس لیے میں حیدری ہو قلندر ہو اور علیؑ مرتضیٰؑ کا

بندہ ہوں... جو حیدر کا در چھوڑ کر غیر کی طرف رجوع ہوتا ہے وہ کافر، یہودی، نصرانی سے بدتر ہے ایسے مسلمان کا کیا فائدہ جو مولا علی کو دلیل ایمان اور بنیادِ ایمان و دین نہیں سمجھتا ایسے مسلمان کا کوئی فائدہ نہیں....

چہادہ تن شفیع عصیانم
مہر شاہ است دین ایمانم
غیر از این چہادہ نمی دانم
مدح شاہ روز و شب ہمی خوانم

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم

حضرت سیدۃ النساء زہراؑ
آں عزو یافت عصمت و تقویٰ
ہست معصومہ او بہ نزد خدا
میکنم لعن بر دشمناں اورا

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

مرتضیٰؑ شیریزداں ھست علیؑ
شاہ اعلے آں ولایت آں ھست علیؑ
حضرت حسنؑ حسینؑ جانِ ھست علیؑ
ھر دو عالم کرد نام وشناس ھست علیؑ

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

چہاردہ معصومینؑ میری شفاعت کرنے والے یعنی کُل گناہگاروں کی، میرا دین وایمان انہی کی شہنشایت کے درمیان قائم ہے اور میرے دین وایمان کا مبین ثبوت ہی ان کی الفت ہے محبت ہے ان کے علاوہ میں کسی غیر کو نہیں جانتا یعنی چہاردہ معصومینؑ کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا. اور میں شب و روز ان کی مدح خوانی کرتا ہوں یہی میرا معمول زندگی ہے کیوں میں حیدری ہوں قلندر ہوں مست ہوں علی المرتضیٰؑ کا

بندہ ہوں.....

(حضرت سیدۃ النساءؑ زھرا) حضرت فاطمہؑ سیدۃ النساء العالمین زھرا جو تقوے اور عصمت میں صرف بلندی کا پیکر ہی نہیں بلکہ تقویٰ اور عصمت کو اس کا رزق دینے والے ہیں. اور یہ نزدیک خدا وہ معصومہ ہیں اور میں ان کے دشمنوں پر لعنت بھیجتا ہوں... اس لئے حیدری ہوں قلندر ہوں مست ہوں علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

(نوٹ) حضرت فاطمہؑ کے دشمنوں سے مراد اور ان پر لعنت بھیجنا، میں نے اپنی کتاب فاطمہؑ بنتِ محمدؐ میں بعنوان ''حضرت فاطمہؑ کا حزن'' میں تحریر کیا ہے

صُبَّت علیَ مَصائِب'' لَوْ اَنَّھا
صُبَّت علی الْاَیامِ صِدنَ لَیَا لَھا

حضرت فاطمہؑ بنتِ محمد ﷺ کو رسولؐ کے دنیا سے ظاہری طور پر جانے کے بعد کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا.....

آپ کا یہ معروف شعر جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ:.....

آپ محمد ﷺ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے.....

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب رسول رحمت کے حوالہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ جنابِ فاطمہؑ پر مصیبتیں پڑی اور جس کی سب سے اہم مثالیں مقدمہ باغ فدک اور ان کے گھر کو نظر آتش کرنا ہے. رسولؐ اللہ کی دو اہم احادیث

فَاطِمَةُ بضعة منّی فمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبنیْ

ترجمہ.... حضرت محمد ﷺ نے فرمایا جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اُس نے مجھ کو غضبناک کیا... فاطمہؑ میرے وجود کا حصہ ہیں....

(بحوالہ)
صحیح بخاری جلد دوئم
(کتاب المناقب)

اَنَّ اللّٰہ عزّوجلَ یَغْضِبُ لغَضِبُ فَاطِمَةَ وَ یَرْضیٰ لرِضا ھا..

ترجمہ..... حضرت محمد ﷺ نے فرمایا اے فاطمہؑ اللہ تیرے غضب سے

غضبناک ہوتا ہے اور تیری رضا سے راضی ہوتا ہے.....

(بحوالہ)

کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۹

اس لئے ہم نے پچھلے کلام میں قلندر کبریا کی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ میں اپنی مرضی کسے کچھ نہیں کہتا قول رسولؐ خدا کو عام کرتا ہوں. اور قول رسولؐ ہی قولِ خدا ہے. یہاں تو قلندر صرف دشمنانِ فاطمہؑ زھرا پر لعنت کر رہے ہیں. جبکہ حدیث مبارکہ کے مطابق دشمنانِ فاطمہؑ زھرا پر غضب الٰہی مسلسل رہتا ہے اسی لئے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ ''غضبِ فاطمہؑ غضبِ اللہ اور رضایتِ فاطمہؑ رضائے اللہ ہے''....

مولائے کائناتؑ کی ولایت اتنی اعلیٰ و بلند ہے کہ اسکی ایک صفتِ شیر یزداں ہے اسی لئے مرتضیٰ شیر یزداں علیؑ ہے..

اعلیٰ ترین شہنشاہ کی ولایت کا نام علیؑ ہے

حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ مولائے کائناتؑ کے وجود کا حصہ ہیں اور دونوں عالم میں مولائے کائناتؑ کی ولایتِ مطلقہ کا سلسلہ ہیں.....

نور تابان مہر شاہ نجف
حسنؑ المجتبیٰ بود اشرف
نیست باقی سراز خوف تلف
دامن او بود و در کف
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم
گوہر شاہسوار ابن علیؑ
گشت زاد روشنی خفی و جلی
شاہ شاہان حسینؑ ابن علیؑ
گردن دشمنش زنم ازلی
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم
نور چشم شہید کربلا
عابدینؑ شاہ راضی رضا بقضا

هر که ظالم بود آل العبا
لعن خصمش کنم به صبح و شام
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

مولائے کائنات شاہِ نجف نور کی انتہاہ کا نام ہے اور اُس نورِ تاباں کے اشرف حضرت حسنؑ المجتبیٰؑ ہیں.... مجھے اب کسی قسم کا خوف وڈر نہیں ہے کیونکہ میں نے اُن کا دامن پکڑ لیا ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں اور علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں.....

شاہ سواروں کے گوھر ہیں ابن علیؑ اور یہ شاہ سوار جو نور پھیلا رہے ہیں وہ نور وہ روشنی خفی وجلی ہے کہیں وہ ظاہر ہے کہیں وہ پوشیدہ ہے شہنشاہوں کے شہنشاہ حسینؑ ابن علیؑ کے دشمنوں نے اُن کو ذبح کر دیا لیکن ازل سے ابد تک ان کے دشمنوں کی گردنیں کاٹتا رہوں گا.... اس لیئے حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں.....

شہیدِ کربلا کی آنکھوں کے نور ہیں اور جو عابدین کے شاہ ہیں یعنی امام

زین العابدینؑ جو راضی ہیں اس کی رضا و قضا میں ہر وہ شخص ظالم ہے جو دشمنِ آلِ عبا ہے ایسے ظالم پر میں صبح و شام لعنت کرتا ہوں کیونکہ حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں اور علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں.

آں نبی صورت علی افعال
باقر و دین پناہ نیک خصال
ناطق نطق ایزد متصال
دلم از مہر اوست مالا مال
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم

حضرت امام باقرؑ جو شبیہ پیغمبرؐ ہیں جن کی صورت نبی کی اور افعال مولا علیؑ کے ہیں.. ان کی نیک اور پاکیزہ فضائل و خصال میں دین ان کی پناہ میں آ گیا ہے. کیونکہ وہ ناطق ہیں نطق اللہ ہیں اور یزداں سے متصل ہیں دل میرا ان کی محبت سے مالا مال ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

وارث دین پاک پیغمبر
مذهب شریعت صادق جعفر
واقف رازق خالق اکبر
هست تشبیح شان پیغمبر
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

حضرت امام جعفر صادقؑ وارثِ دین پاک پیغمبرؐ یعنی مذہب شریعت کا نام جعفر صادقؑ ہے جو واقف ہیں خالقِ اکبر کے راز سے اور ان کی شانِ پیغمبرؐ کی شان سے تشبیح ہے یعنی ان کی مثال شانِ پیغمبرؐ ہے۔ اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

موسیٰ کاظم است امام بحق
هست اسلام راغرور و رونق
دشمن اوست کافر مطلق

بشنو خارجی سگ واحمق
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ امامِ برحق ہیں ان کے دم سے ہی اسلام کی حقیقی رونقیں اور جاہ وجلال قائم ہیں ان کا دشمن کافر مطلق ہے سن خارجی احمق کتے .اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

شاہ دین رضا علی است بگو
وصی نفس مصطفیٰ است بگو
بلکہ خود علی است مصطفیٰ بگو
خصم او دشمن خدا است بگو
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

کہواے لوگو امام علی رضاؑ شاہِ دین ہیں وہ نفسِ مصطفیٰؐ یعنی مولائے

کائنات کے وصی ہیں بلکہ یہ کہو وہ خود علیؑ اور مصطفیٰؐ ہیں اور یہ کہو ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

از تقی یاد صبح و شام کنم
تقوی آں تقی امام کنم
فیض او بہر خاص و عام کنم
لعن بر دشمناں مدام کنم
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضے علی ہستم

حضرت امام تقی جوادؑ کی یاد میں صبح و شام گزرتے ہیں امام تقی زھد و تقوی کے امام ہیں ان کا فیض ہر خاص و عام پر جاری ہے میں ان کے دشمنوں پر ہمیشہ لعنت کرتا ہوں اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

قبله دین من علی نقی
پاك و معصوم هست شان علی
مهر است مهر دین نبی
کشته' اموائے اولعینی و شقی
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

میرے دین کا قبلہ ہیں میرے حضرت امام نقیؑ وہ پاک و معصوم ہستی ہیں اور شانِ علیؑ رکھتے ہیں ان کی مہر نورِ دین ہے مہر نبیؐ ہے اور لعنت ہو ان کے شقی اور لعین قاتل پر لعنت ہو اُن کے کُل دشمنوں پر اس لئے کہ میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

حسن العسکری بمثل حسن
انس و جان را امام شاه زمن
خلق او بود چوں نبی احسن
حاسدش را منم عیاں دشمن

حیدریم قلندرم مستم

بندہ مرتضیٰ علی ھستم

حضرت امام حسن عسکریؑ بمثلِ امام حسن المجتبیٰؑ ہیں اور جن وانس کے امام شاہِ زمن ہیں یعنی وہ جن وانس کے امام ہیں۔ خلقت پر یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان ہیں ان سے حسد اور ان سے بغض رکھنے والوں کا میں دشمنِ ظاہر ہوں. اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

باصفات علی ابن ابی طالب

مہدی و ھادی شه و غالب

حب او شہنشاہ برھمه واجب

برظہورش منم زجان و قلب

حیدریم قلندرم مستم

بندہ مرتضیٰ علی ھستم

باده مهر انوری زده ام
سکتهٔ ضرب قنبری زده ام
جام لبریز حیدری زده ام
گوش دین پیغمبری زده ام
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

قائم آل مصطفیٰ مهدی
قاتل خصم مرتضیٰ مهدی
بخدا است امام ما مهدی
چون علی مظهر خدا مهدی
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

سر گروه تمام رندانم
رهبری عاشقانِ مستانم (رهبر سالکم عارفانم)

هادی مالکانِ عرفانم(هادی عاشقانم مستانم)
که سگ کوئے شیر یزدانم
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم
چون به اعدائے کمر هستم
تبر مومن است در دستم (تبر حیدری است در دستم)
قاتل آں جمیع من هستم
ضرب لعنت زنم زبردستم(ضرب لعنت زدم زبردستم)
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

کُل صفاتِ مولائے کائنات کی مہدی و ہادی پر غالب ہیں اس لئے اس شہنشاہ کی حب ہم سب پر واجب ہے اوران کا ظہور میری جان اور قلب میں ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰ کا بندہ ہوں....

نوٹ: سرکار مہدی وہادی میں مولائے کائنات کی کل صفات کا ظہور ہے اس لئے ان کی محبت ہم سب پر واجب ہے اور ان کا ظہور میری جان اور قلب میں ہے۔

ہوائے نورانیہ کی زد میں ہوں۔ سکتائے نفس ضرب قنبری کی زد میں ہے۔ میرا جام جو چھلک رہا ہے وہ حیدری کی زد میں ہے اور میرے کان دینِ پیغمبری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زد میں ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

نوٹ: قلندر کبریا فرماتے ہیں میں انوارِ معرفت میں فنا ہو گیا ہوں نفس کو ضربِ قنبری نے توڑ دیا ہے شراب عشقِ مولا علیؑ چھلک رہی ہے اور کانون میں دینِ پیغمبریؐ کی صدایں آ رہی ہیں کیوں نہ ہوں کیونکہ میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں.... قائم آل محمدؐ مہدیؑ ہیں مولا علیؑ کے قاتل کے دشمن مہدیؑ ہیں۔ خدا کی قسم میرے امام مہدیؑ ہیں جو علیؑ مظہر خدا ہیں وہ مہدی ہیں..

(نوٹ) مولائے کائنات خطبہ البیان میں فرماتے ہیں کہ میرا ہی

ظہور امام زمانہ کا ظہور ہے اور میں ہی مہدی آخر زماں ہوں. قلندر کبریا نے اس میں اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ مولا علیؑ مظہر خدا ہیں اور مولا علیؑ کا ظہور ہی مہدیؑ دوراں کا ظہور ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

مولائے کائنات کُل عاشقان اور رندوں کے رہبر ہیں وہ تمام عارفین، سالکین اور عاشقوں کے مولا اور ہادی ہیں اس لئے میں شیر یزداں کی گلی کا کتا ہوں. کیونکہ میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

لہذا میں مولائے کائنات کے کُل دشمنوں کا خاتمہ کرتا ہوں تلوارِ حیدری میرے ہاتھوں میں ہے ان کے جو قاتل ہیں وہ میرے قاتل ہیں اس لئے میں لعنت کی ضرب زبردست ان پر مارتا ہوں کیونکہ میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

(نوٹ) کیونکہ میں اعدائے دین کے لئے کمر باندھ چکا ہوں میرے دل میں ان کے لئے بہت نفرت ہے میں ان تمام لعنتیوں کا

قاتل ہو. میرے پاس ان کے لئے ہر وقت لعنت ہے.....

من مسلمانم علی دانم
در تولا بصدق و ایمانم
در تبرا چوں تیغ و عریانم
بر عدوئے ذوالفقار میرانم
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

حرمت اھلبیت رحمت باد
لعنت حق بہ قوم ملعون باد(لعنت حق برسر ملعون باد)
سگ یزید جہاں بود برباد(لعنت گفت آنکہ از جلال نژاد)
این از او برفت در سقرافتاد(لعن آھنا کنم شدم آزادم)
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

بروائے خارجی خر و احمق
پیش من هیچ مکن بق بق
بشنوائے خارجی جاهل مطلق
پیر من مرتضیٰ علیؑ است برحق (بشنوائے خارجی خرمطلق)

حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم
قنبرش کمتریں شاه ذوالفقار من
باك از خارجی نه دارم من
چوں نصیری که نام دارم من
علی اللّٰه آشکارم من

حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

میرے نزدیک مسلمان صرف وہ ہے جو مولائے کائنات کو مانتے ہیں
میرے ایمان کی سچائی اور صداقت یہ ہے کہ وہ آپ کے تولا سے پُر

ہے. یعنی سچائی اور ایمان کی علامت مولا علیؑ سے محبت ہے میں تبرے کی وہ ننگی تلوار ہوں جو منافقوں پر اور مولا کے دشمنوں پر پڑتی ہے بلکہ یوں کہیے کہ میں مولا کے دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی ذولفقار ہوں. اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

حرمتِ اہلبیتؑ رحمت ہے ان کے دشمنوں پر جو ملعون ہیں اُن پر لعنت بھیجنا حق ہے اور ان پر لعنت بے شمار ہے ان پر لعنت بھیجنا ہی میرا اصل کام ہے (یزید ایک کتا ہے اس کے لئے یہ دنیا برباد ہے اور دنیا سے اٹھا کر جہنم کے آخری کونے میں پھینک دیا جائیگا) اہلبیت کے کل دشمنان پر لعنت کرتے ہیں میں آزاد ہوں اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

خارجی کتے اور گدے پروائے ہو.. اے ہیچ گو خارجی زیادہ بق بق نہ کر چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تو جاہل مطلق ہے میرا پیر علی المرتضیٰؑ ہے جو برحق ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں،

مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

میں اپنی حیثیت میں مولائے کائنات کا قنبر ہوں اور مولائے کائنات کی ذوالفقار ہوں خارجی سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ مولا کے غیر کو جانتا ہوں فقط نصیری کو جانتا ہوں کیونکہ علیؑ اللہ مجھ پر آشکار ہو چکا ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

ابن ملجم شد از نفاق خراب
خائن ابن زیاد است ابن خطاب
شمر ملعون به فرو بحر عذاب
میکنم لعن این چهارم بار ثواب

حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم

دو صدو سی یک منافق دان
سه صد و ده او موافق دان

شش صد و شست و یک او مطابق دان
یک صد و بست و هفت فاسق دان
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

ابنِ ملجم منافق خوار و خراب ہوا اور خائن ہوئے ابن زیاد اور ابن خطاب، شمر ملعون بحرِ عذاب میں فنا ہوا۔ میں کہتا ہوں لعنت کروان پر لعنت کرنے سے بار بار ثواب حاصل ہوتا ہے (نوٹ) قلندر کبریا نے تولا اور تبرا کے تمام رازوں پر سے پردہ اٹھا دیا ہے اور دشمنان اہلبیتؑ کے دو مرکزی کردار عبید اللہ ابن زیاد اور عمر بن خطاب کو خائن قرار دیا ہے کیونکہ عمر بن خطاب نے حضرت فاطمہؑ الزہرا کے گھر میں آگ لگائی اور عبید اللہ ابن زیاد کے حکم پر کربلا کے خیمے جلے حضرت نظام الدین اولیا نے عمر بن خطاب کے کردار کو اپنے کلام میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"امام حق کسے باشد که از راه منیر او
ز مغرب شمس باز گردد تا فریضش ادا باشد

وصیت کرد با امت محمدؐ در غدیر خم
علی ابن ابی طالب خلاف را سزا باشد

زا قرار خود آں یک کسی به انکار آمده آخر
که "ان الاصل لایخفی" حدیث مصطفی باشد

امام حق چناں فاضل کی می جوئی زمن بشنو
حسنؑ ابن علیؑ مار بجائے مرتضیٰؑ باشد

نظام الدین حیا دارد که گوید بنده شاهم
ولیکن قنبر اورا کمینه یک گدا باشد

ترجمہ: حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ امام حق وہی ہوسکتا ہے

جس کے لئے سورج پلٹ آئے قضا جس کا فریضہ حکم خالق سے ادا ہوگا حضرت محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم غدیر پر یہ نصیحت فرمائی کہ میرے بعد علیؑ ابن ابی طالب خلیفہ ہونگے اس بات کا اقرار کیا پہلے اور پھر اس کے بعد منکر ہوگیا اصل میں مصدقات کا منکر ہوگیا..اگر امام حق کی پہچان کرنی ہے تو سن لو..امام حق علی المرتضیٰؑ ہیں اور ان کے بعد امام حسن المجتبیٰؑ ہیں..اے نظام الدین شرمندہ ہو اور حیا کر اور علیؑ کے بندے ہونے سے تو تو صرف حضرتِ قنبر کے در کا کمینہ اور گدا ہے.....

اس لئے قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ مولا علیؑ کے دشمنوں پر لعنت کرو...اس لعنت کا بار بار ثواب ملیگا....۲۳۱ کو جان لے وہ منافق ہے... ۳۱۰ کو جان لے وہ اسی کے مناسب ہے....۶۶۱ کو جان لے کہ وہ اسی کے عین مطابق ہے اور بس ۱۲۷ کو جان لے کہ وہ فاسق ہے اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

علم اعداد حروف ابجد کی روشنی میں اس کی تشریح درجہ ذیل ہے

۲۳۱ ابوبکر ا ب و ب ک ر

ا ۲ ٦ ۲ ۲۰ ۲۰۰ __ ۲۳۱

۳۱۰ عمر ع م ر

۷۰ ۴۰ ۲۰۰ __ ۳۱۰

٦٦۱ عثمان ع ث م ا ن

۷۰ ۵۰۰ ۴۰ ا ۵۰ ..... ٦٦۱

۱۲۷ معاویہ م ع ا و ی

۴۰ ۷۰ ا ٦ ۱۰ ____ ۱۲۷

قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ تین افراد عین منافق ہیں اور معاویہ ملعون فاسق ہے

یا علی ولی شاہ مرداں

بہ حق مصطفے و عزت آں

که بجانم بشهر سیوستان
به نجف روز تر مرا برساں
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم
از رسد کس بحشمت و جاهش
منم شهباز بنده در گاهش
بو هالش بود مرا خواهش
هر زمان ز خانم آگاهش
حیدریم قلندرم مستم
بنده مرتضیٰ علی هستم
گر تو اے مومن ز صف حیدر
روز و شب گوئے ثنا آں صفدر
آنکه بد گو هست جائے سقر
دشمن او ست در عذاب سفر

حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم
ترسد کئے بہشت و جاھش
منم شاہ حسین بندہ در گاھش
ھر زمان ھست حال مآ آ گاھش
بو صالش بود سدا خواھش
حیدریم قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ھستم

یا علیؑ مولا آپ شاہِ مرداں ہیں یعنی آپ مردوں کے مولا ہیں (نوٹ: قلندر کبریا نے مولا علیؑ کو شاہِ مردان اس لئے کہا ہے کہ مولا فقط مردوں کے مولا ہیں مرد کا کام سچ بولنا، ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونا اور رزق حلال کی جدوجہد کرنا. اور اس کے برعکس نامردانگی محض منافقت اور حرام کھانے کے مترادف ہے) یا علیؑ آپ کو حضرت محمد مصطفیٰؐ کو حرمت کا واسطہ مجھے خاک سیوستان سے اٹھا کر نجف اشرف پہنچا دیں

میں وہی کا ہو کر رہ جاؤں. اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

حشمتِ وجلال علی المرتضیٰؑ کا مقام کسی نے نہ پایا. میں شہباز اسی در کا بندہ ہوں مجھے بہشت جانے کی کوئی لالچ نہیں ہے ہر وقت وہ میری حالت سے آگاہ ہیں اور میرے حال سے باخبر ہیں. اور میرے ہر زماں اور خیال سے پوری طرح آگاہ ہیں. اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

اے مومن اگر تو حیدری بننا چاہتا ہے تو اپنے دن رات ثنائے حیدر میں گزار دے. ان کا غیر بدگو ہے اور واصل جہنم ہے اور ان کے دشمن پر عذاب دوزخ مسلسل ہے. اس لئے میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

مجھے جنت میں جانے کی کوئی حاجت نہیں میں شاہ حسین مولا علیؑ کی درگاہ کا بندہ ہوں. وہ ہر وقت ہر لمحے میری حالت سے آگاہ ہیں. اور جب وہ میرے ساتھ موجود ہیں تو مجھے کسی بات کا ڈر نہیں. بس سدا اُسے ملاپ کی خواہش ہے کیونکہ میں حیدری ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں، علی المرتضیٰؑ کا بندہ ہوں....

.....

غزلیات

عاشقاں اندر جمال خوب رویاں مانده اند
نسخهِ همراں نام الـهی خوانده اند

هر زمان عاشقاں بهر شکار لم یزل
درفضائے لا یزالی اسپ همت رانده اند

نیست شکے از دو عالم درگذشت عاشقاں
هر زمان بر تخت دل عالم را بنشانده اند

چوں بیائید اصطلاح عاشقان دریافتن
دست خود را از دو عالم جز خدا آفشانده اند

گر به پرسی حال را جا پس شنو هچو نمک
کو فتاده محو گشته بحر حق در مانده اند

عاشق اور ذات لازوال

قلندر کبریا اپنے اس کلام میں عاشق کی ایک کیفیت کو سامنے لا رہے ہیں جس میں عاشق اپنے محبوب کے جمال میں فنا ہے یعنی وہ منزل جہاں عاشق میں جمال محبوب نظر آ رہا ہے یا وہ خود جمال محبوب میں فنا ہے اور وہ ہر زمان و وقت میں وہ لم یزل یعنی لازوال کا شکار ہے اور اسی فضاء لازوالی میں اپنی ہمت سے عشق کا گھوڑا دوڑا رہا ہے. اور اس میں کسی قسم کا شک وہ شبہ موجود نہیں ہے کہ وہ دو عالم کی عارفانہ سیر کرتا رہتا ہے اور اس کے تختِ قلب پر اس کا محبوب حقیقی بیٹھا رہتا ہے اور وہ لوگ جو صرف اصطاحاً عاشق پر بحث کرتے ہیں اور اس کو دریافت کرنا چاہتے ہیں خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا کہ دو عالم میں عاشق اور اس کا تعلق کیا ہے اور دو جہاں کے درمیان عاشق کسی طرح خدا کے آگے سجدہ ریز ہے اس راجا کا کیا حال پوچھنا جو نمک سے شل ہو گیا ہے اور وہ بحر حق میں مکمل طور پر فنا ہو گیا ہے.....

درمیان عارفان ای سر پنهان یافتم
هر که رامن جستم بودم عینی خود را یافتم
چونکه دریا عینی آب است قطره اوعینی آب
قطره دعوای میکند هم عین دریا یافتم
کوز مادر زاد هرگز نه بیند آفتاب
صد هزاران شکر واجب چشم بینا یافتم
چونکه فیض حق تعالی نفی کردم غیر را
آن همائی لایزل در عینی صحرا یافتم
سالها باشد همی جستم حبیب خویش را
این زمانه ازهرچه بینم عینی خود را یافتم
چون وجودکس نه باشد بالحقیقت جز خدا
آن وجود عینی مطلق عینی خود را یافتم
صد هزاران بادشاهان می روند دربارگاه
آن خزانه گنج مخفی آشکارا یافتم

آشکارا یافتم آں سر پہناں در جہاں
گاہ احمد گاہ آدم گاہ حوا یافتم
گاہ او معشوق آمد گاہ عاشق آمدہ است
زیں معنی گاہ مجنوں گاہ لیلے یافتم
راست گفتم نیست شکیدر دو عالم ہیچ کس
اے جواں الاہماں دلبر کہ پیدا یافتم
انیکہ "راجا" ناگہاں سلطان خواباں رخ نمود
صد ہزاراں سجدہ کردم حسن بالا یافتم

.....

صاحبِ نظر

عارفین کے درمیان راز پوشیدہ کو جاننے والا ہوں اگر کوئی محض ہوس نفس کو بلندی سمجھ رہا ہے اس کی بلندی کو صاحب نظر خوب جانتا ہے. کیونکہ کہ وہ صاحب نظر بحر بیکراں بھی ہے اور آب بھی اور قطرہ آب بھی اور قطرہ کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ میں خود دریا میں فنا ہو کر عین دریا بن جاتا ہوں اس لئے میں دریائے عرفان کے اسرار کو جاننے والا ہوں محض پیدائش انسان کے حوالے سے کوئی بھی انسان معرفت کے آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا لیکن ایک لاکھ بار شکر ہے کہ میں نگاہ معرفت رکھتا ہوں یعنی چشم بینا یعنی ایسی آنکھ جس کے سامنے سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ حقیقی موجودات اور لطیف طاقتوں کا مظاہرہ دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہے. جسے صاحب عارف کی نظر بھی کہتے ہیں اسی لئے فیض حق تعالی اپنے غیر کی نفی کرتا ہے جسے فیض حق تعالی ہو جاتا ہے وہ اسکے غیر کی نفی کرتا ہے اور حماء لازوال کو صحرا معرفت میں، میں

دیکھ سکتا ہوں.....

کئی سال اس جستجو میں گزر جاتے ہیں کہ محبوب کی بلندی کو کس طرح آشکار کروں لیکن یہ زمانہ ہر ایک کو دیکھ رہا ہے میں صاحب نظر از خود اپنے محبوب کی بلندی و معرفت سے باخبر ہوں یہ حقیقت ہے کہ خدا کے سوا کسی وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے اسی لئے صاحب نظر کا وجود جب تک وجود مطلق میں یعنی وجود حقیقی میں فنا نہیں ہو جاتا یا یوں کہا جائے کہ صرف صاحب نظر ہی مطلق نظر کو آشکار کر سکتا ہے دراصل اس کلام میں قلندرِ کبریا نے وجود عینی اور وجود مطلق کی بحث کی ہے جس میں وجود عینی بقادر عینی اس لئے ہے کہ وہ فنا در بقا ہے اس اس کی نگاہوں میں عارفانہ اسرار و رموز ہیں اور کوئی حقیقت اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے کیوں محض انسان کی آنکھ حقیقت مطلقہ کا دیدار نہیں کر سکتی صرف وہ صاحب عارف صاحب نظر ہی دیدار کر سکتا ہے جس کے سامنے سارے حجابات اُٹھ گئے ہیں....

ایک لاکھ بادشاہ اس بارگاہ میں طلب حقیقی کے لئے جمع ہیں لیکن

معرفت کا پوشیدہ خزانہ میں جانتا ہوں کہ کیا ہے کیونکہ مجھے اس جہاں کی تمام پوشیدہ چیزیں اور راز آشکار ہو چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علی وسلم سے لے کر حضرت آدمؑ، حضرت حوا تک کے مقامات کی معرفت رکھتا ہوں یعنی معشوق اپنے عاشق کی جگہ کی معرفت رکھتا ہے جس رح مجنوں جائے لیلی کو جانتا تھا میں بھی اسی طرح جائے مقام معشوق کو جانتا ہوں میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں اور مجھے کوئی شک نہیں ہے اس دو عالم میں اے صاحب ایمان جوان اے مرد مولائی میں اپنے محبوب کو جانتا ہوں، راجا کیوں اپنے خواب میں سلطان کو دیکھے اور اس کی طرف رخ کیوں کرے. میں ایک لاکھ سجدے کر کے حسن اعلیٰ کو جانتا ہوں.

.....

در دو عالم عاشقاں راجز خدا مقصود نیست
در شہود چشم ایشاں غیر ولی مشہور نیست
حمد گفتن عاشقاں را فرض آید در وصال
پیش چشم حمد گریاں جز یکے محمود نیست
عہد آید در قرآن او فو بعهدی از خدا
عشق وے راعہد مستی غیر وے مقصود نیست
عاشقاں را نور آمد از جمال دوست خویش
زین جہت درشانِ ایشان غیرحق موجود نیست
آفتاب هر محکم هر طرف چوں جلوه داد
چشم باشد یا نه باشد جلوه جز مقصود نیست
نزد بینا غیر حق معدوم محض اینست شک
باالحقیقت در د و عالم جز خدا موجود نیست
درعبادت حق تعالی باش "راجا" روز و شب
زانکه هرگز درد وعالم جز خدا موجود نیست

سوائے اللہ کے کوئی موجود نہیں

صاحب عارف بندے عاشقان کے نزدیک اس دو جہان میں اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے اس جلوہ حق کے سوا کوئی اس کا غیر موجود نہیں ہے دورانِ وصال عاشقوں پر فرض ہے کہ اس کی حمد وثنا کریں جس کی وہ حمد وثنا میں مشغول ہیں اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے....

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ۴۰

(سورۃ البقرۃ)

(ترجمہ) تم میرے عہد واقرار کو پورا کرو تو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا...

یعنی صاحب عرفان. عاشقین اللہ سے عہد کرتے ہیں اور اللہ ان سے عہد کرتا ہے اس عہد عشق کی مستی میں کسی غیر سے عہد مقصود نہیں ہے عشق مستی کا یہ عہد، عہدِ مطلق کے مترادف ہے معشوقِ آفتاب کے نور کی کرنیں ہر طرف جلوہ نما ہیں اور محکم ہیں بصارت عامہ میں نظر آئے یا نہ آئے لیکن بصیرت عرفان میں جلوہ نما ہے اس کے علاوہ کسی اور کا جلوہ دیکھنا مقصود ہے ہی نہیں.. صاحبِ نظر غیر حق کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دو جہاں عالم میں حقیقت صرف اللہ کے وجود کی ہے اور کوئی وجود ہے ہی نہیں. حق تعالیٰ کی عبادت کر روز وشب اے راجا کیوں کہ اس دو جہاں عالم میں اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے..

.....

یک نور را خصلت ببینی گه خود سماؤ گه زمینی
گه خود ملک گه آدمی در هر سراسر ببینی
گه شمس گه گردو قمر گه تخم کردو گه شجر
گه شاخ گه کرد و ثمر در هر سراسر ببینی
گه کوه، گه صحرا شود، گه آب گه دریا شود
گه در خوش و زیبا شود در هر سراسر ببینی
گه چشم و گه جوهر شود گه لعل گه گوهر شود
گه مشک و گه عنبر شود در هر سراسر ببینی
گه خود پدر، گه خود پسر گه خود جوان گه خود صغر
گه خود معمر بیشتر در هر سراسر ببینی
گه طیر گه حیوان شود گه جن گه انسان شود
گه حور و گه غلمان شود در هر سراسر ببینی
گه خود ستاره گه ماه گه خود گدا گر گه شاه
گه خود رواں و گه راه در هر سراسر ببینی
گه روح گرد گه تن گه مرد گردد گه زن
گه بچه گردد پر فتن در هر سراسر ببینی
گه صید گه دانا شود گه زلف گه شانه شود
گه شمع و پروانه شود در هر سراسر ببینی

گہہ نور گہہ ناز شد گہہ یار گہہ اغیار شود
گہہ خفت گہہ بیدار شد در ہر سراسرے ببینی
یک نور او اندر جہاں در ہر صور در ہر زماں
گاے چنین گاہے چناں در ہر سراسرے ببینی
کوتاہ کن "راجا" زباں یک نور را بنگر عیاں
ہم خود شدہ اندر جہاں در ہر سراسرے ببینی

.....

(نور ہی نور)

قلندر کبر یا فرماتے ہیں کہ ایک نور کی خصلت کو کہاں کہاں دیکھنا چاہتے ہو، ادراکِ نور کس طرح کر سکوں گے، وہ ہر وجود میں موجود ہے اس کے خصائل لامحدود ہیں وہ تو ذرہ ذرہ میں موجود ہے۔ کبھی خود آسمان ہے، کبھی زمین، کبھی خود ملک ہے، کبھی آدمی، ہر جگہ و ہر مقام پر وہ ایک راز ہے! سمجھے: کبھی شمس ہے کبھی گردو قمر ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۴

(سورۃ الشمس)

ترجمہ: ''قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جبکہ وہ اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ اسے روشن کر دے اور رات کی جب کہ وہ اسے ڈھانپ لے۔''

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ:

زاں سبب فرمود یزداں وضحی

وضحی نور ضمیر مصطفیٰ

اور کبھی وہ بیج ہے، تو کبھی درخت، کبھی شاخ ہے اور کبھی پھل ہر طرف ایک راز ہے اے دیکھنے اور سمجھنے والے۔ کبھی پہاڑ کبھی صحرا کبھی آب کبھی دریا کبھی دروازہ خوبصورت اور آرائش والا ہر جگہ ہر طرف ایک راز ہے دیکھنے و سمجھنے والے کے لئے کبھی چشم و کبھی جوہر کبھی لعل کبھی گوہر ہیں کبھی مشک میں کبھی عنبر یہ سب راز ہیں دیکھنے اور سمجھنے والے کے لئے کبھی طیور (پرندے)، کبھی حیوان، کبھی جن، کبھی انسان میں، کبھی

حور، کبھی غلماں میں یہ سب راز ہیں اس نور کے جو سمجھے اور دیکھے اور ان چیزوں کا ادراک کر سکے۔ دراصل All unity of Existence وحدت الوجود کے حوالے سے عارفین اس آیت مبارکہ کو بنیاد بناتے ہیں.....

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ، اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ، یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ، وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۳۵

(سورہ نور ۲۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور دینے والا ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہ وہ چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں ہو وہ قندیل ایسی ہو گویا وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے وہ زیتون کے برکت والے درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل (خود بخود) روشن ہو جائے۔

اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے، وہ نور بلائے نور ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ پر لگا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے.....

اور کبھی خود ستارہ کبھی خود چاند اور کبھی خود گداگر فقیر اور کبھی خود رواں اور کبھی خود راہ بن جاتا ہے لیکن یہ سب امی نور کا راز ہے لیکن دیکھنے اور سمجھنے والے کے لئے اس میں مسلسل اس بات کی تکرار کی جارہی ہے کہ ہر طرف نور ہی نور ہے اور کوئی بھی وجود یعنی جس پر لفظ ''ہے'' کا اطلاق ہوتا ہے وہ نور سے خالی نہیں ہے لیکن جو لوگ ادارک نور رکھتے ہیں ان کے لئے ہر طرف نور ہی نور ہے. کبھی یہ نور روح میں کبھی جسم میں کبھی مرد اور عورت کبھی بچہ کبھی حرکت ہر طرف یہ ہے نور کا راز لیکن اس کے لئے جو دیکھنے والا اور سمجھنے والا ہو کبھی یہ شکار کبھی یہ دانا عالم کبھی زلف و شانہ میں کبھی یہ شمع اور پروانہ میں یہ سب راز ہے دیکھنے والے کبھی یہ نور نور میں ہے نور الہ نور ہے کبھی ناز میں کبھی یار میں کبھی اغیار میں کبھی خفت میں تو کبھی بیداری میں یہ سب راز ہیں دیکھنے والے کے

لئے ایک ہی نور ہے اس جہاں میں ہر شکل اور ہر وقت میں یعنی اِدھر بھی اُدھر کبھی وہاں کبھی یہاں یعنی ہر طرف اسرارِ نور ہے دیکھنے والے کے لئے اے راجا بیان مختصر کر ہر طرف ایک نور کو ظاہر کر، اے دیکھنے والے ہمارے اندر خود سارا جہانِ نورانیہ ہے یہ راز دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے..

(نوٹ) ابو خالد سے مروی ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے قرآن کی ان آیاتِ مبارکہ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"

ترجمہ: اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ تو اللہ تم کو اپنی رحمت کے دو حصے اجر دے گا. یعنی رحمت کو دوگنا کر دے گا. اور تمہیں عطا فرمائے گا کہ تم نور میں چلے پھرو گے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کریگا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے. کے متعلق پوچھا آپؑ نے فرمایا اے ابو خالد.

نور سے مراد نور آئمہؑ ہیں، آلِ محمدؐ قیامت تک ہونے والے وہی نور ہیں جو نازل کیا گیا اور وہی اللہ کے نور ہیں آسمان اور زمین میں. اے ابو خالد نور امام قلوب مومنین میں ہے اور نصف النہار کے سورج سے زیادہ روشن ہوتا ہے وہ قلوب مومنین کو منور کر دیتا ہے اور اللہ ان کے نور کو جس سے چاہتا ہے چھپاتا ہے تو ان کے قلوب تاریک ہو جاتے ہیں یعنی واضح ہوا کہ نور عامہ اور نور خاصہ کا فرق یعنی اس کا نور کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر سنگ ریزے تسبیح کرتے ہیں یعنی نباتات، جمادات، حیوانات عالم، موجودات، عالم رنگ بو یعنی ہر وجود اس نور کی حمد و ثنا میں مشغول ہے لیکن جب یہی نور بندۂ مومن کے قلب میں روشن ہوتا ہے تو یعنی اسے ولایتِ مطلقہ کی معرفت شروع ہو جاتی ہے اور یہ نور عامہ نور خاصہ میں تبدیل ہو جاتا ہے..... معصومینؑ فرماتے ہیں کہ نور میں چلنے پھرنے سے مراد جنابِ امیرِ المومنینؑ مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ کے نور میں چلنا پھرنا ہے. یہ

اعزاز مولاؑ کے غلاموں کو حاصل ہوا. جس میں حضرتِ سلمانِ فارسیؓ، حضرتِ ابوذر غفاریؓ، حضرتِ یاسرِ عمارؓ، حضرتِ قنبرؓ، حضرتِ مقدادؓ، حضرت محمد بن ابی بکرؓ، حضرتِ مالکِ اشترؓ اور بلخصوص حضرتِ فضہؓ کا نام قابلِ ذکر ہے..

جان ما از سر گذشته عشق او برسر گرفت
فارغم از هر دو عالم چونکه دلبر در گرفت
جان ما در کوئے جاناں سالها افتاده بود
ناگهاں محبوب آمد جان مارا بر گرفت
مرد آں هم اندر ایں ره کئے بگودد مرد عشق
مرد عاشق آبود لاخوف یکرا در گرفت
ترك دنیا گشت آساں هر که ایکبارگی
آں جمال کرم باری کام او در بر گرفت
گر کسے را ملک ملکه فقیر آید ضبط او
شاه گردد در دو عالم ملک پیغمبر گرفت
جمر در توکل گر کسے راصدق باشد بر خدا
نیست شکے عالم را بازر و زیور گرفت
پیش عاشق هفت دوزخ زده آید در گریز
زانکه عاشق درجهاں از نور او خنجر گرفت

عاشقاں را ذرہ نورش چوں آمد در نظر
عاشق سرمست را دیوانگی از سر گرفت
ترک کردم از دل وجاں ہر دو عالم بہر دوست
دردل وجاں دوست آمد خانہ خوشتر گرفت
جز بصورت نور احمد نیست روشن بالیقیں
زیں سب آں نور احمد مرتبہ برتر گرفت
تازہ مظہر شود ہر روئے از روئے حبیب
مرد عاشق ہر سجدہ سوئے آں دلبر گرفت
کعبہ عشاق باشد روئے احمد در جہاں
صد ہزاراں روئے خوباں منزل مظہر گرفت
چوں بصورت شد علیؑ روئے محمدؐ بر غدیر
صورت آں زیں سبب عشاق خود خوشتر گرفت
عمر خوشتر وقت خوشتر دوست خوشتر در نظر
مرد میداں مست و مستاں دوست خود در بر گرفت

روئے خوباں چوں بنا شد از عشاقش در حجاب
مست "راجا" گشت ہمچوں خصلت رہبر گرفت

محبوبِ حقیقی کو پالینا

اے جاں من میں نے ازل سے تیرا عشق قبول کیا ہوا ہے اور میں اسی گرفت میں ہوں اور اس عشق کے بعد میں دو جہاں سے فارغ ہوں کیونکہ اپنے محبوب کو پالیا اے جان من میں تیری گلی میں برسوں مصیبت زدہ زخم خوردہ بیٹھا ہوں اچانک میرے محبوب کی آمد ہوتی ہے اور میں اسے پالیتا ہوں.

قلندر کبریا کی یہ عرفانہ غزل دراصل عشق مولاؑ اور اس عشق کو ازل سے پالینے کی گفتگو کے حوالے سے ہے اس میں اس بات کی وضاحت ہو رہی ہے کہ عشق کہیں اِدھر اُدھر کی چیز نہیں ہے عشق کسی بت کدے کا نام نہیں ہے بلکہ عشق عارف کے وجود کے اندر ہی

ہوتا ہے اور تخت قلب پر عاشق و معشوق ایک دوسرے کو پالیتے ہیں محض ترک دنیا بہت آسان کام ہے ایک بار ہوسکتا ہے مگر میں نے جمال معشوق اور اس کے کرم کو پالیا ہے کیونکہ فقیر کے ملک کی حاکمیت، تصرف و قدرت ضبطِ نفس میں پوشیدہ ہے اسی لیے دو جہانِ عالم کی بادشاہت اور لامحدود ملکِ عظیم پیغمبرؐ کی گرفت میں ہے اور جس جس شخص نے اللہ پر توکل کیا کیونکہ توکل نام ہے (اعتماد بھروسہ کے ساتھ) لہذا یہی سچّا راستہ ہے کہ انسان صدق دل سے اللہ پر بھروسہ کے ساتھ اعتماد کرے تو کوئی شک نہیں بے شک تمام عالمین کا زروزیور اس کے تصرف میں آجاتا ہے.....

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ۵۴

(سورۃ النساء ۴)

ترجمہ: کیا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے انہیں

اپنے فضل سے دیا ہے یقیناً ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں ایک بہت بڑی سلطنت دی.....

حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا ملک عظیم کہاں رہا کہیں نظر نہیں آتا تو آپ نے فرمایا کہ دراصل ہم محسودین ہیں نحن محسودین لوگ حسد کرتے ہیں ہمارے ملک عظیم پر جو محض زمین کی حدود تک محدود نہیں ہے بلکہ کُل کائناتوں میں پھیلا ہوا ہے..

(نوٹ) کیونکہ امامؑ مبین کے تصرف میں سب کچھ ہے نظامِ فطرت سے لے کر کل نظام کائنات بغیر امامؑ مبین کے ممکن نہیں ہے قلندرِ کبریا اپنی اس غزل میں یہی وضاحت مسلسل کر رہے ہیں کہ جب عاشق محبوبِ حقیقی کو پالیتا ہے اور اس ذاتِ حقیقی پر اعتماد بھروسہ کے ساتھ کرتا ہے تو اس کے سامنے نور علیٰ نور یعنی معشوقِ حقیقی کا ملک عظیم آشکار ہو جاتا ہے اور عاشق، مست فقیر تو اپنے اندر ہی ضبط نفس کے ساتھ اپنی ایک حکومت و بادشاہت رکھتا ہے جو رسولؐ و آل رسولؐ کے در کی فقیری ہوتی ہے اور دنیا میں صاحب تصرف بادشاہت ہوتی

ہے..عاشق کے سامنے ہفت دوزخ کی کیا حیثیت ہے کیونکہ وہ وہاں سے گریز کر کے عشق مولا کے نور کا خنجر اپنے گرفت میں لے لیتا ہے اور عاشقان تو وہ ہیں کہ ذرہ ذرہ میں اسی ذاتِ پاک کا نور نظر آتا ہے اور یہی ادراک نور حقیقی دراصل عاشق یعنی مرد عارف کی مستی و دیوانگی ہے جسے وہ پالیتا ہے کیونکہ وہ اپنے دل و جان کو دنیاوی معاملات اور دوستوں کے لئے ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل و جان میں صرف اس کے معشوق حقیقی کا گھر ہوتا ہے یاد رکھو کہ نور احمدؐ کے علاوہ کوئی اور نور ہے ہی نہیں اسی پر روشن یقین رکھو باقی سب اسی نور کی کرنیں ہیں اور مرد عاشق ہی اس معشوق کے آگے سجدہ کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر سجدہ و سلام صرف عارفین ہی کر سکتے ہیں جو نور حقیقی کا ادراک کرنا جانتے ہیں..اس جہاں میں صرف عاشقین کا کعبہ حضرت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا در مبارک ہے اور لاکھوں خوبیاں ہی دراصل اس منزل پاک کے پاس ہے اس کی گرفت میں ہیں اور منزل غدیر پر علیؑ محمدؐ بن گئے اور محمدؐ علیؑ بن گئے یعنی

ایک وجود نورانیہ کے دو نام ہیں....

مولانا رومؒ اس منزل پر رسولؐ اللہ اور مولا علیؑ کے لئے فرماتے ہیں کہ:

تفرقه بر خیز شرك و دوئی
وحدت است اندر وجود معنوی

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ مولائے کائنات کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کی یا علیؑ ہم ایک وحدت کا تو نام ہیں اس لئے عارفین، عاشقین اس پاک تر نور علیؑ نور کو پا لیتے ہیں اور اس میں فنا ہو جاتے ہیں ،عمر تمام خوش وقت تمام اور دوست خوش گر نظر میں ہیں مرد میداں مست ہے اور مستان دوست اُس کو نور پا لیتے ہیں....یعنی عاشق جو معرفت کے میدان میں مست ہے اس کے عارف دوست، مست دوست خود اس کو پا لیتے ہیں کیونکہ محبوب حقیقی عاشقوں کے حجاب میں آ کر ان سے ملتا ہے اور عام افراد ان حجاب کی معرفت نہیں رکھتے ہیں اور نہ ہی عاشق کے محبوب کی۔ صرف اے راجا مست تو گشت کر رہا

ہے سیر کر رہا ہے اپنے رہبر محبوب کے فضائل کے درمیان اور ان کو پا رہا ہے...

اس غزل میں مکمل طور پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محبوب حقیقی اور دلبر کو پالینا یعنی بندہ عارف کا عشق حقیقی میں فنا در اصل نور محمدؐ نور علیؑ میں فنا ہونے کے مترادف ہے.....



گر تجلی دوست خوا هی هر دوام
خواب غفلت برتن خود کن حرام
خواب غفلت بر دل خود پرده است
ورنه دائم هست تجلی و سلام
نیک بنگر کئے بیاید اے عزیز
در دو عالم بے تجلی انتظام
گر نبا شد ایں تجلی دائما
جمله اشیاء زود گیرند این ظلام
بے وجود محض مطلق اے عزیز
خلق عالم را کجا باشد قیام
هرچه بینی آں وجود محض اوست
نام اشیاء نام او آمد مدام
هستئ مطلق بیاید هم اوست
اومی شنود اوهمے گوید کلام

چشم ــــ "راجا" در تجلی دائما است
بے تجلی نیست کس را ایں مقام

تجلی

میرے معشوق میرے محبوب میرے مولائے کُل کی تجلیات سے کوئی لمحہ خالی نہیں ہے کائناتوں کے ذرے ذرے اسکی تجلیات میں گھیرے ہوئے ہیں.....

قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ میرے دوست کی تجلی ہمیشہ میرے گھر میں رہتی ہے یہاں گھر سے مراد بندہ عارف کا قلب ہے یعنی اس تجلی سے بندہ عارف کا قلب، جامِ جہاں نما بن جاتا ہے اس لئے اے شخص غفلت کی نیند سے اُٹھ اور اے بندہ عارف معرفت وتجلیات کے لئے نیند کو اپنے اوپر حرام کرلے... کیونکہ خوابِ غفلت یعنی غفلت کی نیند بے خبری کا نام ہے جس سے قلب پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں،

ورنہ یہ غفلت نہ ہوتی تو تیرے قلب پر تجلی اور سلامتی قائم ودائم رہتی...
اور سچی اور نیک بات یہی ہے کہ اس دو جہانِ عالم میں تمام تصرف اور انتظام اس تجلی کے علاوہ کچھ نہیں...

(نوٹ) (مولائے کائنات خطبۃ البیان میں فرماتے ہیں انا صاحبِ طور یعنی معشوق کی تجلی سے مراد مولائے کائناتؑ ہیں)

اگر یہ تجلی دائماً نہ ہو جملہ کلُ اشیا ظلمت میں گھیر جائیں...اس لئے مولاؑ کا ہی وجود، وجودِ مطلق ہے، اے پیارے خلقتِ عالم کا قیام اسی کی وجہ سے ہے ہمہ اوست کی منزل پر ہر دیکھنے والا اس کے دیدار کا متمنی ہے وہ تمام اشیاء ہی میں موجود ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگا اس کے دیدار کے لئے صاحبِ نظر ہونا ضروری ہے یعنی ہستیِ مطلقہ ہمہ اوست کی منزل پر ہر جگہ ہے، کوئی شہ اس سے خالی نہیں ہے اس پر کیا کلام کیا جاسکتا ہے راجہ کی آنکھیں دائماً تجلی کو دیکھ رہی ہیں کیونکہ بغیر تجلی کے مقامِ عرفان ممکن ہی نہیں ہیں اس لئے تجلی کی معرفت کے لئے مردِ عارف کی نظروں کا کھلا ہونا ضروری ہے.

وجود محض مطلق را همه جا هر زماں دیدم
بہر سوئے بہر کوئے صورت عیاں دیدم
ہماں وحدت ہماں کثرت ز کثرت ہم ہماں وحدت
ولیکن اختلا فش درمیاں حکم آں دیدم
بنورش چوں مکمل شد نظر ظاہر از آں باطن
بصورت جملہ عالم را جمال آں نشاں دیدم
ندیدم من مگر آں را کہ محض است درجہاں مطلق
فنا دیدم ہمہ کس راچون او را در میاں دیدم
یکے بینا یکے بیند دو بدن ناروا گوید
یکے را دو بد انستن کارا حولاں دیدم
یقینی اورا عیاں بیند اگر فانی شود از خود
فنا گشتی ازیں خوہ رایکے آں عاشقاں دیدم
تجلی را نہایت چوں نبا شد در ہمہ عالم
تجلۂ او میانِ ہر کسان و نا کسان دیدم

زهے معنے که اندر فهم ناید هیچگهه پر من
زهے معنی بهرحرف و بهر نطق بیان دیدم
لازم شد برایں معنی حد و شش از عباد تہا
به ایں هئیت ظهور آں حقیقت در جهاں دیدم
اگر رفتم به او رفتم اگر شستم به او شستم
ند یدیم هیچ صورت را مگر اورا در آں دیدم
هوالاول هو الآخر هو الظاهر هو الباطن
هماں زیروهماں زبر و همه مظهر هماں دیدم
هزاراں شکربا ایں گشت لازم برمن مسکینی
که من آں دوست خود هم آشکارا اونهاں دیدم

وحدت وکثرت

وجودِ مطلقہ کو ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں دیکھا ہر طرف ہر گلی ہر صورت میں ظاہر دیکھا. ہماری وحدت میں ہی کثرت ہے اور ہماری

کثرت میں ہی وحدت ہے یعنی وجودِ مطلقہ کثرت میں بھی ہے اور وحدت میں بھی ہے دیدارِ نور مکمل ہوتا ہے نظرِ ظاہر سے نظر باطن تک بلکہ یوں کہو یہ سارا جہاں عالم اس کا جمال ہی تو ہے اور اس کے جہانِ عالم کو میں دیکھ رہا ہوں انھیں دیکھتا میں مگر لیکن اسی کو جو اس جہانِ مطلق میں ہے اس میں سب فنا ہو رہے ہیں اسی فنا کے درمیان میں اسے دیکھ رہا ہوں ایک دیکھ رہا ہے ایک دیکھنے والا ہے ان ناروا باتوں میں کیا رکھا ہے کیونکہ اس کی ہستی ذات پاک ہر جگہ ظاہر ہے اور تمام عاشقوں کے وجود اس میں فنا ہیں اور اس میں فنا ہو کر اس کا دیدار کر رہے ہیں قلندرِ کبریا نے اس غزل میں بقا در فنا کی بات نہیں کی بلکہ فنا در بقا کی بات کی ہے یعنی جسے ہم بظاہر بقا کہہ رہے ہیں وہ فنا ہے اور اس عاشق کو ہم فنا سمجھ رہے ہیں جبکہ وہ معشوق کے بحرِ بے کراں میں فنا ہو کر بقا ہے اسی لئے مرزا غالب نے کہا تھا.....

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

انتہائے تجلی کو تو نہیں سمجھ رہا ان عالمین میں جبکہ تجلی کی شعاعیں ہر کس و ناکس پر پڑ رہی ہیں اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں اس کے معنی عقلِ ناقص اور ہیچ گو کی سمجھ سے باہر ہیں پس جگہ پر یا پستیوں میں پڑے افراد ان معنوں کی فہم نہیں رکھتے لیکن اس کے معنی ہر نطق میں بیان ہو رہے ہیں اور دیکھے جا رہے ہیں.

اور یہ لازم اور قطعی ہے کہ ان معنوں کی حدوں کی عبارتوں کو سمجھ کیونکہ انہی کی شکل انہی کا وجود یہی حقیقت اور انہی کا ظہور میں نے جہانوں میں دیکھا ہے اگر وہ چلتے ہیں تو وہ بھی چلتے ہیں اگر وہ بزرگ اعلیٰ ہیں تو ہر چیز ان کی گرفت میں ہے وہ بھی بزرگ اعلیٰ ہیں جس نے کوئی صورت نہیں دیکھی مگر صرف انہی کا دیدار کیا کیونکہ وہی اول ہیں وہی ظاہر وہی باطن ہیں وہی زیر وزبر ہیں وہی کُل مظہر ہیں جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں ہزاروں شکر ہیں کہ میں حالتِ مسکینی میں بھی اسی میں گشت کر رہا ہوں اور میرے محبوب میرے معشوق نے خود مجھے آشکار کیا تو میں اسے دیکھ رہا ہوں یعنی وہ میرے سامنے خود آشکار ہو گیا اور میں

اس کا دیدار کر رہا ہوں... قلندرِ کبریا نے اس غزل نے فلسفہ ہمہ اوست، وحدت و کثرت اور وحدت الوجود کے مسائل کی توضیح و تشریح کی ہے کیونکہ ہر وجود فنا ہے بغیر اس کے وجود کے اس کے وجود سے موجودات کی بقا ہے اور اگر یہ بقائے دائمی چاہے تو جان لے کہ موجوداتِ کل فانی ہیں ہر وجود کو فنا ہونا ہے اگر وہ اپنی بقا چاہتا ہے تو اس وجودِ مطلقہ میں فنا ہو کر بقا بن جائے...

خودی کفر است اگر چه پارسائی صدهزاراں است
خدارا آشکارا در میاں بیخود ان دیدم
اگر هوئے خودی ماند هزاراں پرده ها با شد
فنا دیدم بقا با الله میان عارفاں دیدم
بهر گوش هماں شنود هر سخنے هماں گوید
زهے طرفه که او را پاك از گوش و زباں دیدم
زهے سر یکه او پنهاں و لیکن بانشاں دائم
هماں عجبے که هر وقت بصور بندگاں دیدم
زهے دیده هماں دیدم که بجز او هم نمی بیند
بحمد الله که ایں دیده بصاحب دیدگاں دیدم
بغیر عشق نبود فهم کردن سر آں حضرت
کمال عشق باید درمیاں خاصگاں دیدم
بیک پروازمی بینم که "شهبازم" بگریم حق
بنور چشم باطن عینی خود را عینی آں دیدم

خودی

قلندرِ کبریا نے اس غزل میں ''انا پرستی'' اور 'میں' کی نفی کی ہے اور خودی کو انا پرستی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے (نوٹ: علامہ اقبالؒ کی خودی انا اور میں پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس ذات مطلقہ کے دربار میں انا کی خود سپردگی کا نام خودی ہے) قلندرِ کبریا فرماتے ہیں کہ انا، میں یعنی خودی کفر ہے اگرچہ وہ اپنے دامن میں سو بار پارسائی بھی رکھتی ہو جس طرح ظاہری عبادتوں کے عاشق افراد اپنی پارسائی اور عبادت میں تکبر کرتے ہیں۔ عجز و انکساری نام کی کوئی شے ان کے وجود میں نہیں ہوتی. اور اپنی عبادتوں اور پارسایوں کے گھمنڈ پر دوسرے افراد کو کمتر سمجھتے ہیں ایسی انا پرستی اور خودی قلندر کبریا کی نظر میں کفر کے مترادف ہے ہم بے خود ہیں کسی خودی کے دعویدار نہیں ہیں اور اس کے جلوئے کو آشکار کر رہے ہیں جہاں بوئے خودی ہے۔ جہاں میں ہے۔ جہاں انانیت پرستی ہے۔ جہاں ذات کا تکبر ہے۔ وہاں ہزاروں پردے پڑے ہوئے ہیں. جو حقِ مطلقہ کی تجلی کو آشکار

نہیں کر سکتے ہیں میں نے اپنے آپ کو فنا کر دیا بقا باللہ میں یعنی جب عارفین اپنے آپ کو بقا میں فنا کر دیتے ہیں اپنی میں کی نفی کر دیتے ہیں تو اس اللہ رب العزت کا دیدار کرتے ہیں سننے والے، دیکھنے والے، بولنے والے سب کا کہنا یہی ہے کہ تمام عجب یہی ہے کہ اس پاک کو کان اور زبان سے دیکھ رہے ہیں اور عجیب ہے یہ کہ جو کچھ پنہاں ہے اس کا نشان دائماً ہے اور یہ بھی عجیب ہے کہ ہر وقت اس کی صورت کو اس کے بندگان میں دیکھتا ہوں اور عجیب نظریں ہیں جن کو ہم دیکھ رہے ہیں

کیونکہ ان نظروں کے علاوہ ہم کچھ نہیں دیکھ سکتے اللہ کا شکر ہے کہ اے صاحب نظر جسے دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں آپ ان حضرت کو بغیر عشق کے نہیں سمجھ سکتے کیونکہ یہ فہمِ عشق کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا...

کمالِ عشق کا دیدار خاص عاشقین کے پاس ہے انہی میں سے ایک پرواز کرنے والا شہباز ہے جو میں ہوں جس نے حق کو پکڑ لیا ہے نورِ چشم و نورِ باطن یعنی جو میرے اندر نور ہے معشوق کا اور دیدار کرنے والا بھی میں خود ہوں.

امروزشاه شاهاں مہماں شد است مارا
جبرئیل با ملائک دربان شد است مارا
خورشید ہر دو عالم تاباں شد است مارا
از فرش تا ثریا غلطاں شد است مارا
روح الا مین بہ سوزد یک مو اگر بجند
ہر صبح و ہر شام آنجا طیران شد است مارا
آں رہ کہ قدسیاں را دشوار و سخت آید
از فضل حق تعالے آساں شد است مارا
افلاك یا کواکب مقام ملاء اعلے
ہر یک زچا کرئی ما شا دان شد است مارا
چیزے کہ انبیا را امکان نبود گاہی
آں چیز خود بہ آسان امکان شد است مارا
احمد بعرش حاضر موسے بکوہ ناظر
از لطف در کنارم رحمان شد است مارا

براق الا ابالی مارا بزیرانِ است
صحرائے لایزالی میدان شد است مارا

تصرفِ قلندر

آج شاہوں کے شاہ، باشاہوں کے بادشاہ میرے مہمان ہیں جبرئیل اور ملائیکہ میرے دربان ہیں دو جہاں کا سورج میری بارگاہ میں چمک رہا ہے زمین سے اوجِ ثریا تک میں مست ہوں (نوٹ) (قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ جب شاہوں کے شاہ میرے مہمان ہیں تو ملائیکہ میرے دربان ہیں خورشید کی تمام کرنیں میری طرف ہیں زمین سے اوجِ ثریا تک میں ہی میں ہوں) وہ مقام جہاں روح آلامین کے پر جلتے ہیں صبح وشام میری وہاں پرواز رہتی ہے جہاں مخلوقات نورانیہ کا سفر سخت اور دشوار ہے وہاں حقِ تعالیٰ کے فضل سے میرے لئے سب کچھ آسان ہیں آسمان ستارے اور اعلیٰ ترین مقام کی مخلوقات میری خدمت میں خوش وخرم ہیں وہ جگہ جہاں انبیاءؑ کی بھی رسائی نہیں ہے وہ

میرے لئے بالکل آسان مقام ہے احمد مصطفیٰؐ عرش پر ہیں موسیٰؑ کوہ طور پر ہیں ان دونوں کناروں پر رحمان کا لطفِ کرم میرے لئے ہے براق میری سواری ہے اور میں اس سواری پر لازول ہستی کے میدان میں سفر کر رہا ہوں.

قلندر کبریا نے اپنی اس غزل میں خود اپنی ذات مبارکہ پر سے پردہ اُٹھایا ہے کیونکہ قلندر کی ذاتِ مبارکہ کو تصوف اور طریقت میں مقید نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ تصرف اور طریقت میں پیرومرشد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ پیرومرشد کی پہچان کے بغیر قطب اور ابدال کی پہچان ناممکن ہے اسلئے قلندر کبریا کا کوئی پیرومرشد نہیں ہے ان کا براہ راست توسل ولایتِ مطلقہ سے ہے اسلئے علامہ اقبال فرمارہے ہیں:

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جوانمرد
جاتا ہے جدھر بندہ حق تو بھی ادھر جا!
ہنگامے ہیں تیری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بنگاہ قلندر سے گذر جا!

میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہونگا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا!
توڑا نہیں جادو میری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرات تو مکر جا
مہرومہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

در خلوت گدایان محبوبه کے بگنجید
بے برگ و بے نوائی آسان شد است مارا
دربار گاه وحدت کثرت چه کار آید
هژده هزار عالم یکساں شده است مارا
ذاتیکه هیچگونه صورت نبود هرگز
آں ذات خود بصورت عیاں شد است مارا
فال خحبسته میموں اختر بلند طالع
کان دهن غنچه بسته خنداں شد است مارا
دیدار حق تعالیٰ درمان درد ماشد
دیده بصیر بینا برهاں شد است مارا
بتخانه جهان رابسیار سیر کردم
آئینه خود پرستی ایمان شد است مارا
اوصاف ذات خود را ایزد بداد مارا
باذوق ایں معنی عرفان شد است مارا

دریاے بے نہایت پایاں کجا است اورا
بنگر بغیر کشتی پایان شد است مارا
با خلق احتیاجی "راجا" نماند ایں جا
زیرا کہ در اطاعت یزداں شد است مارا

خلوتِ فقراء

تنہائی میں اور خلوت میں فقراء کے درمیان معشوق موجود ہے یعنی گداگروں کی محفل میں حالتِ خلوت نے محبوب کو گھیرا ہوا ہے لیکن میرے لئے بے برگ و بے نوا ہی یعنی حالتِ مسکینی میں یہ سب کچھ آسان ہے بارگاہ وحدت و کثرت سے کیا کام ہے اٹھارہ ہزار عالم کے درمیان میں ہوں. ذاتِ مطلقہ کی صورت دیکھنا ہرگز آسان نہیں ہے یعنی ان فقراء کے لئے اس تجلی کا دیدار ناممکن ہے لیکن میرے لئے وہ ذاتِ مطلقہِ ظاہر ہے فعال مبارک، مبارک ستارے اور طالع بلند اپنی جگہ ہیں لیکن میرے لئے کسی بند غنچے کا کھلِ جانا اور اس میں

معرفت کی تجلی دیکھنا آسان ہے دیدارِ حق تعالیٰ کا اور اس کا درد میرے اندر ہے اور اپنی بصیرت سے اس برھان کو دیکھنا میرے لئے آسان ہے اس عالمِ بت خانہ کی کئی بار سیر کی آئینہ خود پرستی کیا ہے؟ میرا ایمان جو ہے اس کے لئے آسان ہے قلندر کبریا فرماتے ہیں کہ بت خانہ عالم کی سیر سے مسائل حل نہیں ہوتے ہمارے ایمان کی انتہا یہ ہے کہ ہم خود اس ذات مطلقہ کا آئینہ ہیں اوصافِ ذات مطلقہ نے جو کچھ مجھے عطا کیا وہ باذوق ہے ان معنوں میں کہ میں خود عرفان بن گیا ہوں یعنی معرفت بن گیا ہوں اس دریائے معرفت کا کنارہ کہاں ہے میرے لئے دریائے معرفت لامحدود ہے اور بغیر کسی کشتی کے میں اس میں سفر کر رہا ہوں اے راجہ خلق کے لئے کیا احتیاج ہے صرف اتنی ضرورت ہے کہ اس وجود مطلقہ کی فرمابرداری اور اطاعت کی جائے جو میرے لئے آسان ہے اور میں اس میں ہوں.

.....

سر مست باید در جهاں عاقل نه آید فاینما
مجنون باید ایجوان عاقل نه آید فاینما
کفار شد سرکار مازنار شد دستار ما
چیزے مگو درکار ما عاقل نه آید فایمنا
محبوب را مذکور کن اغیار را مقهور کن
معشوق را منظور کن عاقل نه آید فاینما
از خویشتن بیگانه شود اندرجهاں افسانه شو
از عقل خود دیوانه شد عاقل نه آید فاینما
عالم بود دارا العلم غافل در فکر غم
عاشق بود بارے بهم عاقل نه آید فاینما
سرمست او شیدا بود آزاده و رسوا بود
از خویش ناپید ابود عاقل نه آید فاینما
ایں فن ما مردانگی احوال ما فرزانگی
دیوان مادیوانگی عاقل نه آید فاینما

اندر صراحی جام ما جام مئے ایمان ما
جاناں بود مہمانِ ما عاقل نہ آید فاینما
"راجا" کشا مئخانحا خمھا بود در خانہا
خنداں شد دیوانہا عاقل نہ آید فاینما

عاشق اور عاقل

علمِ عرفان میں عقل اور عشق کے درمیان ایک جنگِ مسلسل ہے علم عرفان میں عشق جنون یا پاگل پن کا نام نہیں بلکہ عقلِ ناقص انسان معرفتِ عشق نہیں رکھتی جسکو عارفین نے عقلِ جزوی سے بھی تعبیر کیا ہے عقلِ تسلیمی اور عقلِ نورانیہ منزلِ کمال پر پہنچ کر عشق میں تبدیل ہوجاتی ہیں یعنی بدونِ عقلِ نورانیہ عشق نہیں ہے قلندرِ کبریا اس غزل میں عقلِ ناقص کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو عاشقوں اور عارفین سے بہت دور ہے اس لئے فرماتے ہیں سرمست ہوں اس جہانِ عالم

میں عاقل کو اس کی کیا معرفت ہوگی ہاں کوئی میرے معشوق کا مجنوں جوانی میں بن جائے لیکن اس دنیاوی عقل کا کیا کام ہے مجھے اپنے سرکار کے عشق میں کفر کی دستار پہنادی گئی اور کسی کو کافر کہنا آسان ہے ہر چیز بولنا آسان ہے لیکن عاقل کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی اس لئے محبوب کا ذکر کر..اور ان کے غیر پر قہر بن جا۔صرف معشوق کو راضی کر اس کا منظورِ نظر بن جا.عاقل نہیں آئیگا اس راستے پر....میں اس جہاں سے بیگانہ ہوں اس جہاں میں افسانے ہی افسانے ہیں...میری عقل خود دیوانہ ہے عاقل اس پہ نہیں آسکتا...عالم اپنے علم میں لاعلم ہے اور اسی غم فکر میں مبتلا ہے عاشق کے بارے میں عاقل کیا خبر دیگا..سرمست ہوں اپنے معشوق کا شیدا ہوں سرمست ہوں اور ایسی تکلیف میں رسوا ہوں اور یہ مستی عاقل میں ناپیدا ہے ممکن نہیں ہے کہ عاقل اس کی معرفت رکھ سکے...فن میرا مردانگی ہے...احوال میرا دانائی ہے دیوان میرا دیوانگی ہے عاقل کا گذر کبھی یہاں سے نہیں ہوسکتا میری صراحی کے اندر عشق کی شراب بھری ہوئی ہے اور یہی شراب میرا ایمان ہے

میرا محبوب میرا ایمان ہے عاقل نہ آئیگا اس میخانے میں اے راجہ مے خانے کو کھول کر رکھ اپنے گھر میں کیونکہ بہت سے رِند اور دیوانے آئیں گے. عاقل نہیں آئیگا.

صدهزاراں شکر پیش آریم باما یارشد
روئے خنداں با جمال نازنیں دیدار شد
دردو عالم کے بیا ید وصل جاناں را عزیز
وصل جاناں یافتهم چوں بخت من به در کار شد
دلبرم بر تخت خود درخواب مستی خفته بود
نام من بشنید پس اس خواب خود بیدار شد
بهردیدن روئے جانان مرده بودم سالها
زنده گشتم ناگهاں دیدار او هر بار شد
کوئے او هر بار رفتم تابه بینیم روئے او
لطف او برمن ننگر دیدار او هر بار شد
خاطرم افگار بود از درد هجراں سالها
بعد دیدن خاطرم فی الحال بے افگار شد
در جدائی مانده بودم کرد یکجا کارساز
بعد یکجا ناز بازی باضبم بسیارشد

چوں بخوردم آں شراب لم یزل از دست او
بعد خوردن جام گہہ مست و گہہ ھشیا رشد
چوں تجلی کرد جاناں بردل من ناگہاں
ایں دلم بعد از تجلی مخزن اسرارشد
چوں زِ فضلش جان من در سر اعظم در رسید
یک بیک آں سراعظم پیش من اظہارشد
مطرباں رازو دگوتا طبل شاھی در دھند
بخت "راجا" گرد سہون یار وی دو چارشد

دیدارِ یار

لاکھ لاکھ شکر ہے میں اپنے یار کے پاس موجود ہوں اور اس کا دیدار کررہا ہوں اس روح خندہ جمال نازنین کا دیدار مجھے نصیب ہوا....اس دو جہاں عالم میں میرے محبوب جاناں کا وصل مجھے معلوم ہے یعنی مجھے مقام محبوب اس دو جہاں میں آشکار ہے میرا محبوب تخت

پر بیٹھ کر اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اور میں خواب مستی میں بیدار ہوں. میرا نام لیکر مجھے پکارا میں خواب سے بیدار ہوا (نوٹ) قلندر کبریا اس غزل میں معشوقِ حقیقی سے دیدار کی گفتگو کر رہے ہیں اور یہ مستی دیدار حالتِ خواب میں ہے اور معشوق اپنے عاشق کا نام لیکر بیدار کر رہا ہے اس منزل پر مولوی معنوی حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:....

شمہ زیں حال عارف وانمود
خلق را ہم خواب حسی در ربود

ترجمہ (تمہیں کیا معلوم کہ عارفین کی نیند کیا ہے اُن کی کیفیتِ خواب کیا ہے جب وہ سو رہے ہوتے ہیں تو ان کا سونا بے خبری نہیں ہے بلکہ وہ اپنے جسم سے نکل کر دیدارِ یار کرتے ہیں....)

محبوب کے دیدار کی ہوس سے سالہا سال ہم فنا تھے اور ایک دم اس کے دیدار سے حیاتِ جاودانی عطا ہوگئی، اور بقا در بقا بن گیا میں اپنی یار کی گلی سے بار بار گزرتا ہوں کہ اس کا دیدار ہو جائے اور یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ وہ اپنا بار بار دیدار دکھاتا ہے یار کے دیدار کے شوق

میں سالہا دردِ ہجراں سے گزرا ہوں.. کہ کب مجھے وصل یار عطا ہو اور اس کے دیدار کی خاطر میرا دل زخمی زخمی ہو گیا ہے اس جدائی میں طلبِ دیدار کی خواہش ہی کارساز بن گئی. اور اس کے بعد محبوب سے ملاپ مسلسل شروع ہو گیا اور میں نے اپنے ہاتھ میں شرابِ عشقِ لازوال ہاتھ میں لی ہوئی ہے اور یہ جام پینے کے بعد کبھی میں مست ہوں کبھی میں ہوشیار ہوں اور میرے محبوب کی تجلی نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے یعنی جہاں میرا قلب ہے وہاں میرے محبوب کی تجلی ہے

(یعنی قلندرِ کبریا فرما رہے ہیں معشوقِ مطلقہ کی تجلی عارف کے قلب میں ہوتی ہے جس سے اس کا قلب قلب نہیں رہتا بلکہ لطیفہ روحانیہ بن کر کہیں قلب نورانیہ بن کر قلزم متلاطم میں تبدل ہو جاتا ہے)

اور جب اس تجلی کا ظہور میرے قلب پر ہوتا ہے تو اس تجلی کے پوشیدہ خزانے مجھ پر آشکار ہو جاتے ہیں اے راجہ ان رازوں پر سے زیادہ پردہ نہ اٹھا بات کو کوتاہ کر طبلِ شاہی تیری گفتگو میں ہے تو نیک بخت ہے سیہون کے گرد ہی یار ہے اور یہی چارہ گر ہے.....

پیش ازوجود هر کس کاتب نبفشته حرفی
جف الکلم بماهو اکهنوں چگونه گردد
آنرا که حق تعالیٰ میموں نه کرد هرگز
بعد ازهزار کوشش میموں چگو نه گردد
تدبیر بخت هر کس بیرونِ ز دستِ هرآنکس
اکهنوں زجستجوئی افزون چگونه گردد
زآتش درونِ دوزخ تقدیر برنه گردد
بعد ازهزار تدبیر بیرونی چگونه گردد
بوجهل در جهالت در کفر ماند حیران
آن بخت نحس کافر میمون چگو نه گردد
"راجا" بخواه رحمت زیراکه گفت احمد
مرحوم حق تعالیٰ ملعون چگونه گردد

مقدر

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں ہر وجودِ انسانی جس کی تخلیق کی گئی ہے اس کی تقدیر لوحِ محفوظ میں لکھ دی گئی اور جو کچھ لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اسے انسان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی مٹا نہیں سکتا.. کیونکہ اس کی تقدیر کی کتاب پر حق تعالیٰ نے اس کے آنے والی زندگی کے بارے میں لکھ دیا ہے انسان کتنی ہی تدابیر کرے اور کتنا ہی حیلے اور بہانے بنائے اس کی تمام تر کوشش اور جستجویں اس تحریرِ مطلقہ کے آگے بے بس نظر آئیں گی. اگر اس کے مقدر میں آتشِ دوزخ لکھ دی گئی تو اس آتشِ دوزخ کی نفی میں ہزاروں تدبیریں اپنی ناکامی کا منہ دیکھیں گی. ابوجہل اپنی جہالت اور کفر میں مست و حیران ہے اس کی نحس تقدیر کو کون بدل سکتا ہے. اے راجہ! تو آنحضرت محمد مصطفیٰؐ کی رحمت کا طلبگار رہ لیکن جسکو اللہ اور اس کا رسولؐ لعنتی قرار دے دے اس ملعون کی بخشش کہاں ہے یعنی قلندرِ کبریا فرما رہے ہیں اللہ اور اس کے محبوب رسولؐ نے جو کہہ دیا وہی اس کی تقدیر بن گئی... اور

جس پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی لعنت ہو اس کے لئے دنیاوی تمام تدبیریں اور بہانے بے فائدہ ہیں اور اس کو فنا ہو جانا ہے

.....

من آن درم که در بحر جلال الله بود هستم
بکوه طور با موسی کلیم الله بود هستم
بر آب زنده هم بودم به خضر زنده بود هستم
به سکندر در آن لشکر به لشکر گاه بود هستم
به اسماعیل پیغمبر به ابراهیم بن آذر
در آن وقت قربانی به قربانگاه بود هستم
گهے بر تخت گریانم گهے بر دار خندانم
عجائبها که من نه دیدم نه دید است و نه دید هستم
گهے قرآن می خوانم گهے زنار می بندم
گهے در مذهب ترسان بے محنت کشید هستم
دو صد جامه کهن کردم لباس فقیر پوشیدم
هر آن برج که من بودم هزاران یک رشید هستم
ایا ملّا مکن ظاهر به سر اسرار مردان را
نمی دانی نه دانستی که سر علی بود هستم

آیا شاہ حسین چرا مستئ در این عالم
بجز مستی و مدھوشی د گر چیزے نہ دانستم
(آیا شاہ حسین کہ دو عالم بادشاھی تو
مکان تا لا مکان جابت کہ دل آگاہ بود ھستم)

حرمتِ ولایتِ مطلقہ

جب قلندرِ کبریا نے ظاہری طور پر دنیا سے پردہ فرمایا تو ملاّ غسل دینے کے لئے آپ کے جسمِ مبارک سے لباس الگ کرنے لگا تو اُسے لنگوٹ بندھا ہوا نظر آیا ملاّ نے از روئے شریعت تمام جسم کو نہلانے کی غرض سے لنگوٹ ہٹانے کا ارادہ کیا جب ملاّ نے لنگوٹ الگ کیا تو اسے لوہے کا لنگوٹ نظر آیا اس لئے اس لنگوٹ کو جسم سے الگ کرنے کے لئے لوہار کو طلب کرنا چاہا تو اس وقت شہباز قلندر اُٹھ کر بیٹھ گئے اور یہ غزل فرمائی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قلندرِ کبریا مولا علیؑ سے اپنی نسبت اس طرح فرماتے ہیں کہ سگے کوئے شیر یزدانم یعنی میں مولا علیؑ کی گلی کا کتا ہوں ظاہر پرست ملاّ قلندرِ کبریا کا لوہے کا لنگوٹ نہ کھول

پایا لعنت ہو ان افراد پر جو مولائے کائناتؑ پر بشری تقاضوں کا اطلاق کرتے ہیں اور نعوذ باللہ ان پر متہ اور حیوانی خواہشات کا اطلاق کرتے ہیں. جاننا چاہیے کہ اللہ رب العزت کی قدرت اور صفات کے ظہور کو ولایتِ مطلقہ کہتے ہیں. یعنی عقلِ مطلقہ کے ظہور کا دوسرا نام ہی ولایت ہے. لہذا عقلِ مطلقہ ہی خالقِ موجودات ہے. جو خود تخلیق کرنے والا ہو. اِس پر لفظِ خلق کا اطلاق کرنا حرام ہے. مختصر یہ ہے جو لوگ ولایتِ مطلقہ پر خلق کا اطلاق کرتے ہیں. وہ اپنے ناقصِ عقل ہونے کا ثبوت دیتے ہیں. اسلئے مولائے کائناتؑ کا خطبۃ البیان عجائبات میں سے ایک عجب ہے... کیونکہ کُل عجائبات خواہ وہ عجائباتِ عقلیہ ہوں، عجائباتِ نفسیہ ہوں. عجائبات ملکوتیہ ہوں، عجائباتِ لاہوتیہ ہوں، عجائباتِ ناسوتیہ ہوں، عجائباتِ موجوداتیہ ہوں، عجائباتِ جنیہ ہوں، عجائباتِ تخلیقہ ہوں یعنی بے شمار عجائباتِ کے خالق کو ولایتِ مطلقہ یعنی مولائےؑ کائنات کہا جاتا ہے. قلندر کبریا کے اسرارِ و رموز بھی مولائے علیؑ کی عجائبات میں سے ایک عجب ہے. مختصر یہ کہ اللہ کا کُل

ظہور مولا علیؑ ہیں. اور مولا علیؑ کا ظہور قلندرِ کبریا ہیں؛ جب مولا علیؑ موت وحیات کے خالق ہیں تو قلندرِ کبریا بھی موت وحیات پر تصرف رکھتے ہیں. اس لئے ان پر بھی خلق کا اطلاق حرام ہے. کیونکہ وہ ولایتِ مطلقہ کی شبیہہ ہیں اور اس کے وارث بھی ہیں. اور جسے ولایتِ مطلقہ کا ادراک ہو جائے اس پر لفظِ موت کا اطلاق کرنا حرام ہے اس لئے یہ عارفین کا عقیدہ ہے کہ قلندرِ کبریا کائناتوں میں حاظر وناظر ہیں. کیونکہ جاننا چاہیے کہ معصوم کا ظہور ہوتا ہے اس کا ولادت کی گندگی سے کوئی تعلق نہیں. نعوذ باللہ نہ نطفہ نجس سے پیدا ہوتا ہے نہ نطفہ نجس ٹپکاتا ہے. وہ ولایتِ مطلقہ کی منزل پر معمورِ امر کن فکاں ہیں تو ہم کیسے مان لیں کہ ولایتِ مطلقہ کی شبیہہ اور جملہ کُل معصومینؑ کے وارث قلندرِ کبریا کو موت آسکتی ہے. اس لئے ظلم کرتے ہیں وہ لوگ جو اپنے غلیظ خیالات کی بنیاد پر ولایتِ مطلقہ کو اپنا جیسا سمجھتے ہیں وہ تو ابھی شبیہہِ ولایتِ مطلقہ اور ولایتِ مطلقہ کے وارث قلندر کبریا کی معرفت نہیں رکھتے کجا مولائے کائنات، مظہر العجائبات، کوکب دری اور

کائناتوں کے خالق کی معرفت کے جھوٹے دعوے دار بن جاتے ہیں.
مزید تفصیل کے لیے میری کتاب خطبۃ البیان یعنی اسرارِ ولایتِ مطلقہ کا مطالعہ کیا جائے. قلندرِ کبریا اس غزل میں بتانا چاہتے ہیں کہ اے ملاّ تجھے موت آسکتی ہے۔ میں تو موت وحیات پر تصرف رکھتا ہوں. میرے سلسلے حسینیؑ لال سلسلے ہیں. اے بد بخت تو میرا کیا لنگوٹ اتارے گا اسلئے یہ روایت غلط ہے کہ قلندر کبریا نے اپنی وفات کے بعد دوبارہ اٹھ کر یہ غزل کہی کیونکہ شبیہہ ولایتِ مطلقہ پر موت حرام ہے. قلندر کبریا فرماتے ہیں غزل میں..

ا۔ میں ولایتِ مطلقہ کے بحر بیکران یعنی جلال مولا علیؑ کا دروازہ ہوں. میں وہاں بھی تھا جب حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر تھے. اور وہاں ولایتِ مطلقہ میں مست تھا...

میں وہ مست ہوں. کہ میں زندہ تھا زندہ ہوں اور زندہ رہونگا اس لئے مجھ کو خضرِ راہ بھی سمجھو. کوئی بڑے سے بڑا سکندر ہو میں ہی اس کی لشکر گاہ میں موجود تھا اور سنو کہ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ

کی قربانی دے رہے تھے. تو اس عشق الہیٰ کی قربانیگاہ میں، میں موجود تھا.. میں وہ مست ہوں کہ کبھی کہاں ہوں کبھی کدھر ہوں. کبھی یہاں ہوں. ہر جگہ موجود ہوں. جو عجائبات میں نے دیکھے ہیں وہ کسی نے نہیں دیکھے. تم نہیں دیکھ رہے ہو میں خود بولتا ہوا قرآن ہوں. اور کبھی کائنات کا ساز بجا رہا ہوتا ہوں. اس لئے مذھب کی جہالت سے ڈرتا ہوں. اور اپنے معرفت کے سمندر میں ایک محنت کش ہوں. میں وہ مست ہوں جس نے سیکنڑوں سال پرانا لباس اتار کر لباس فقیری پہن لیا. اور دیکھو میں ان ہزاروں میں سے نہیں ہوں جو ہدایت لیتے ہیں میں خود ہدایت یافتہ ہوں. اے ملاُ مردوں کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر نہ کر. تو نہ راز مولا علیؑ کو نہ جان سکا تھا. نہ جان سکے گا.. اے شاہ حسین تو اس دو جہانِ عالم میں مست رہتا ہے. تیری اس مستی، مدھوشی کو کوئی نہ جان سکے گا....

گر تو بخواهی اے دلا تا شاه باشی دائما
بندی کمر آن متکا الا علیؑ اللّٰه رزقها
رازق مقدر بیطلب آیدترا در روز شب
راست گفتم زیں سبب الا علیؑ اللّٰه رزقها
قرآن را برحق شهر آیت ببین بادل اگر
از بهر روزی غم مخور الا علیؑ اللّٰه رزقها
اے آنکه در دل حق ترس او را روادیں است بس
باید بگیر دایں درس الا علیؑ اللّٰه رزقها
داری شرف اے دل اگر هردم بماں تو بیفکر
بر کوه باشی یابه بر الا علیؑ اللّٰه رزقها
شهباز تن راشاد کن خود خانه دل آباد کن
ایں سخن حق رایاد کن الا علیؑ اللّٰه رزقها

علیؑ اللہ رازق ہیں

قلندرِ کبریا بندہ عارف کے دل سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے دل اگر تو دائمی بادشاہت کی خواہش کرتا ہے تو کمر کو کس لے اور صرف اور صرف بھروسہ نہیں کر لیکن علیؑ اللہ رازق ہیں تیرا رزق مقدر ہے بے طلب ہے روز و شب کی محنت میں، میں تجھ سے صحیح کہہ رہا ہوں کہ نہیں ہے کوئی سبب رزق کا صرف علی اللہ ہیں رازق. جن کے دل حق ترس ہیں جو خوفِ خدا رکھتے ہیں وہ راہِ دین کو سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے لئے صرف یہی سبق ہے کہ نہیں ہے کوئی رازق سوائے علیؑ اللہ کے قرآنِ حکیم جو سرچشمہ حق ہے اس کی آیات مبارکہ انسانی قلب میں گھر کر لیتی ہیں اور دل کو لگتی ہیں کہ روزی روزگار کے لئے غم نہ کر صرف یہ سمجھ، نہیں ہے کوئی صرف و سوائے علیؑ اللہ رازق ہیں شرافتِ یعنی بلندیٔ دل یہی ہے کہ وہ ہر دم بے فکر ہو جائے مختلف صداؤں سے اور شرف دل یہی ہے کہ وہ جبل کے درمیان بھی ہوتا تو سوائے علیؑ اللہ کے کوئی رازق نہیں ہیں... اے شہباز تو شاد و آباد رہے اور خود اپنی قلب نورانیہ

کے گھر کو آباد کر اور یہ سخن حقِ مطلقہ ہے اور اسی بات کو جو حق ہے یاد کرلے رازق نہیں ہے سوائے علی اللہ کے۔

مولانا رومؒ کلیاتِ شمس تبریزی میں اس عارفانہ منزل کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ...

رازق رزق بندگان مطلوب جملہ طالبان
مامور امر کن فکاں اللہ مولانا علیؑ

یعنی مولانا رومؒ کے اس شعر اور قلندرِ کبریا کے کلام سے یہ بات واضح ہوئی کہ رزق روحانی رزق معنوی اور رزق ظاہری یعنی رزق مادّی دینے والے وہ ہیں جو مامور امر کن فکاں ہیں. یعنی مولائے کائنات یعنی ولایتِ مطلقہ رزق پر تصرف رکھتے ہیں ولایتِ مطلقہ کا ظہور مولا علیؑ ہیں....

شہباز لا مکانم بیرون ز کون و مکانم
سجود انس و جانم مطلب تو آشیانم
در دو سرائے لافم بہ رنگ نور صافم
عنقائے کوہ تافم مطلب تو آشیانم
بیچوں و بیچگونم بے شبہ بے نمونم
براتراز آں کہ چونم مطلب تو آشیانم
در عقل تونگنجم در فہم تو نہ سنجم
سیمرغہ کنت کنزاً مطلب تو آشیانم
بے نام و بے نشانم بے کام و بے دھانم
بے روئے بے زبانم مطلب تو آشیانم
"راجا" کہ مست مایم بے روح و دست پایم
از بہشت شش بر آیم مطلب تو آشیانم

شہباز لامکاں

قلندرِ کبریا فرماتے ہیں کہ میں وہ شہباز لامکاں ہوں جو کوں و مکاں سے آزاد ہے. جہاں جن وانس سجدہ کرتے ہیں جہاں انسانی عقل سجدہ کرتی ہے وہ میرا آشیانہ ہے. اور میرے مسافر خانے میں جو آتا ہے. اسکو میں اپنے نور سے صاف وستھرا کرتا ہوں. میرا آشیانہ عُنقائے کوہ کی مانند ہے. جس کے مطالب و معنی بہت ہی دشوار ہیں. میرے محبوب کی مثل میرے آشیانہ کی ہے. جس کی نہ کوئی شبہہ ہے نہ شکل ہے بلکہ اس سے برتر ہے اگر تو میرے آشیانہ کی سطح کا مطلب سمجھ سکے. کیونکہ وہ تیری عقل میں نہیں آسکتا وہ تیرے فہم وادراک سے بہت دور ہے. ہاں جو آسمانی مُرغابی ہے ایک چھپے ہوئے خزانے کا مطلب جانتی ہے یعنی قلندرِ کبریا فرمارہے ہیں کہ میرا آشیانہ وہ چھپا ہوا خزانہ ہے. جس کی معرفت عقل وفہم کے ادارک سے ممکن نہیں شہباز کی معرفت کے لئے شہباز کے آشیانے تک جانے کیلئے معرفت کے پرندے کی ضرورت ہے بے نام و بے نشان بے زبان و بے کام بے

شک اسِ کے معنی ہیں. یعنی میرا آشیانہ کے لئے محض انسان کے حواسِ خمسہ اور فہم و عقل کی پرواز کافی نہیں ہے بلکہ معرفتِ قلبی چاہیے.....

اے راجہ مست، میرے بے روح دوست ہیں، چھ بہشتوں کا مطلب ہے میرا آشیانہ، قلندرِ کبریا اس غزل میں فرمارہے ہیں کہ جس طرح انسان کا ظاہری شہباز کے آشیانہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے وہ شہباز جو کوں و مکاں سے آزاد ہے جو لامکاں کا شہباز ہو اس کے آشیانے تک کیسے رسائی ہوگی....

رقصم به رقصیم که خوبانِ جهانیم
نازیم به نبازیم که در عینی عیانیم
چون تشنه باشیم که دریائے محیطیم
چون گنج بجوئیم که ما گوهر کانیم
نه آبیم و نه بادیم و نه حاکیم و نه آتش
مائیم بهر صورت و ما کون و ما کانیم
نه اسمیم نه جسمیم نه بسمیم و نه سُمیم
نه سمیم نه جیمیم نه اینم و نه آنیم
در عقل نه گنجیم که آن نور خدائیم
در فهم نه آئیم که بے نام و نشانیم
چون براق سواریم بتازیم بلاهوت
ز کس باك نه داریم و اغیار برانیم
مطوب نه طلبیم که این طلب حرام است
الله نگویم که در شرك بمانیم

"شہباز" پریدیم واز خویش گذشتیم
با دوست بمانیم و بیدوست ندانیم

رقص

قلندرِ کبریا اپنی اس غزل میں رقصِ عارفانہ کی گفتگو کر رہے ہیں رقصِ عارفانہ سے مراد جسمانی ناچ وورزش نہیں ہے بلکہ بحرِ معرفت میں مردِ مومن کی مستی وعشق اور اسکی عارفانہ پرواز کا نام رقص ہے جیسا کہ پچھلی غزل میں قلندرِ کبریا نے اپنی عارفانہ پرواز کو پروازِ شہباز سے تشبیح دی اور وہ پرواز وہ رقص محض عالمِ ناسوت تک محدود نہیں تھا بلکہ عالمِ ملکوت عالمِ جبروت، عالمِ لاھوت و لامکاں کو گھیرے ہوئے تھا۔اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

مکانی ھوں کہ آزادِ مکاں ھوں
جہاں میں ھوں کہ خود سارا جہاں ھوں

وہ اپنی لامکانی میں رہے مست
مجھے اتنا بتا دے کہ میں کہاں ہوں

ایک جگہ اور فارسی زبان میں فرماتے ہیں

من کیم تو کیستی عالم کجا ست
در میاں ما و تو دوری چراست
من چرا در بند تقدیم بگوئے
تونہ میری من چرا میرم بگوئے

میں کیا ہوں تو کیا ہے عالم کہاں ہے میرے اور تیرے درمیان دوری کس بات کی ہے پھر جب دوری نہیں تو تقدیر کس بات کی ہے اور جب میں اور تو ایک ہو گئے یعنی تو مجھ میں اور میں تجھ میں، (نوٹ) ذرا اس منزل پر ٹھہر جایئے.

یعنی انسان اپنی حیثیت میں عالمِ اصغر ہے اور اپنی باطنی قوتوں کو بڑھا کر عالمِ اکبر میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عالمِ اکبر میں تبدیل ہو کر اس کا وجود اپنے وجود مادی یعنی وجود فانی کا محتاج نہیں رہتا بلکہ وہ عالم

عرفان کے لامحدود کمال میں پرواز کرتا ہے اس پرواز و مستی کو علمِ عرفان میں رقص کہا جاتا ہے۔

رقص کر رہا ہوں رقص میں رقص کر رہا ہوں اس خوب تر جہاں میں ناز کر رہا ہوں اور ناز میں ناز کر رہا ہوں جو ظاہر ہے ظہور ہے اور دیکھ رہا ہے جو بھی تشنہ ہے اس دریائے معرفت میں وہ اس دریائے معرفت سے چھپے ہوئے خزانے کو نکال رہا ہے اور معرفت کی کانوں سے لعل و گوھر پا رہا ہے... نہ آبی ہوں، نہ بادی ہوں، نہ خاکی ہوں، نہ آتشی ہوں یعنی قلندرِ کبریا فرما رہے ہیں کہ صاحبِ عارف کا عاملوں اور نجومیوں کی خرافات سے کوئی تعلق نہیں ہے میں ہر صورت میں موجود ہوں مکاں میں بھی ہوں لامکاں میں بھی ہوں. یعنی میرے عارفانہ رقص کی زد میں ہیں، میں کون و مکاں، نہ اسم ہوں، نہ جسم ہوں، نہ بسم ہوں، نہ رسم ہوں، نہ سمیم ہوں، نہ جیمیم ہوں نہ ہے نہ ہوں کیونکہ عقل اس خزانے تک پہنچ نہیں سکتی نہ معرفت کے خزانوں کا شمار کر سکتی ہے کیونکہ میں وہ خزانہ ہوں جسکو نورِ خدا کہتے ہیں میں انسانی فہم وادارک

میں نہیں آ سکتا کیونکہ میں اس کے فہم وادراک میں بے نام و بے نشان ہوں کیونکہ براق پر سوار ہوں یعنی براق میری سواری ہے سفر میرا لاھوت کا ہے کسی کی یہ سمجھ میں نہ آئیگا کیونکہ میں اپنے دشمنوں سے لاپرواہ ہوں مطلوب طلبگار نہیں ہوتا کیونکہ اس منزل پر طلب حرام ہے جس طرح یہ کہا جائے کہ اللہ نہیں ہے تو یہ شرک کے معنوں میں آتا ہے شہباز کی پرواز گزشتہ سے پیوستہ ہے وہ اپنے معشوق سے مل چکا ہے اور اس کے غیر کو نہیں جاننا چاہتا.

بے کام و بے زبانم مست الست هستم
بے نام بے نشانم مست الست هستم
در دیکه پاك زاده یارم مرا بداده
ساقی بیازباده مست الست هستم
هم شاه وهم گدایم هم وصل وهم جدائیم
در دو جهاں دایم مست الست هستم
من مرغ لا مکانم جز لامکان نه دانم
بر تخت قدسیانم مست الست هستم
شهباز شهسوارم پرواز قدس دازم
آنجا شکار آرم مست الست هستم
مفتاح غیب غیبم بر تراز نقص و عیبم
در نور پاك زیبم مست الست هستم
من شاه پاکبازم در عشق اهل رازم
باحق همی بنازم مست الست هستم

هژده هزار عالم یکسانیت در وصالم
ایں شد کمال حالم مست الست هستم
رفتم بعرش اکبر خوردم شراب اطهر
واصل شدم که اظهر مست الست هستم
سر مست مئے الستم از خیر وشر گذشتم
سر نهفته گفتم مست الست هستم
آیں زمئے بخیزم زاهد کند گریزم
نوشم و ناستیزم مست الست هستم
سلطان با وزیرم دانا و باد بیرم
در عشق او اسیرم مست الست هستم
گهه شاه و گهه گدایم گاهے بخود خدایم
گنبد رسد ندایم مست الست هستم
هر دو جهاں برستم زنار کفر بستم
مالک مقام هستم مست الست هستم

راجا کے نور حقم در ذات محض غرقم
اندر میاں نہ فرقم مست الست ہستم
با دوست عہد بستم درد ہر شاہ رفتم
بنگرچہ سخن گفتم مست الست ہستم
در پیچ زلف بندم ہر دم ہیمی بہ خندم
بے او گہے نہ زندم مست الست ہستم
جامے از عشق نوشم دنیا و دین فروشم
جز ایں دگر نہ گوشم مست الست ہستم
دریائے شراب آرم درد دل فروسپارم
بے مئے بقا نہ دارم مست الست ہستم
در کوئے مئے فروشاں عشاق جام نوشان
افتادہ سینہ جوشاں مست الست ہستم
مائیم عین وحدت آزاد ہم ز کثرت
باشد نہ ہیچ ملت مست الست ہستم

در روئے خوب رویان در چشم مست غلطان
دیدم جمال سلطان مست الست هستم
زاهد زمئے گریزد عابدز مئے مسیتزید
سر مست مئے پرستد مست الست هستم
دندان فراغ دستان در دور مست مستان
آئیند مئے پرستان مست الست هستم
جز نام او نه نام است جز عشق او حرام است
خبر ایں شرف کدام است مست الست هستم
از خویشتن بریدم بر دوست خود رسیدم
جز عین خود را دیدم مست الست هستم
گشتم ز خویش فانی رفتم بد و عیانی
دیدم بے نهانی مست الست هستم
چون غیر را شکستم کون و مکاں گذشتم
در لا مکاں نشتم مست الست هستم

بے دوست در غدابیم بے روئے اور خرابیم
شنوید اے خوابم مست الست هستم
آتش ز دل فروزم کونین را به سوزم
این سوز شب و روزم مست الست هستم
در ور دل رسیدم عین العیان بدیدم
سریکه من شنیدم مست الست هستم
شهباز شهسوارم پرواز قدس دارم
آنجا شکار آرام مست الست هستم
صحرائے غیب رفتم با شهنشاه نشستم
رازیک بود گفتم مست الست هستم
رفتم به عرش اکبر خوردم شراب اطهر
ختم به ناز دلبر مست الست هستم
دلبر به گفت "راجا" دائم بما تو این جا
با ماتو باش یکجا مست الست هستم

مست

قلندرِ کبریا اس غزل میں اپنے وجودِ مبارکہ کو مست سے تعبیر کر رہے ہیں جاننا چاہیئے کہ مست سے مراد ولایتِ مطلقہ کے عشق کی مستی ہے گناہ کیا ان لوگوں نے جنہوں نے اس مستی کو 'نعوذ باللہ' جنون اور دیوانگی کے مترادف سمجھا. اور یہ مستی صرف قلندرِ کبریا کے وجودِ مبارکہ کا خاصہ ہے. جہاں بندہ عارف اُس معشوقِ حقیقی میں فنا ہو کر مست ہے. بلکہ اُسی نورِ مطلقہ کا جزو بن جاتا ہے قلندرِ کبریا فرماتے ہیں کہ میں بے نام و بے زبان ہوں. اور بے نام و بے نشان ہوں اور نشہءِ ولا میں مست ہوں. میں اپنے معشوقِ حقیقی کے عشق کے دردِ پاک میں مبتلا ہوں. اے مرے ساقی آجا جلدی آجا. مجھے عشق کی شراب اور پلا دے. کیونکہ میں اسی میں مست ہوں. میں شاہ بھی ہوں گدا بھی ہوں. وصل بھی ہوں. جدا بھی ہوں یعنی نزدیک بھی ہوں دور بھی ہوں. اسی عشق میں مست ہوں میں معرفت کا مرغِ لامکاں ہوں جسے میرے مالک کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور مست ہو کر قدسیوں کے

تخت پر بیٹھا ہوا ہوں. وہ شہباز شہسوار ہوں کہ میری پرواز قدسِ نورانیہ کے دربار میں ہے. اُسی دربار کا میں شکار ہوں اور مست ہوں. میرے پاس وہ غیب کی چابی ہے. جسے آنکھوں کے نقص نہیں دیکھ سکتے. اور میں نے نور پاک کو پہن لیا ہے اور اسی نور پاک کے درمیان مست ہوں اس لئے میں وہ شاہِ پاک ہوں یعنی معرفتِ نورانیہ کا وہ پاک وجود ہوں. جو منزلِ عشق پر ایک راز ہے. اور حق میرا ناز ہے. اس لئے میں غیب کے صحرا کا شہنشاہ ہوں یہ راز کی بات میں نے کہہ دی اسی مستی میں، میں مست ہوں اٹھارہ ہزار عالم میرے وصل کے مقابلے پہ یکساں ہیں. اور یہی میرے حال کی منزل کمال ہے اس لئے میں مست ہوں میں عرش اکبر پر پہنچ کر شرابِ طہور پیتا ہوں. اور میرے یار سے وصل کا ظہور ہوتا ہے اور میں مست ہوں. میں نے الست کی شراب پی لی ہے خیر و شر سے ماورا ہوں. زاہدوں کی مختلف باتوں سے ٹکراتا ہوں نہ جھگڑتا ہوں. کیونکہ بحر معرفت میں مست ہوں سلطان بھی ہوں وزیر بھی ہوں، دانا بھی ہوں، اور اس عشق میں اسیر بھی

ہوں۔ کیونکہ مست ہوں، کبھی شاہ ہوں کبھی گدا ہوں. اور کبھی کبھی خود خدا ہوں. گنبد کی آوازوں سے مجھے کیا کام اپنی مستی میں مست ہوں اس دو جہانِ عالم میں میری مستی بظاہر کفر نظر آتی ہے میں اس مستی کا مالک مقام ہوں اور مست ہوں راجہ نورِ حق عیاں ہے. اور ذاتِ خاص پر محیط ہے اور وجود کے اندر کوئی فرق نہیں ہے اس لئے مست ہوں یعنی میں اس ذاتِ پاک میں فنا ہو گیا ہوں میرے وجود کو اس نورِ مطلقہ نے گھیر لیا ہے. اب عاشق و معشوق کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہا.. میں نے اپنے یار سے جو عہد و وفا کیا ہے اس عہد و وفا کے درد کا میں شاہ ہوں خیالات اس پر کیا سخن گوئی کرینگے میں تو ازل سے مست ہوں... میں اپنے یار کی پیچ و زلف میں بندھا ہوا ہوں. اور اسی میں خنداں ہوں اور اس کے علاوہ نہ کچھ ہے اور نہ ہوگا. میں ازل سے اس میں مست ہوں میں نے جامِ عشق پیا ہے. اور اس جام عشق کی انتہا یہ ہے کہ دین و دنیا سے ماورا ہوں. یعنی ظاہری باتوں کو فراموش کر چکا ہوں اور اس سے زیادہ گفتگو نہیں کرتا. کیونکہ ازل سے مست ہوں دریا

عشق کی شراب میں گم ہوں یعنی معرفت کے بحر بیکراں کی شراب میں مست ہوں. اور در دِ دل میرا عشق و پیار ہے اس کے علاوہ میں کسی شرابِ بقا کو میں جانتا ہی نہیں ہوں کیونکہ اس مئے کے علاوہ کہیں بقا نہیں ہے اسی لئے ازل سے مست ہوں میں نے معشوق کی گلی میں شراب عشق خریدتا ہوں اور در دِ عشاق سے جام بھر کر پیتا ہوں اور میرا سینہ اس درد سے افتادہ ہے اسی لئے ازل سے مست ہوں میں اس منزل پر خود عینِ وحدت ہوں اور کثرت سے آزاد ہوں میں کوئی مذھب نہیں رکھتا بس ازل سے مست ہوں. میری چشمِ مست نے اس محبوب کا دیدار کیا ہے اور اس جمال کے دیدار سے میں ازل سے مست ہوں زاہد، عابد کا مئے سے کیا کام یہ تو سرمست کا کام ہے جو شرابِ عشق کی پوجا کرتا ہے اور ازل سے مست ہے رندانِ سخی اس منزل پر مست و مستاں ہیں اور اس مئے کے پجاری ہیں. محبوب کے نام کے علاوہ کوئی اور نام نہیں جانتا کیونکہ اس عشق کے علاوہ ہر عشق حرام ہے. خیر اس مشرف عشق کی اسی ہے میں الست سے مست ہوں

میرے معشوق نے خود آشکار کر دیا ہے اور اس کے ظہور کو میں نے خود دیکھا ہے اسی لئے ازل سے مست ہوں. اسی معشوق کے گرد گشت کر کے میں اس میں فنا ہو جاتا ہوں اور کبھی عیاں ہو جاتا ہوں. یعنی کبھی غائب ہو جاتا ہوں کبھی ظاہر ہو جاتا ہوں. اس لئے اسرار نہانی میں مست ہوں اسی لئے ازل سے مست ہوں. اور میں نے غیرِ یار کو توڑ پھوڑ دیا ہے کون و مکاں سے ماورا ہوں لامکاں میں بیٹھا ہوں اور ازل سے مست ہوں میرے دوست کے بغیر سوائے عذاب کے کچھ نہیں اور سوائے خرابات کے کچھ نہیں یہ ہے میرا جواب سب کے لئے کیونکہ ازل سے مست ہوں، آتشِ عشق سے میرا دل تاباں و درخشاں و فیروزاں ہے اور اس جہاں میں برباد ہوں یہی سوز و شب ہر روز ہے کیونکہ ازل سے مست ہوں دل کا نور ظاہر و ظہور رہو گیا ہے. اور اسی میں میں مست ہوں میں شہباز شہسوار ہوں اور میری پرواز اس سے اعلیٰ ہے اس قدس اعلیٰ میں میں شکار ہوا اس لئے ازل سے میں مست ہوں. یاد رکھو میں اسرارِ غیب کے صحرا کا شاہ بھی ہوں اور تمام رازِ

معرفت بیان کر رہا ہوں کیونکہ میں ازل سے مست ہوں اور اپنی مستی میں مست ہوں میں نے عرشِ اکبر پر وہ پاک و پاکیزہ شرابِ معرفت پی لی ہے وصال میں واصل ہوا ہوں میں اپنی مستی میں مست ہوں میں کبھی اپنے آپ سے لڑائی کرتا ہوں اور کبھی میں زاھد سے نہیں ٹکراتا ہوں کیوں کہ میں سرمست کی اطاعت کرتا ہوں اور اپنی مستی میں مست ہوں..

میرے معشوق نے کہا ہے کہ اے میرے عاشق ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجا میں تیرا ہمدم رہوں میں اپنی مستی میں مست ہوں شہباز محو پرواز ہوں ملکوتی پرواز پر معرفت کے لامکاں میں اُڑ رہا ہوں اور اپنی مستی میں مست ہوں.....

زعشق دوست هر ساعت درونِ ناری رقصم
گهے بر خاك میغلطم گهے بر خارمی رقصم
شدم بدنام در عشق مش بیا اے پار ساهم بین
نمی ترسم زر سوائی سر بازارمی رقصم
بیا اے مطرب و ساقی سماعُ و ذوق را درده
که من از شادی و صلش قلندر رارمی رقصم
مرا مخلوق می گوید گدا چندان چه می رقصی
به دل داریم اسرارے از آن اسرارمی رقصم
خلائق گر کند برمن ملامت زین سبب هر دم
مگر نازم بر ایں ذوقیکه پیش یارمی رقصم
اگر صوفی شوی یارم تا ایں خرقهه پوشیم
چه خوش زنار بربستم به ایں دیدارمی رقصم
چوں یارم جلوده به نماید مرا مدهوش می سازد
نمی دارم که آخر چوں دم دیدار می رقصم

حباب دوستان در دل کجا ایں قلقله مینا
که تو کم نغمه می سنجی ومن بسیار می رقصم
تو آں قاتل که از بهر ت ماشه خونن می ریزی
من آن بسمل که زبر خنجر خوانخوار می رقصم
خوشا رندی که پا مالش کنم صد پارسائی را
زهی تقوی که من باجبه و دستار می رقصم
تپش چوں حالتمی آرد بروی شعله می غلطم
خلش چوں لذتی بخشد ته نوك خار می رقصم
بیا جانان نه ما شه کن که در انبوه جان بازان
بصد سامان رسوائی من سر بازار می رقصم
من شاه حسین که یار خواجه منصورم
نه لرزم از ملامت آن که من بردار می رقصم

عزاداری اور رقص

جیسا کہ ہم نے پہلے بس اس بات کی وضاحت کی تھی کہ رقص سے مراد دراصل قلندرِ کبریا کی پروازِ ملکوتی ہے کیونکہ قلندرِ کبریا کا وجودِ نورانیہ زماں و مکاں کی بندشوں سے آزاد ہے اور ان کا نشیمن بحیثیتِ شہباز لامکاں میں ہے۔ وہ اپنے معشوقِ حقیقی کے عشق میں مست ہیں۔ کون معشوق حقیقی مولا علیؑ۔ اس عشق میں درد کیسا یعنی درد مولا حسینؑ، عارفین کے نزدیک عزاداری غمِ حسینؑ نہیں ہے کیونکہ غم کے بعد خوشی ہے۔ یہ دردِ حسینؑ ہے اور درد کے بعد شعور بیدار ہوتا ہے۔ اسی لئے دردِ حسینؑ عارفین کی صلوۃ اعلیٰ ہے۔ اس کا کسی مخصوص مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یا حسینؑ یا حسینؑ وہ صلوۃ ہے جو انسان کے شرک باطنی کا خاتمہ کرتی ہے۔ اس کو عام فرقہ پرست شیعہ سنی کیا جانے گا۔ ان کو عارفین کی اس صلوۃ کی معرفت ہی نہیں ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ قلندرِ کبریا کانٹوں پر لوٹھ پوٹھ کر یا حسینؑ یا حسینؑ کرتے تھے... اسلئے قلندرِ کبریا کے تمام سلسلے عارفانہ حسینیؑ سلسلے ہیں رقص اور مستی کی تشریح

وضاحت کے ساتھ ہم پہلے کر چکے ہیں. دراصل یہ مستی ولایتِ مطلقہ کے عشق کی مستی ہے. یہ رقص معرفت مولاؑ اور عشق مولاؑ میں پرواز کرنے کا رقص ہے اور دھمال کیا ہے. یہ وہ حدیثِ عشق ہے جس کے لئے کہا گیا کہ...

حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسین رقم کرد دیگر زینبؑ

یعنی جب تپتی ہوئی ریت پر آگ پر کربلا کے اسیران کو چلایا گیا اور عصمتِ مطہرات کے ہاتھوں کو سروں سے باندھا گیا ایک ہی رسی میں بڑے اور چھوٹوں کی گردنوں کو پرو دیا گیا. اور اس آتش زدہ تپتی ہوئی زمین پر کبھی ایک پاؤں اٹھتا ہے کبھی دوسرا پاؤں اٹھتا ہے. اس لئے ہر دھمال میں قدیم درویش و فقراء کو اگر بغور دیکھیں اور مشاہدہ کریں تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر وقت دھمال کبھی ایک پیر اوپر کرتے ہیں کبھی دوسرا پیر نیچے کرتے ہیں. اور یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدا دیتے ہیں.. میں اپنے معشوق اپنے مولا حسینؑ کے عشق

میں ہر وقت آگ پر رقصاں رہتا ہوں. کبھی خاک پر لیٹتا ہوں کبھی کانٹوں میں رقص کرتا ہوں اپنے مولاؑ کے عشق کی وجہ سے بدنام ہوگیا ہوں لیکن میں اس رسوائی سے نہیں ڈرتا ہوں اور بازاروں میں رقص کرتا ہوں اے ساقی آجا اور مجھے عشق کی شراب پلادے مجھے وصال محبوب کی خوشی میں کچھ سننے کا شوق ہے میں قلندر وار رقص کرتا ہوں مجھے لوگ کہتے ہیں یہ فقیر کانٹوں پر، آگ پر رقص کرتا ہے. دراصل یہ راز کی باتیں ہیں اور انہیں اسرار و رموز کے تحت میں رقص کرتا ہوں اگر یہ فانی دنیا والے مجھ پر ملامت کریں تو میرے اندر میرے معشوق حقیقی یعنی میرے مولاؑ کا عشق ہے اس لئے برملا رقصِ معرفت کرتا ہوں مجھے ناز ہے کہ میں اپنے محبوب کے سامنے رقص کر رہا ہوں. صوفی کو میری کیا معرفت اور ملاّ کو کیا معرفت اور کبھی میں ساز بھی بجاتا ہوں. اے قاتل تو نے مجھے زہر دے کر قتل کیا ہے. میں مانندِ بسمل خنجر کے نیچے بھی رقص کرتا ہوں. میں شعلوں کی تپش میں اور کبھی خاردار نوکوں پر عشق کی لذت سے آشنا ہوتا ہوں کیوں کہ اس عمل سے مجھے لذتِ عشق ملتی ہے

آجا میرے محبوب جلدی آ دیکھ تیرے اس بازار میں میرے پاس صرف سامانِ عاشقی ہے جو میرے لئے سامانِ رسوائی بن گیا ہے اور میں سربازار رقص کر رہا ہوں شاہ حسین خواجہ منصور کا جگری دوست ہے لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں اور میں تختہ دار و سولی پر بھی رقص میں رہتا ہوں. میں اپنے مولا کا رند ہوں مجھے ملا کی پارسائی اور جبہّ اور دستار سے کیا لینا میرا تقوی تو یہ ہے کہ میں جبہّ اور دستار میں بھی رقص کرتا ہوں..

.....

جز دوست ذکر، هیچ نکردیم نه دیدم
رفیتم برآن دوست همان دوست گزیدم
با دوست کسانیکه نه باشد عمر رفتم
بربام فلک قدس چنیں شود شنیدم
مرغان سحر خیز هم آن بانگ کشیدند
کر بهر دلا رام چنین خوش به پریدیم
از خویش بصیرید که آن موت حیاتست
والله که از موت بمقصود رسیدیم
ایں شربت خونی بجز آن خون جگر نیست
مانیم که با خون جگر خویش چشیدیم
داریم سر و مال و قیل و قال در آنجها
"راجا" که پس آنجائی چه خوش لعل خریدیم

دوستِ حقیقی

میں اپنے دوست کے علاوہ نہ کسی کا ذکر کرتا ہوں نہ کسی کو دیکھتا ہوں میں اپنے دوست کے ہمراہ رہتا ہوں اُسی کے ساتھ سفر کرتا ہوں اُسی کے ساتھ وقت گزارتا ہوں.. یہ انسان نما دوست جنکی عمر رفتہ برباد ہے وہ میرا دوست نہیں ہے.. بلکہ آسمانوں وفلک اور ملائکہ میرے دوست سے واقف ہیں سحر کے وقت مرغ اُس کی شان میں اذان دیتے ہیں اور میرے محبوب کی شان میں خوش ہو کر قصیدے پڑھتے ہیں اس کی بصیرت نگاہوں میں ہے موت وحیات، واللہ کہ موتِ مقصود پر اس کا تصرف ہے اس شربتِ خونی کا کیا معلوم کسے کہ صرف میرے دوست کے خون جگر، یعنی میں اس کے خون جگر سے پیوست ہوں اور دیکھ رہا ہوں مال واسباب اور قیل وقال سے کیا فائدہ اور ان تمام چیزوں سے بڑھکر تجھے یہ خوشی نہیں ہے کہ اے راجا تو نے معرفت کا لعل خریدا ہے

چون طمع بریدیم و از خویش گذشتیم
با دوست ببا شیم و بی دوست نه خواهیم
در عشق چنانیم که معشوق فراموش
در ذکر چنانیم که مذکور نه داریم
تفویض همه کار چون برباد بکردیم
دیدار بجویم و غم فردوس نه داریم
آزاد به گشیتم چو از خویش برستیم
تا یار چنین باد که این حال بیایم
از درد و فراقش بمه حال بناسیم
تا این که شب و روز هیمی عین وصالم
اسرار خرابات به مستان خرابات
خفاش چه داند که بخورشید سواریم
براق چه راندیم زناسوت به لاهوت
از بعد گذشتیم که در قرب تمامیم

لاھوتی و جبروتی و ملکوتی و ناسوت
در جملہ بینم چوں ایں پردہ کشائیم
"راجا" بہ تماشائے جہاں گشت عظیمت
اما چہ توان کرد کہ آن چشم نہ داریم

لالچ کو چھوڑ عشق کی منزل پر آ

لالچ کو چھوڑ دے اور حقیقت سے پیوستہ ہو جا. حقیقت کیا ہے کہ لالچ سے پیوستگی چھوڑ دے. اور دوست کو حاصل کر اور دشمنوں کی خواہشوں کو چھوڑ دے.. عشق کیا.. جو معشوق میں ہے اسے فراموش نہ کر... بس ذکر معشوق کر... وہی حقیقت ہے اور میں یہی کرتا ہوں... کتنے لوگ ہیں... جو تباہ و برباد ہو گئے فقط اس غم میں برباد ہو گئے کہ جنت کا دیدار کریں... تو ان چیزوں سے آزاد ہو جا... اور حقیقت سے پیوستہ ہو جا... اور فقط جیسے میں صرف اپنے یار کا ذکرِ حال کر رہا ہوں اور میرے اس دردِ فراق کو سمجھ کہ اس سے نکل کر شب و روز اُس کا دیدار کر رہا ہوں

اسرارِ خرابات یعنی رازِ خرابات اور مستان کے خرابات کو چمگاڈر کیا دیکھے گی کیونکہ میں اُس خورشیدِ مطلقہ پہ سوار ہوں یعنی نور میری سواری ہے میں بُراق کا سوار ہوں. ناسوت سے لاہوت تک میری سواری ہے. اور میرا قرب معشوق کیساتھ اسکی تکمیل ہے. لاہوتی، جبروتی، ملکوتی، اور ناسوتی یہ سب کچھ میری نگاہوں میں ہے اور میں اُن سے پردہ اٹھا رہا ہوں ...اے راجہ وہ شخص بے تماشا جہان میں گشت کرتا پھر رہا ہے. اور عطاوں سے محروم ہے اس لئے اسکی تمام کوشیش بیکار ہیں...اُس کے پاس میری وہ نگاہیں نہیں ہیں جن نگاہوں سے ہیں اسرارِ ولایتِ مطلقہ کا دیدار کرر ہا ہوں..

"دانید چه ذاتیم راز اوصاف جدائیم
بر وصف که خوانیم به تحقیق ہمائیم
بے باك رسیدیم به میدان محقق
بردار بگویم ونه مردان را ریائیم
پرواز به لاهوت بکردیم رسیدیم
دیدیم تماشا که به ناسوت چه مائیم
چه بجروت چه ملکوت چه افلاك چه دهور
همه زیر قدم ماست که سیمرغ سمائیم
"راجا" برفتا عشق خریدیم و مستم
رقیصیم وَبہ نازیم که برراہ بقائیم

ذاتِ مطلقہ محض صفت کا نام نہیں ہے

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرمارہے ہیں کہ ذاتِ مطلقہ کو محض صفت نہ جانو محض صفات اس کی ذاتِ مطلقہ کا ادراک نہیں کرسکتی ہیں جناب

امیر المومنینؑ فلسفہ توحید میں فرماتے ہیں وہ رب العزت جس تک فکروں کی بلند پروازیاں پہنچ نہیں سکتیں وہ عددیّت، صفت اور موصوف کے فلسفہ سے ماورا ہے اس کی طرف اگر اشارہ بھی کیا گیا یعنی جس نے اشارہ کیا اس نے دوئی پیدا کی یعنی محض اسے صفت جاننا اسکو محدود کرنے کے مترادف ہے.. اسلیئے قلندرِ کبریا فرماتے ہے کہ سمجھو! اے لوگوں کہ وہ ذاتِ پاک جدا ہے اور اسکی صفات جدا ہیں بے خوف اتر کے محقق اس میدان معرفت میں.. کیوں کہ سولی پر انا الحق کر کے وہ ہی مرد بے ریا چڑھتے ہیں جنہیں کوئی خوف نہیں ہوتا جب ہماری پرواز لاہوت پر ہے اور ہم نے منزلِ لاہوت کو پالیا ہے تو عالمِ ناسوت کے تماشوں کے دیکھنا ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا ہے. کیا جبروت ہے تو کیا ملکوت اور کیا ہیں آسمان و دھر سب کچھ میرے زیرِ قدم ہیں اور میں معرفت کا پرندہ بن کر پرواز کر رہا ہوں اور سب مجھ میں سمائے ہوئے ہیں اے راجا خوش ہو جا تو نے عشق خرید لیا ہے اور مست ہے اسی مستی میں رقص کر اور ناز کر کیوں کہ یہی راہ بقا ہے.

روئیکه من بدیدیم اندر عیان نگجند
لذت جمال آنرو اندر جهان نگجند
آن روئے محض مطلق هیچوں بیگچونست
از وهم و فهم بیروں صورت در آن نگجند
گر کس مرا بپرسد چیزے بده نشانی
آن روئے بے نشانست اندر نشان نگجند
اندر کنار جانان اسرارها بگفتم
جبرئیل به ملائکه اندر میاں نگجند
پرواز مرغ قدسی جز لا مکان نباشد
مرغ لا مکانی اندر مکان نگجند
حضرت که لاابالی پروائے کس ندارد
آن کس که کس نباشد اندر مکان نگجند
بسیار زور باید در کار پهلوانی
مرد ضعیف و لاغر در پهلواں نگجند

پیش از قضا و کرسی ران زحق گرفتم
این قیل و قال کسی راهرگز دران نگجند
تیرے بدست دلبر آید جگر بدوزد
آن تیر ناگهانی اندر کماں نگجند
بادے وزد قضا را آتش زغیب خیزد
آفت رسد هماں دم اندر گماں نگجند
این خاك بے ادب راچه نسبت به اوچه باشد
اما چون نوازد کس را زبان نگجند
عصیاں نقش آدم از فضل گر پزیرد
تقدس روح پاکاں نسبت درآں نگجند
این لقمه چوں چرارا اندر قضائے باری
کس رابه هیچ خالے اندر دهان نگجند
بادست خود پیاله دانی چه ذوق دارد
باذوق آں پیاله باغ جنان نگجند

همت بلند باید عشاق مست مئے را
مردے خمیس همت در عاشقاں نگجند
بلبل چون گل بنید گویا به گل نشیند
بیچاره زاغ مسکینیی با بلبلاں نگجند
در داستانِ شهرش بیگانه راچه مدخل
آنکس که نیست محرم در داستان نگجند
دائم وصال با دا خیزایں حرام بادا
بادے وصال دائم اندر نشان نگجند
اندر جمال جانان "راجا" دوام غرقسنت
از مرتب و مالش اندر جهاں نگجند

میری پروازِ معرفت تک کسی کی رسائی نہیں یعنی اس کا کوئی پیمانہ نہیں

جس معشوق کا جس ذاتِ مطلقہ کا میرا دل دیدار کر رہا ہے جو میرے

اندر موجود ہے ظاہر ہے اس تک کوئی پہنچ نہیں سکتا وہ ذاتِ مطلقہ پاک احد ہے اس کا بیان ممکن ہی نہیں ہے وہم وفہم کے ادراک سے باہر ہے اس کی ظاہری صورت سے اس کی حقیقی صورت کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں کوئی بھی میرے قلب میں پوشیدہ نشانیوں کی نشاندہی نہیں کر سکتا ہے میرے اندر میرے معشوق کے لامحدود اسرار چھپے ہوئے ہیں تو میں بیان کر رہا ہو جبریل تمام ملائکہ کے سمیت بھی اس اسرار ورموز کے دنیا میں داخل نہیں ہو سکتے معرفت کے پرندے کی پرواز بھی اس لامکاں تک نہیں پہنچ سکتی یعنی وہ لامکانی معرفت کا پرندہ بھی میرے مکان میں داخل نہیں ہو سکتا میرے معشوق وسرکار کی بارگاہ میں میری پرواز کیا ہے اے لاابالی ہر کس و ناکس کی جرات نہیں ہے کہ اُس معرفت کے مکان تک پہنچ سکے...بہت زور چاہئے اس پہلوانی میں مرد ضعیف اور لاغر یعنی بے معرفت مرد اس معرفت کی پہلوانی میں کیا داخل ہوگا..صدرۃ المنتہہ اور قضاو کرسی کے اسرار ورموز جو حق ہیں میں ان رازوں کو جاننے والا ہو اور یہ راز میری گرفت میں ہیں یہ قیل وقال

کرنے والے ہرگز اس مقام پر پہنچ نہیں سکتے اور نہ ہی اس مقام کی پیائش کر سکتے ہیں میرے محبوب معشوق کے ہاتھوں سے تیر نکل کر میرے جگر میں پیوست ہو گیا ہے وہ تیر جو کماں میں ہے اس تیر نا گہانی تک تو نہیں پہنچ سکتا یہ ہوا محض آتش قضا کی زد میں ہے جو کہ ایک غیب ہے ہر دم آفت پہنچ سکتی ہے لیکن یہ بھی میرے اندر نہیں آسکتی اے خاک بے ادب اے بے ادب انسان تیری کیا نسبت اس اعلیٰ سے لیکن جب وہ اعلیٰ ذات نوازنی ہے تو وہاں ہر کس و ناکس کی زبان بند ہو جاتی ہے..اے آدم (انسان) جو نقشہ گنہگار ہے جسے رب العزت نے اپنے فضل سے نوازا ہے پاک و مقدس روح سے تیری کوئی نسبت نہیں ہے اور نہ ہی تو اس تک پہنچ سکتا ہے کیوں چوں چرا کا لقمہ دے رہا ہے کیوں اس باری تعالیٰ کی قدرت میں چوں چرا کر رہا ہے کوئی بھی اس کے قدرت کے بارے میں کا زبان کھولے گا اس کا منہ معرفت سے خالی ہے اپنے ہاتھ سے عشق کا پیالہ پینے میں کیا مزا ہے کیا تجھے اسکی خبر ہے یا تو شرابِ عشق پینے کا ذوق رکھ سکتا ہے، اُس

شرابِ بہشت کو پی سکتا ہے وہاں تیری رسائی ممکن نہیں بابا

اعلیٰ عشاق ہی اس شراب میں مست ہو سکتے ہیں بے ہمت

نامرد، عاشقوں کی مجالس میں نہیں بیٹھ سکتے معرفت کی بلبل جہاں

عرفان کے پھول دیکھتی ہے اس میں گنگنا کر بیٹھ جاتی ہے بے چارہ

مسکین پرندہ کوئل کہاں معرفت کی بلبلوں کے درمیان رک سکتا ہے

معرفت کے شیر کے داستان میں بیگانہ فرد کا کیا دخل جو اس معرفت کی

داستان سے واقف ہی نہیں ہے وہ داستان معرفت کو کیا پائے

گا..وصالِ محبوب دائمی ہے اور ہمیشہ باد ہے اس کے علاوہ تمام وجود

حرام باد ہیں محبوب کے حسن و جمال میں راجا کو دوام حاصل ہے اسی

میں، میں محو ہوں اس مرتبہ اور مقام تک کوئی کیا پہنچ سکتا ہے نہ ہی اس

کی پیمائش کر سکتا ہے۔

تا نه بیند نیک جاناں ترک دنیا کئے بود
باوجود ما سوائے اللّٰه بوئے مولا کئے بود
ایں جواں تا باز نه آئی از بیاں لا اللّٰه
صد هزاراں جان بیازی الا اللّٰه کئے بود
ترک دنیا شد عبادت حب دنیا سر خطا است
آں جمال نازنیں بے ترک دنیا کئے بود
مردماں در چاه زنده در جهاں افتاده اند
بے رسن هم مردماں از چاه بالا کئے بود
نزد مرداں چیست دنیا زهر قاتل آمد ه است
زهر خوردن ایں جواں ایں کارنادان کئے بود
عاشقاں را در دو عالم جز خدا محبوب نیست
پیش مجنوں هیچکس جز نقشے لیلے کئے بود
دیگرانرا زیب باشد اینجوان در ملها
جان مارا در جهاں بے عشق زیبا کئے بود

تا بہ تیغ دلربا مقتول نبود در جہاں
در میان بہشت خاصاں جائے اورا کئے بود

حُبِ دنیا

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں کہ جس نے محبوبِ حقیقی کا دیدار نہیں کیا ہو وہ کس طرح اس دنیا کو چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اس غزل کا مرکز مولائے کائنات علی المرتضیٰؑ ہیں اور مولاؑ نے خود فرمایا ہے کہ میں اس بوڑھی دنیا کو تین بار طلاق دیتا ہوں اس لئے جن افراد میں حُبِ دنیا ہے وہ کیا مولاؑ کا دیدار کریں گے ان کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ معرفت کے سمندر میں تیر سکیں قلندرِ کبریا فرماتے ہیں کہ اللہ کی خوشبو تو مولاؑ میں ہی آسکتی ہے اور کسی وجود میں آ ہی نہیں سکتی..

اے جوان کیا اللہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے باز آ جا اللہ کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکتا تو سو ہزار حیلے تراش لے مگر اللہ کے وجود کا ادراک نہیں کر سکتا اس کی معرفت تیرے لئے محال ہے سن اے جوان

ترک دنیا عبادت ہے حُبِ دنیا سراسر خطا ہے. جمالِ نازنین کی معرفت حُب دنیا کے ساتھ ممکن نہیں ہے اس کے لئے دنیا کو ترک کرنا ضروری ہے اے مرد تو دنیا کے کوئیں میں قید ہے اور اس دنیا کی افتاد میں پھنسا ہوا ہے بغیر عشق کی رسی کے تو اس دنیا کے کوئیں سے بالا نہیں ہوسکتا.

مردوں کے نزدیک دنیا کیا ہے مثل زہر قاتل ہے اے جوان تو نے یہ زہر کھالیا ہے اب تو کیا کرسکتا ہے.

کیونکہ عاشقوں کے نزدیک خدا کے علاوہ اور کوئی محبوب نہیں ہے جس طرح مجنوں کو سوائے لیلیٰ کے ہر چیز ہیچ نظر آتی تھی۔۔

اے جوان تو دنیا کی خوبصورتی زیب و زینت میں اُلجھ گیا ہے جبکہ ہمارے محبوب کے علاوہ اس جہاں میں کوئی کیا عشق زیبا ہوسکتا ہے اس جہاں میں محبوب کی تلوار کے سوا قتل نہ ہونا مقام بہشت وہاں ہے جو اپنے محبوب کے عشق میں مقتول بن گئے اور فنا ہوئے، کسی ادنیٰ کس ناکس کا کیا کام اس منزل پر.

فانی است هر همه چیز ایں دار بقا نیست
بردار دل خویش که اینجائے وفا نیست
ایں دل بکسے دہ کہ نہ مردہ است نہ میرد
آں مرد بود مردہ کہ در عشق خدا نیست
آں موت حیاتست کہ در کوئے حبیب است
موتیکہ در آنِ کوئے نبودست بجا نیست
صد روح بداند چہ داوند در آں جسم
چوں عشق خداوند در آں روح رواں نیست
ماراست نکردیم اگر راست بہ ناریم
ماراست ببازیم کہ اینجائے دغا نیست
از خویش جدائیم کہ باحسن بنازیم
افسوس جدا ماند کہ از خویش جدانیست
ما آہ نکردیم اگر برآمد تیغ
بگریز از ایں تیغ گر این عشق ترانیست

یک ولایت بادو سلطان بادشاهی راست نیست
یک زن را بادو شوهر عقد بیجائی کئے بود
اینجوانان راغیر ماندن ظلم کردن بر خود است
ظلم کردن برتن خود کار بینا کئے بود
هر چه داری جز خدا بگزار یک بیک اے رفیق
چاکر مخلوق ماندن کار دانا کئے بود
این چه بینی نقش "راجا" چند روز بیش نیست
چوں بجوئی نقش رنگ آن محیا کئے بود

یہ دنیا فانی ہے یہاں بقا نہیں ہے

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں کہ اے لوگوں اس دنیا میں ہر چیز فانی ہے یہ بقا کا گھر نہیں ہے وہ دل جس میں عشقِ خدا نہیں ہے وہ مردہ ہے یعنی اگر انسان بظاہر زندہ ہے اور قلب میں معرفت الہہ کا نور نہیں ہے وہ محض ایک زندہ لاش ہے۔ تو جس کو موت سمجھ رہا ہے وہ میرے محبوب کی گلی میں حیات ہے کیونکہ موت کا ان کی گلی میں گزر ہی نہیں

ہے سو روحوں کی حیات بھی جسم میں حیات حقیقی نہیں بخش سکتی جب تک اس میں عشقِ خدا کا ظہور نہ ہو وہ روحِ حیات نہیں ہو سکتی اگر ہم سچ بول نہیں سکتے تو اس پر ناز بھی نہ کریں کیونکہ ہماری بازی عشق سچ کی بازی ہے وہاں دغا ہو ہی نہیں سکتی. تو اس معشوقِ حقیقی سے جدا ہے اور بہت دور ہے تو کیا اس کے حُسن پر ناز کرے گا افسوس تو جدا ہے لیکن میں جدا نہیں ہوں.. میں آہ نہیں کرتا ہوا گر معشوق تیغ بھی نکال لے اگر تو اس تیغ کے سامنے بول پڑا تو تجھے محبوب سے عشق نہیں ہے اس ولایتِ حقیقی میں، اس معرفت کے ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے جس طرح ایک عورت دو شوہروں سے عقد نہیں کر سکتی اے جوانوں تو اسکے غیر کی مانند خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو... ظلم کرنے والا کیسے صاحب بینا و بصیرت ہو سکتا ہے سوائے خدا کے کسی کی ہمراہی ممکن نہیں ہے جو مخلوق کا نوکر ہو. دانا کے کام کو کیا سمجھے گا. ایسے نقوش کو کیا دیکھ رہا ہے اے راجا جو چند روز میں ختم ہو جائیں گے فانی انسانوں کے نقوش میں حقیقت کیا ملے گی.....

پر درد نشینیم چه احوال بگویم
آن درد چه پرسی که بر آن درد دوانیست
مائیم خرابیم در این دار گرفتار
دردیست در این سینه که جز دوست دوا نیست
عشاق نشینیم که دیدار بیابیم
بنمائے رخ خویش که این غیر شمانیستم
سجاده نشینیم و تسبیح چه گوئیم
دستار چه بندیم که در قلب صفا نیست
سجاده برآن مرد حرام است به تحقیق
مرده است در این‌دار که در عینی نما نیست
مان عین همائیم که از این عشق رسیدیم
او مرد برد مرده که او عینی همانیست
هرجائیکه که رفیتم بجز دوست نه دیدیم
این قول که گفتیم ثوابست خطانیست

"راجا" کہ برایں چشم عیاں دید نماں نیست
اما چہ توان کرد کہ آں چشم ترا نیست

درد

قلندرِ کبریا اپنی اس غزل میں عارفین کے درد کی تشریح و توضیح فرمارہے ہیں کیوں کی جب بندہ عارف کے سامنے اسرارِ حق کھل جاتے ہیں حالت بصارت میں کائنات کی بے شمار لطیف مخلوقات عیاں ہوجاتی ہیں اور حالتِ بصیرت میں قلب میں ولایتِ نورانیہ کا ظہور ہوجاتا ہے تو اس فانی دنیا میں ریا کار، دنیا پرست افراد کو دیکھ کر بندہ عارف ایک عجیب درد میں مبتلا ہوجاتا ہے میں درد میں پُر ہو چکا ہوں اور اس درد کے درمیان بیٹھا ہوں اب کیا احوال بتاوں اُس کے درد کے بارے میں کیا بتاؤں جس کی کوئی دوا نہیں ہے کیونکہ میں صرف اپنے معشوق کے عشق میں گرفتار ہوں اس درد سے جو بیماری ہے خرابی ہے اس کا علاج صرف میرے معشوق کے پاس ہے یہ ریا کار پیر سجادہ نشین کیا تسبیح پڑھتے ہیں کون سی دستار باندھتے ہیں ان

کے دل تو پاک ہے ہی نہیں...

اس منزل پر علامہ اقبالؒ کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ

دل سوز سے خالی نگاہ پاک نہیں ہے
اس میں کیا عجب کہ تو بے باک نہیں ہے
کیا صوفی و ملاّ کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سرِ دامن ابھی چاک نہیں ہے

اسی لیے ہمیشہ فقراء نے ملاّ ازم اور صوفی ازم جسے ہم Clergy بھی کہتے ہیں اُس کی مخالفت کی ہے. کیونکہ عرفان کی منزل پر ریاکاری ،خودنمائی، انا پرستی حرام ہے. اور فقراء کو اس حبِ دنیا سے کیا واسطہ ہے پھر کجا قلندرِ کبریا! سجادہ نشین مرد کی تحقیق میں آ ہی نہیں سکتا. یعنی اُسے مرد کہنا ہی حرام ہے..

کیوں کی وہ مردہ ہے کیوں اُسے معرفتِ حقیقت کا مشاہدہ نہیں ہے اور نہ ہی اُس کے وجود باطن میں معرفت آشکار ہوئی ہے

ہم معرفت کی وہ ہما ہیں جو اُس مرد کے سر پر بیٹھتی ہے جو عشق کے اسرار

انبیـــــاء اولیـــــاء، راحـــق بـــدان
ســـر مـــعـــنـــی رابـــه تـــو کـــردم عیـــان
انبیـــــا و اولیـــــا، راحـــق ببیـــن
ایـــس ســـخـــن تـــحـــقـــیـــق میـــدان بـــالـــیـــقـــیـــن
مـــن دانـــی گـــفـــت آخـــر مـــصـــطـــفـــیٰ
چـــنـــد بـــاشـــی در حـــجـــاب ایـــس وفـــا
او بـــگـــفـــت اســـت اے عـــلـــیؑ پـــاك دیـــں
بشـــنـــو ایـــس اســـرار شـــومـــرد یـــقـــیـــنـــی
لـــی مـــع اللّٰه گـــفـــت احـــمـــد درمیـــاں
لیـــکـــن ایـــس مـــعـــنـــی چـــه دانـــد آنـــچـــنـــاں
"راجـــا" ازرمـــوزے ســـر حـــق آگـــهـــ نـــئـــی
لا جـــرم کـــوری و مـــردی وره نـــئـــی

راہِ حق

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ اور اولیاء کے راستے کو ہی حق جان. اسرارِ حق کے اصل معنی تجھ پر ظاہر کرتا ہوں، کیوں کہ انبیاء اور اولیاء نے حق کہا ہے اور حق دیکھا ہے ان کی گفتگو کی تحقیق میدانِ یقین میں ممکن ہے اور جس کو معرفت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، کیوں کہ میں نے ان کو ہی اول و آخر جانا ہے اور انکی گفتگو کو بھی حرفِ آخر جانا ہے. لیکن اُن پر وفا کے حجاب ہیں اور ان کی معرفت وفا کے حجاب کے درمیان ممکن ہے. انہوں نے فرمایا ہے کہ علی مرتضیٰؑ ہی دین پاک ہیں صرف مرد کامل ہی اس اسرارِ حق کو سمجھ سکتا ہے اور اس پر یقین کر سکتا ہے کیونکہ اللہ اور میرے درمیان آنحضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ کی گفتگو ہیں، اے راجا یہی اسرارِ حق کا حقیقی رمز ہے لیکن جس کو حق کی آگہی ہو اس کے درمیان یہ راز ہے. جس کو آگہی نہ ہو اس کے سامنے ظاہر نہ کرنا جو ہلاک ہیں، مردہ ہیں. ان کے سامنے بیان کرنا جرم ہے کیوں کہ بیوقوف اس معرفت کو سمجھ نہیں سکتا...

فردوس رخ نماید بے توچہ کار آید
حوران بمن بیایند بے توچہ کار آید
ہر رنج من ربودی اطلس بساط کردی
شبہا بمن سپردی بے توچہ کار آید
بالائے عرش رفتم ہر تخت نور خفتم
واللہ راستہ گفتم بے توچہ کار آید
دولت ہزار دولت نعمت ہزار نعمت
عزت کمال عزت بے توچہ کار آید
کونین رابیارند بردے ہمہ بے کارند
ہر دست من سپارند بے توچہ کار آید
راجا بگفت ہردم ہژدہ ہزار عالم
یکبار گر بیابم بے توچہ کار آید

میرے محبوب تیرے بغیر

یہ تمام چیزیں میرے کس کام کی ہیں

قلندرِ کبریا اس غزل میں معشوقِ حقیقی سے فرماتے ہیں کہ بہشت، حوریں، بالائے عرش نور کا تخت، دولت ہزار نعمت، ہزار عزت کمالِ کونین و جہاں مختصر یہ کہ تمام تر نعمتیں... بہشت کی جلوہ گری، جہانِ دو عالم کی خوبصورتی، عرش کا سفر، نور کے تخت پر آرام کرنا یہ سب چیزیں اے میرے محبوب تیرے بغیر میرے کس کام کی ہیں.. اس لئے اے راجا اٹھارہ ہزار عالم بھی ہوں اگر میرے محبوب کا دیدار ممکن نہ ہو تو یہ تمام چیزیں میرے کس کام کی ہیں.... اس لئے واللہ میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ تیرے بغیر کوئی چیز میرے کسی کام کی نہیں ہے.....

گردن زنی هم میکنم کس را نباشد چون چرا
کوهی کنم گردم زنم کس را نبا شد چون چرا
هر ملک را مالک منم هر چیز را هالک منم
ایں را کشتم آں رازنم کس رانبا شد چون چرا
نر شیر را دوبه کنم گهه آں گدا را شاه کنم
شه را گداگر گر کنم کس را نباشد چون چرا
ایں خاك را مهماں کنم آں یار را شیطان کنم
هم ایں کنم هم آں کنم کس رانباشد چون چرا
از کافراں احمد نگر از نوح شد کافر پسر
از لات بت آمد عمر کس را نباشد چون چرا
مومن کنم بیگانه را مسجد کنم بتخانه را
عاقل کنم دیوانه راکس را نباشد چون چرا
حیواں کنم طیران کنم معمور را ویران کنم
گر آتش آن گلبان کنم کس را نباشد چون چرا

ایوب رام دادم بلا در کرم کردم مبتلا
اے مرد بین اندر قضا کس رانبا شد چوں چرا
آں یوسف ہم بیگناہ اندا ختیم در قعر چہ
از چاہ کردم بادشاہ کس رانبا شد چوں چرا
ببر بلعم دیر صیما بیبن صد داغ لعنت بر جبین
درشہر ما ہم ایں چنین کس را نبا شد چوں چرا
راجا ہمان درامر من دیدی ہماں از قہر من
تحقیق دان در شہر من کس را نبا شد چون چرا

میں جو کر رہا ہوں اس میں کسی کو
چوں چرا کرنے کی جرات نہیں ہے

قلندرِ کبریا اس غزل میں قدرتِ الٰہی کی توضیح وتشریح کر رہے ہیں اللہ رب العزت کے امر کے آگے کسی وجود کا اختیار چل نہیں سکتا۔ یا وہ جس

کو اللہ صاحب تصرف بنائے جو منجانب اللہ صاحب تصرف ہو. اس کے معاملے میں بھی کوئی خلقت چوں چرا نہیں کر سکتی...

اگر میں کسی کی گردن کاٹ دو کسی میں مقابلہ کی ہمت نہیں ہے. جبلوں کو ہلا دوں اور تباہ کر دوں کسی میں چوں چرا کرنے کے جرات نہیں ہے.

ہر ملک کا مالک میں ہو، ہر چیز کو ہلاک کرنے والا میں ہوں، مارنے کی راہ، ہلاکت کی راہ بھی میری ہے یہ ایک راز ہے، کسی کو جرات نہیں کہ چوں چرا کرے. شیرِ نر کو گیدڑ کر دوں، کبھی گداگر کو بادشاہ بنا دوں اور شاہ کو گداگر کر دوں کسی کو جرات نہیں ہے میرے معاملے میں چوں چرا کرے...

کبھی خاک کو مہمان رکھوا اور یار کو شیطان کر دوں میں یہ بھی کرتا ہوں، میں وہ بھی کرتا ہوں کسی کو جرات نہیں ہے کہ چوں چرا کرے. کبھی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نگر میں کفر ہے یعنی اللہ کے گھر میں کفار کا ہونا اور حضرت نوحؑ کے بیٹا کا کافر ہو جانا. کبھی لات و منات کے بت [illegible] ہیں کسی کو جرات نہیں ہے کہ چوں چرا کرے. مومن کو بیگانہ

کر دیتا ہوں مسجد سے اور وہ بت خانے میں بیٹھ جاتا ہے اور عاقل کو دیوانہ کر دیتا ہوں کسی میں جرات نہیں چوں چرا کرے. کبھی حیوان اور پرندوں سے آباد کرتا ہوں، کبھی ویران کر دیتا ہوں، کبھی آگ سے گلستان کو جلا دیتا ہوں کسی کی جرات نہیں چوں چرا کرے. کبھی حضرت ایوبؑ کو بیماری میں مبتلا کر کے پریشان کر دیتا ہوں. اے مرد بینا میرے اندر قضا بھی ہے کسی کو جرات نہیں ہے کہ چوں چرا کرے. حضرت یوسفؑ کو بیگناہ کنویں میں ڈال دیتا ہوں اور اس کنویں سے نکال کر بادشاہ بنا دیتا ہوں. کسی کی جرات نہیں کہ چوں چرا کرے. بلعم برصیما کے چہرے پر سینکڑوں داغ لعنت دیتا ہوں میں اپنے شہر میں جو چاہوں کروں کسی کو جرات نہیں کہ چوں چرا کرے اے راجہ میرے امر کو دیکھ رہا ہے اور میرے قہر کو بھی دیکھ رہا ہے یہ سب تحقیق والوں کیلئے ہے لیکن میرے شہر میں جرات نہیں ہے کہ کوئی چوں چرا کرے.....

رسیدم من به دریائے که موجش آدمی خوار است
نه کشتی اندر آن دریا نه ملاحی عجب کار است
شریعت کشی، دارد طریقت بادبان او
حقیقت لنگر دارد که راه فقر دشوار است
چون آبش جمله خون دیدم بتر سیدم ازآن دریا
بدل گفتم چرا ترسی گذر باید که ناچار است
ندا از حق چین آمد مگر از جان نمی ترسی
هزاراں جان مشتاقان در این دریا نگو نسار است
بگفتم من همی آیم کمر بستم چو غوا صان
چه ترسم از نهنگائے که گل پیو سته بارخار است
بهشتم هستی خود راشُدم روئے خدا آندم
بسر دادن گرفتن سرِ سرِ بازار وا پار است
ایا "شاه حسین" سخن پاپر دی داراں گو
بیاهی در جهاں یارے جهان پر از اغیار است

دریائے معرفت

شریعت، طریقت، حقیقت

قلندرِ کبریا اس غزل میں دریائے معرفت کا تذکرہ کر رہے ہیں جہاں عام انسان کا گزر ممکن نہیں ہے فرماتے ہیں کہ میں اس دریا میں داخل ہو چکا ہوں اس کی موجیں عام انسان کو نگل جائیں گی اس دریا میں نہ کوئی کشتی ہے نہ ملاح ہے. شریعت اس کی کشتی ہے طریقت اس کے بادبان ہیں حقیقت اس کا لنگر ہے بے شک فقراء کا راستہ نہایت دشوار ہے. جب میں نے اس فانی دنیا کی خوانخوار آتش کو دیکھا تو اس دریائے معرفت میں اتر گیا اور اپنے دل سے کہا کہ ڈرتا کیوں ہے اس سے بے خوف خطر گزر جا، ہزاروں عاشقوں کی جانیں اس دریا میں قربان ہو چکی ہیں اس لئے اس دریا سے نہ ڈر، معرفت کے غوطہ خوروں کی مانند میں نے بھی دنیاوی کپڑے اتار دیئے ہیں. اس لئے مجھے اب کسی قسم کا خوف و خدشہ نہ رہا ہے۔

اے شہباز قلندر رازداروں سے اسرارِ حق کی بات کر اغیار تمہاری باتیں نہیں سمجھیں گے۔

ظاہر ہے کہ حُب دنیا رکھنے والے افراد عرفان کی وہ منزلیں جو شریعت طریقت، حقیقت سے ہوتی ہوئی معرفت تک پہنچتی ہیں انکو وہ لوگ کیا سمجھیں گے۔

ظاہر پرست افراد جو اپنے اس نفس کی ہوا ہوس میں گرفتار ہیں ان کے لئے طریقت و حقیقت و معرفت کو سمجھنا محال ہے۔۔

چوں جان زتن گردد جد او از فعل تو پر سد خدا
پس تو چه گوئی اے گدا آنگهه بگو احوال خود
آ یدا گر یوم الحشر ببر تد ترا پیش قضا
به زهد ترا آتش خدا آنگهه بگو احوال خود
شیرین دنیا اے شاها از دست تو گردد جدا
تلخی رسد از مر گها آنگهه بگو احوال خود
میزان توچوں کم شود تعدین حق بر تو بود
دوزخ ترا مادر شود آنگهه بگو احوال خود
زخم سخن شیطان عمل محف بکف در دل خلل
گیر ندترا چوں زین دغل آنگهه بگو احوال خود
زیر زمین قطعاً شوی من ربک بشنوئی
در جواب آں حیران شومی آنگهه بگو احوال خود
ایں استخوانت پیخته در گور گردد ریخته
ناپاك پاس آمیختے آنگهه بگوا حوال خود
در دار دنیا مبتلا با غیر ماندائے دلا
تو زین سبب و بینی بلا آنگهه بگو احوال خود
از هول آن در هر نفس گوئی دلا فریاد رس

فریاد رس نه هیچکس آنگهه بگو احوال خود
انواع نعمت میخوری در هر نفس ترن پروری
چون جان زتن گردو بری آنگهه بگو احوال خود
مدفون شوی چون در ز میں بیرون شوی از جائے این
بر سر عمود آتش این آنگهه بگو احوال خود
چیزے نه خوردی دهر پرسش شود از وئے حشر
باشد یقین جمله زهر آنگهه بگو احوال خود
چون مهر الله در دهن اعضائے هم گوید سخن
خصم کند بر جان تن آنگهه بگو احوال خود
صور اسرافیل گر نه پیدا شود اندر دهر
عالم شد زیر و زبر آنگهه بگو احوال خود
گر تو بدانی اے جوان چون این وعده بست در قرآن
ناگهه شود بر تو روان آنگهه بگو احوال خود
زنجیر آتش در گلو گردر گزر سر سر بسو
آنوقت گردی زرد رو آنگهه بگو احوال خود
چون هول گردو مرسله خیز وز خلق آ غلغله

در دهن افتد زلزله آنگهه بگو احوال خود
نفسی نفسی هر زبان گویند همه پیغمبران
پس تو دریں اندر کسان آنگهه بگو احوال خود
مشغل مادی روز و شب از پئے هوا یا غیر رب
گیرند ترا چوں زیں سبب آنگهه بگو احوال خود
در قبر چوں گردی فرد پرسد ترا از گوربو
حیران شوی در جواب آنگهه بگو احوال خود
در دار دنیا مانده انواع نعمت خورده
گونید ترا چه آورده آنگهه بگو احوال خود
نام بدی چوئے بشنوئی نزدیک حق مرذی شوی
در چاه زنداں بس روئے آنگهه بگو احوال خود
چوں تو کنی در پل گذر نظرے کنی اندر سقر
ناگه بیفتی اے پسر آنگهه بگو احوال خود

گردست جانب پشت تو گردد برون از عدل او
بدهند ترا نامہ باد آنگہہ بگو احوال خود
"راجا" یقین اندر زمین گوغا فلست از کار دین
سوزند و رانا گہہ ازیں آنگہہ بگو احوال خود

(ہواوہوسِ نفس)

قلندرِ کبریا اس غزل میں نفس انسانی سے مخاطب ہیں جو دنیا کی عیش و عشرت میں فنا ہے اور فانی ہے اور خاص چیزوں سے متاثر ہے کیونکہ نفسِ انسان کی ہواوہوس اس کو علم عرفان سے دور کردیتی ہیں جب تک وہ ہواوہوس کا مخالف نہیں ہوگا اور نفس کی غلامی سے نجات حاصل نہیں کرے گا اس وقت تک اس پر عرفانہ اسرار ورموز آشکار نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ انسانی بدن محض انسان نہیں ہے اس کی حقیقی جان کچھ اور ہے وہ لذت بدن میں رہے کر حقیقت جان سے دور ہوجاتا ہے ،اللہ رب العزت کی طرف رجوع ہوجا.اور لذت دنیاولذت نفس سے نکل کر اپنے وجود حقیقی کو پہنچان اور اپنے آپ سے خود اپنے احوال کے

بارے میں معلوم کر روز قیامت جب تو قضا الٰہی میں پیش ہو تیرا زھد و تقوی ہی آتش جہنم ہو اس لئے ذرا اپنا احوال خود اپنے آپ سے پوچھ ،روز قیامت تیرے اعمال کے میزان کا پلڑا کم تر ہے کیونکہ تو حق سے دور تر ہے دوزخ تیری ماں ہے خود اپنے احوال کے بارے میں بولو اور اپنا حال خود اپنے آپ سے پوچھو.... تیرے طرزِ سخن کے زخم یعنی تیری بدخولیاں عملِ شیطان ہیں اور تیری فانی تمناؤں سے تیرے قلب میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تجھے حرام زدگیوں نے اپنے چنگل میں پکڑ رکھا ہے کبھی تو اپنا حال خود اپنے آپ سے پوچھ....فانی زمین سے عشق بلاشبہ نحوست سے کم نہیں ہے جو اپنے رب سے دوئی پیدا کرتی ہے اس جواب سے تو حیراں ہے کبھی اپنا حال خود اپنے آپ سے پوچھ، تو ہو او ہوسِ دنیا کی پیچیدہ قبر میں قید ہے اور تیری بزرگی بھی اسی قبر میں قید ہے ناپاکی سے میل مت رکھ اور کبھی اپنا حال خود اپنے آپ سے پوچھ، تو دنیا میں مبتلا ہے تو فقط طالبِ دنیا ہے اور دنیا کے غیر سے تیرا دل عاجز ہے ان تمام مصیبتوں کو دیکھ رہا ہے اس لئے تو خود اپنا احوال بول ،ہوائے نفس یعنی نفس کی ہوس سے دل فریاد کرتا ہے اور کوئی فریاد نہیں کرتا اس کے علاوہ اسلئے کبھی اپنا حال خود بولو. دنیا کی فانی نعمتیں اور

انکی طلب تیرے اندر موجود ہے اور ان نعمتوں کی شراب فانی تیرے نفس کو نشہ دیتی ہے اور تو اپنے جسمِ فانی کو سنوارتا ہے اور حقیقی وجود سے بے بہرہ ہے تجھے نہیں پتہ تن اور جان کا راستہ جدا جدا ہے اسلئے کبھی خود اپنا حال کہہ تو زمین میں دفن ہو گیا ہے اس نحوست کیوجہ سے تو باہر نہیں آسکتا یعنی طلبِ دنیا اور خواہشیات نفسی قبر میں دفن ہو گئی ہیں اور تیرے وجود پر آتش جہنم سوار ہے اس لئے خود اپنا حال اپنے آپ سے پوچھ۔۔۔اور بذات خود اپنا حال کہو. اس زمانے کی چیزوں کو کھاتے کھاتے تیرا حشر خراب ہو گیا ہے یقین کی منزل ایک پیمانہ ہے اور زہر ہے نفس پرست انسان کے لئے اسلئے کہو حال خود اپنا، جب اللہ کے نور کی وجود پر بارش ہوتی ہے تو وجودِ انسانی کے اعضا خود بولنے لگتے ہیں کیونکہ ہوا و ہوس تیری حقیقی جان کے دشمن ہیں، خود اپنے احوال کے بارے میں بولو. صورِ حضرت اسرافیل علیہ السلام جس زمانے میں پھونکا جائیگا عالم تمام زیروزبر ہو جائیگا تیرا حال خود بولیگا اے جوان اگر تو وعدہ قرآن کو جانتا ہے تو ہشیار ہو جا اور معرفتِ قرآن کی طرف رواں ہو جا اور تیرا حال خود بولے گا یہ جو زنجیرِ آتش تیرے گلے میں

پڑی ہوئی ہے اس کو درگذر کر اسکو اپنے گلے سے نکال دے ....اُس وقت کے درد سے ڈر جب کوئی بچانے والا نہ ہوگا...اور تیرے احوال خود بولیں گے جب ہر طرف خوف ہوگا خلق خدا چلائے گی اور زلزلوں سے تباہیاں ہو رہی ہونگی اس وقت خود تیرے احوال بولیں گے نفسہ نفسی کا عالم ہوگا اور ہر زباں اپنے اپنے پیغمبروں کا نام لے رہی ہوگی اور کہہ رہے ہونگیں ہمارے انبیاء کہاں ہیں پس جو تیرے اندر جدائی ہے ان سب کے بارے میں خود اپنے احوال سے بات کر. دنیاوی باتوں میں روز و شب گزارتا ہے اور راتوں کو غیر رب کا ذکر کرتا ہے یہی ہے ایک تیری پکڑ کا سبب پوچھ خود اپنا حال اپنے آپ سے....جو قبر کے پیوند ہو گئے جو قبروں میں ہیں کیا ان پر لگے ہوئے کتبے ان کو بچا سکیں گے اس جواب سے تو حیراں ہوا ہوگا اس لئے گفتگو کر خود اپنے حال سے تو نے دنیا میں قسم قسم کی نعمتیں کھائیں لیکن یہ بتا حاصل کیا کیا ،جا اپنی حالت خود اپنے آپ سے پوچھ....بدی کے ناموں سے تجھے تسکین ہے حق تیرے نفس کے لئے تکلیف کا باعث ہے تو بدی کے

کنویں میں ہی پڑا رہیگا. اور اگر پوچھنا ہے احوال تو اپنے آپ سے پوچھ جہاں پلِ صراط ہے اور پلِ صراط پر تو نظر دوڑاتا ہے تو اس کے نیچے جہنم ہے اے نوجوانوں تم کیا نا گہانی کر رہ ہے ہو، کہو اپنا احوال خود... جس جانب سے تو پشت کر رہا ہے وہیں آسمانی عدل ہے اور تیرا اعمال نامہ ہے کبھی خود اپنا احوال کہو اپنے آپ سے ...اے راجہ اس زمین کے اندر یقیناً تنگ دستی ہے ہر طرف شور و غوغا ہے کیونکہ وہاں معرفتِ الٰہیہ کی نفی ہے اور صرف آتش ہی آتش ہے کہو خود اپنا احوال اپنے آپ سے.....

آن یار کجا یار که با یار نباشد
دربند سر زلف گرفتار نباشد
تحقیق چنین گشت که برباد گذشته
آن عمر که مصروف بدلدار نباشد
عشاق کند سجده به رخسار دلارام
آن سجده کجا شد که به رخسار نباشد
آن دل که به دین عشق نمرده است که است
آن کیست که مرده است بدلدار نباشد
اے زاهد بے ساز تو در زهد چرائی
این زهد چه زهد است اگر یار نباشد
تا یار چنین باد که معلوم شود زور
آن شخص که در عشق جهان ندار نباشد
آواز ز لاهوت چنین خواست بجبروت
عشق بودست که هشیار نباشد

بے شرم بود ماه و خورشید دریں دهر
چون پیش دلارام شرمسار نباشد
گفتند کسانیکه مئے نایاب چشیدند
آن مرد خمارست که میخوار نباشد
خفاش ز خورشید چه اوصاف بگوید
خفاش شوی خوار چوں هشیار نباشد
بگلزار مرد یار که بے یار بود خار
گلزار بلا یار بجز خار نباشد
شطار که بادشاه چوں شطریج به بازد
شد را نکبند مات گر شطار نباشد
عشاق که معشوق بجستت در ایں دار
ایں عشق چه عشق است اگر یار نباشد
آن کس که در ایں را خرابات گزنید
او در غم تسبیح و دستار نباشد

اے یار سرمست کہ ماورائی ھرا است
آن مست کجاست کہ خمار نباشد
بازار بود آنکہ درد خمر فروشند
بازار بلا خمر کہ بازار نباشد
راجا کہ بود طالبت صادق در دہ عشق
ویرا طلب اینست کہ بہ اغیار نباشد

اگر معشوق نہیں ہے

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں کہ زاہد اور ملا کی تمام عبادتیں اور سجدے بیکار ہیں اسلیے کہ ان کے اندر معرفت عشق کی شمع نہیں جل رہی اور وہ معشوقِ حقیقی کی معرفت نہیں رکھتے یہ وہ چمگادڑ ہیں جن کی آنکھیں چوندیا جاتی ہیں معرفت کے سورج سے....

یہ یار کہاں ہے یہاں یار تو رہتا ہی نہیں ہے یہ یار کی زلفوں میں گرفتار ہے ہی نہیں تحقیق یہ ہے کہ یہ ہمیشہ برباد رہیں گے کیونکہ ان کی تمام

زندگی میں کوئی محبوب نہیں ہے۔ یہ عشاق سجدہ کر رہے ہیں اپنے دلبر کے رخسار کو..... ان کا سجدہ کہاں ہے جب رخسار ہی نہیں ہے ان کا دل دینِ عشق سے نا آشنا ہے یہ عقلمند معنوی اعتبار سے مردہ ہیں کیونکہ ان کا کوئی معشوق نہیں ہے اے زاہدِ بے ساز بغیر ساز کے تیری زہد کیا ہے یہ زہد کیا زُہد ہے! جب معشوق ہی نہیں ہے اور جن کے سینے میں درد ہی نہیں وہ یار کے معنی میں کیا جانیں گے وہ انسان کیا انسان ہے جس نے جہانِ عشق میں قدم ہی نہ رکھا ہو آوازِ لاھوت کیا ہے جبروت کا کیا سوال کریں گے۔ وہ عشق ہی کیا جو عاشق کو ہوشیار نہ کرے بے شرم تو آسمان و خورشید و زمانہ کے درمیان کیا دلبر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور شرمسار نہیں ہوتا اپنی گفتگو میں شرابِ نایاب کی باتیں تو کرتا ہے کبھی اس کو چکھا بھی ہے اے مردِ خمار تو نے میخواری کی ہی نہیں ہے چمگاڈر معرفتِ خورشید کے کیا اوصاف بیاں کریگی اس کی آنکھیں تو نور سے چوندیا جاتی ہیں اس لئے وہ مصائبِ معرفت میں ہوشیار نہیں ہے اے زاہد تو اسی چمگاڈر کی مانند ہے.....

وہ مرد یار گلزار ہے یار کہاں ہے فقط کانٹے ہی کانٹے ہیں کیونکہ گلزار بغیر یار کے کانٹوں کے مترادف ہے. شاطر بادشاہ شطرنج کی بازی کھیل رہا ہے وہ شاہ حقیقی کو کیا مات دیگا کیونکہ وہ شاطرِ عشق نہیں ہے یہ عشاق کیسے ہیں جو معشوق کی جستجو نہیں رکھتے یہ عشق کیسا عشق ہے جہاں یار موجود نہیں ہے یہ کون لوگ ہیں جو راہ خرابات سے گذرے ہی نہیں ہیں جنکی دستار غم و تسبیح کی دستار ہی نہیں ہے اے یار سر مست تو ماورائے ہوا ہے. یہ مست کہاں ہے اس مست کو خمار ہی نہیں آتا اگر بازار میں درد خمار یعنی شرابِ عشق کا درد نہیں ملتا وہ بازار بازار نہیں ہے راجہ کی طلب سچی ہے راہِ عشق میں صحیح طلب اسی کو کہتے ہیں جہاں معشوق کا غیر یعنی دشمن موجود نہ ہو.

پرسیده شد یک شخص را گفت اے چرا پوشیده
گفتا که بد کردار را بیچاره گفتن چون کند
گفتا که گفتم شیخ دل کن پرسش زمکانِ او
شیخا نه شد آن متحمل بیچاره گفتن چون کند
گفتا دا اے بواالعجب طعنه مکن توزین سبب
گر شیخ باشد بے ادب بیچاره گفتن چون کند
گفتا که گفتم و شیخ را کاری بکن لائق جزا
این شیخ شد در چون و چرا بیچاره گفتن چون کند
گفتا که گفتم من یقینی غافل مشو از کار دین
گفتا دا نه شنید این بیچاره گفتن چون کند
گفتا که گفتم شیخ رو بار اشکن مشغول شو
هرگز نه نشیند تیز رو بیچاره گفتن چون کند
بخشید حق این عظمت بکنی و خواری تو چرا
گیرند چون زین مر ترا بیچاره گفتن چون کند

مردے تو باشد کر رو کر پس او مرا پوشیدہ گہہ
اے شاہ من تو بیخبر بیچارہ گفتن چون کند
شائستہ گر میخانہ شد گفتی یقین بدنام شد
پس وائے من از بختِ من بیچارہ گفتن چون کند
گر اہل گفتن اے جوان بیرون شد از بہر نان
صوفی نہ الستی شیطوان بیچارہ گفتن چون کند
پرسش کسے کسے بود در ماد کان گر رود
نزائی حرمت او شد بیچارہ گفتن چون کند
گوبند ہریک بزرگان گر کاروی نشود رواں
بیرون مکن گفتن از آن بیچارہ گفتن چون کند
گفتا کہ گفتن جان من تو تازہ کن ایمان من
نہ شنید پند ہزار من بیچارہ گفتن چون کند
گفتا کہ گفتم کن برون از ما سوئی اللّٰہ اندرون
آتش نہ شد ویرا فزونن بیچارہ گفتن چون کند

ذکر دبد کردار شد در وصف بد کردار شد
بایار خود اغیار شد بیچاره گفتن چون کند
پوشد گفتی چون اگر پس کار وے ناید بسر
گیرند چون زیں اے پدر بیچاره گفتن چون کند
پوشید جامعه با صفا پس شرم کن از مصطفے
نشیند پس از ایں بے وفا بیچاره گفتن چون کند
افعال ایں گفتی کنون گفتی بردن درے دردن
ایں وصف ها در وے فزوں بیچاره گفتن چون کند
فانی شده از بے درم هر سو رود بهر شکم
قانع نه شد این بے شرم بیچاره گفتن چون کند
آنکس که نا مردا و به پوشیده اوا گر پس چه شد
او بلک رسوا گرد شد بیچاره گفتن چون کند
گفتا که هستم من زره بر نفس خود بس کن صلح
چیزے نه شد در هیچکس بیچاره گفتن چون کند

گر اھل گفتن اے درم شد اے دلاذی بیشرم
زاں بشیرم بس لاجرم بیچارہ گفتن چون کند
عظمت مرا بخشید حق پوشید مرا با مستحق
پوشد مرا اگرنا مستحق بیچارہ گفتن چون کند
"راجا" کہ گفتی پوش بر آتش چرا ویرانہ شد
ذیرا کہ ذو کارش بیچارہ گفتن چون کند

بیچارہ شیخ

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا پوشیدہ کیا ہے اس سے کہا کہ اے بدکار بیچارے تو کیا گفتگو کریگا. اس کی گفتگو پر میں نے کہا شیخ کا دل پرستشِ مکان میں لگا ہوا ہے شیخ کو کہاں تحمل وہ کیا برداشت کریگا معرفت کے پوشیدہ راز وہ لاچار بے چارہ کیا گفتگو کریگا اس نے کیا مجھے حیرت کن اور عجیب تانے نہ دے، سبب رازِ معرفت کے یہ شیخ بے ادب بے چارہ کیا گفتگو کریگا اس سے کہا میں نے اسے شیخ ریاکار و بدکار تجھے اپنی فحاشی کا کیا بدلہ چاہئے تو لائق جزا نہیں ہے. اے شیخ بے چارے تو کیا

چوں چرا کریگا اور کیا گفتگو کریگا اور مجھے اس بات پر یقین ہے تو غافل و بے معرفت ہے کارِ دین سے تو یہ گفتگو نہیں سن سکتا یہ بے چارہ کیا گفتگو کریگا اے شیخ تو کیا صداوں کو بلند کر رہا ہے تو اپنی بربادی میں مشغول ہے تو ہرگز معرفتِ حقیقی کو نہیں سمجھ سکتا بیچارہ تو کیا گفتگو کریگا تجھے عظمت حق کی معرفت ہی نہیں ہے زندگی تیری خوار ہے اور وہی زہر پیتا رہ بیچارہ کیا گفتگو کریگا اے مرد تو میرے پوشیدہ راز سے کیا واقف ہوگا تو میرے دل کے شہنشاہ سے بے خبر ہے تو بیچارہ کیا گفتگو کریگا اگر تو لائق وشائستہ ہوتا اور مے خانے کے ادب وآداب جانتا ہوتا تو بدنام نہ ہوتا بس وائے ہو تجھ پر تو بیچارہ میرے مرتبے پر کیا گفتگو کریگا اگر تو لائقِ گفتگو ہوتا تو روٹی کی فکر سے آزاد ہوتا تو صوفی ہے. نہ ازل سے حرکت پذیر ہے اس بحرِ معرفت میں تو بے چارہ کیا گفتگو کریگا عاجزوں سے تیرا کام نہیں دنیاوی تمناوں اور عزت کیلئے پریشان رہتا ہے تو بیچارہ کیا گفتگو کریگا ہر ایک بزرگ کا ایک دنیا میں کام رہا ہے وہ باہر کی کیا گفتگو کر رہا ہے تو لاچار کیا گفتگو کریگا کیا تیری گفتگو میرے دل وایمان کو

تازہ کرسکتی ہے، نہ سنا مجھے ہزار نصیحتیں تو بے چارہ کیا گفتگو کریگا تو کیا
کہہ رہا ہے میں تجھے بتاوں میرے باہر سے اندر تک اللہ ہی اللہ ہے
یہاں آتش و ویرانی کا کوئی کام نہیں تو بے چارہ کیا گفتگو کریگا جو بدکار
ہے اس کی صفات بھی بدکار ہیں وہ میرے یار کا دشمن ہے بے چارہ کیا
گفتگو کریگا تو پوشیدہ رازوں کو اپنی گفتگو سے کم نہیں کرسکتا ابھی معرفت
کو حاصل کر۔ اے پدر بے چارے تو کیا گفتگو کریگا لباس باصفاہ پہنتا
ہے شرم کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیا کر نہیں سمجھ رہا ہے
بے وفا بیچارہ کیا گفتگو کریگا اس کے اعمال و افعال اور گفتگو دردِ دل
سے خالی ہیں اس کے اوصاف گھٹیا ہیں یہ بچارہ کیا گفتگو کریگا...
قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں شیخ، ملاؤں، زہد پرست افراد
جنہوں سے شرابِ معرفت کو چکھا ہی نہیں جنکا مقصد صرف پرستش دینا
ہے یہ بچارے لاچار افراد ہمارے اسرار و رموز پر کیا گفتگو کیا کریں
گے تو فانی شدہ ہے شکم پرست ہے تجھ میں قناعت نہیں ہے بے شرم
بے چارے کیا گفتگو کروگے ہر کس و ناقص مرد، وہ پوشیدہ راز پر

کیا گفتگو کریگا، وہ بالکل رسوا ہے بے چارہ کیا گفتگو کریگا کہتا ہے میں تمہارے برابر ہوں میرے نفس سے صلح کرو، تو کوئی چیز ہی نہیں تو ہیچ کس بے چارہ ہے کیا گفتگو کریگا اگر تو لائق گفتگو ہوتا اور کوئی گوہر ہوتا اے دل بے شرم، اے بے شرم بے چارہ تو کیا گفتگو کریگا..

حق میری بزرگی ہے، بخشش میری راہ ہے، وہ نالائق بے چارہ میری راہ کو کیا سمجھے گا..اور کیا گفتگو کریگا راجہ معرفت کی گفتگو کے لباس کو آتش کیا ویران کریگی وہ ملا آتش میں گھیرا ہوا بے چارہ کیا گفتگو کریگا....

ز دوزخ نترستم بخویم بهشت
که تقدیر برمنه چوں سابق بنشست
قلم چوں گذشته بترسم چرا
که تقدیر رفته نه گردر مرا
مشیت خدا هر مشیت پرید
یکے رابریده و گررا گزید
یکے رانور زد کجا برکشد
دگر وا گدا زد کجادر رشد
کند داغ لعنت قلم برجبین
چه قدرت کسے راکه گوید چنین
زابلیس عبرت باید گرفتار
ندیدی که فرعون چه دعوی کشید
خودی در خدائی نشاید گرفت
خودی خود اوراکجا در کشید

اگر لکیرے موئے ماند خلاف
حذر کن زمروے، تلغست لاف
بہ جزا مہر باری دل خود بشوی
کہ "راجا" تو ہر حال رہ راست زو

پھر خودی کے بارے میں

خودی کے عنوان پر قلندرِ کبریا کی ایک غزل جس کی ہم توضیح وتشریح کر چکے ہیں اسی عنوان پر یہ غزل قلندرِ کبریا نے فرمائی ہے جیسا کہ پہلے ہم نے اس بات کی وضاحت کی کہ یہاں پر خودی کی اصطلاح انا پرستی، میں، اور ذات کے تکبر سے مترادف ہے جو ظاہر پرست بے معرفت انسانوں کا خاصہ ہے جبکہ علم عرفان میں وہ خودی جو عین معرفت ہے وہ انا کا نام نہیں بلکہ انانیت کی خود سپردگی کا نام ہے جہاں مومن کی رضا رضا نہیں صرف اسے اللہ رب العزت کی رضا پر راضی

رہنا ہے حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے جس خودی کی بات کی ہے اس میں انا کی نفی ہے اور اپنے نفس کا عرفان ہے جسے علامہ نے آدابِ خود آگاہی سے بھی تعبیر کیا ہے. قلندرِ کبریا اس غزل میں فرمارہے ہیں کہ اللہ رب العزت نے لوح محفوظ پر انسان کی تقدیر لکھ دی ہے اسے ناقص عقل رکھنے والے انسان اپنے قیل و قال سے تبدیل نہیں کرسکتے. لیکن دوسرع طرف یہ بات بھی عیاں ہے کہ جس نے فنافی اللہ کی منزل اختیار کی اور اپنی خواہشات کو اللہ کے سپرد کردیا. اور اپنی ذات کی نفی کردی اسکو اس دنیا میں اللہ رب العزت نے قلندرِ کبریا بنا کر صاحبِ تصرف کردیا. اس لئے دنیا کا متکبر شخص آنے والی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بن جاتا ہے اور فنافی اللہ صاحب تصرف کا فیض آنے والی نسلوں کے لئے جاری وساری رہتا ہے اس لئے صاحب تصرف کی دعا سے اس کی رضا سے تقدیریں بدلی جاسکتی ہیں لیکن ذات کے متکبر شخص کی تقدیر پر اللہ اور اس کے ملائکہ لعنت کرتے ہیں اور اللہ کی رضا میں راضی ہونے والے صاحب تصرف سے خدا خود

رہنا ہے حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے جس خودی کی بات کی ہے اس میں انا کی نفی ہے اور اپنے نفس کا عرفان ہے جسے علامہ نے آدابِ خود آگاہی سے بھی تعبیر کیا ہے. قلندرِ کبریا اس غزل میں فرمارہے ہیں کہ اللہ رب العزت نے لوح محفوظ پر انسان کی تقدیر لکھ دی ہے اسے ناقص عقل رکھنے والے انسان اپنے قیل و قال سے تبدیل نہیں کرسکتے. لیکن دوسرع طرف یہ بات بھی عیاں ہے کہ جس نے فنافی اللہ کی منزل اختیار کی اور اپنی خواہشات کو اللہ کے سپرد کردیا. اور اپنی ذات کی نفی کردی اسکو اس دنیا میں اللہ رب العزت نے قلندرِ کبریا بنا کر صاحبِ تصرف کردیا. اس لئے دنیا کا متکبر شخص آنے والی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بن جاتا ہے اور فنافی اللہ صاحب تصرف کا فیض آنے والی نسلوں کے لئے جاری وساری رہتا ہے اس لئے صاحب تصرف کی دعا سے اس کی رضا سے تقدیریں بدلی جاسکتی ہیں لیکن ذات کے متکبر شخص کی تقدیر پر اللہ اور اس کے ملائکہ لعنت کرتے ہیں اور اللہ کی رضا میں راضی ہونے والے صاحب تصرف سے خدا خود

پوچھتا ہے بقول اقبالؒ

"بتا تیری رضا کیا ہے"

اس لئے قلندرِ کبریا فرماتے ہیں کہ فقراء اس نور مطلقہ میں فنا ہو جاتے ہیں اللہ کی مرضی ہی ان کی خواہش ہے وہ تقدیر رفتہ کے شکنجے سے باہر ہیں لیکن وہ لوگ جو مشیت خدا پر اعتراض کرتے ہیں ان کے چہروں پر کاتبِ تقدیر لعنت لکھ دیتا ہے جسے قدرت بدل نہیں سکتی، دیکھ! ابلیس عبرت کی گرفت میں آ گیا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ فرعون نے کیا دعویٰ کیا یہ منکرانہ خودی اللہ کی گرفت میں آ جاتی ہے اور اسکی بقا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی دیکھو ہامان لعین کا اور اسکی خودی کا کیا حشر ہوا اگر اسکو اللہ پر یقین ہوتا تو واصل جہنم نہ ہوتا دراصل خود پرستی وہ عیب ہے جسے بدی کا شعور نہیں ہوتا کیونکہ خودی بذات خود کفر ہے دیکھو بلعم نے کتنی ریاضتیں اور محنتیں کیں قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے لیکن اس کی انا نے اسے لعنتی بنا دیا. اگر کوئی عاجزی اور انکساری سے رہے اور اپنی میں کو فنا کر دے تو آتش جہنم اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے اور وہ اللہ کی

مخالفت نہ کرے تو وہاں دوزخ کے ملائکہ کا گذر ہی نہیں ہوتا یہی سچ ہے یہی صحیح راستہ ہے اسی سچائی کے راستے پر سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے جو کوئی اس کے لکھے ہوئے کی مخالفت کریگا وہ تباہ و برباد ہو جائیگا تو حکم باری تعالیٰ کے سائے میں محفوظ ہے. اے راجا تو ہر حال میں راہ راست پر رہیگا.....

بے محمد در حق یار نیست
بے روا از کبریا دیدار نیست
در دو عالم بے تمثل صورتے
اے پدر دیدار آں دیدار نیست
ہر دو عالم جز تمثل نیست نیست
مطلع جز صاحب اسرار نیست
اے محقق ذات حق باصفات
بے تجلی ہیچ کہ اظہار نیست
ہر چہ بینی جز خدا ہرگز مبین
وہم خیری زانکہ جز پندار نیست
جز جمال دوست دیدن شد حرام
نزد بینا کار غیر ایں کار نیست
غرق باشد در جمال دوست دوست
عاشق سرمست را گفتار نیست

این شراب عاشقاں راهر که خورد
مست آمد دائما هوشیار نیست
در لقائے یار باشد بار بار
ورنه هر کس اے جوان اویار نیست
زنده نتوان گفت اورا در جهاں
هر که دربار جانان بار نیست
علم مطلع در دو عالم نکته است
عارفان راکار باضروار نیست
روئے تو "راجا" گفت خود را بده کن
عرفان را هیچ دل بیدار نیست

بغیر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدارِ کبریا ممکن نہیں ہے

اس غزل میں قلندرِ کبریا فرماتے ہیں کہ بغیر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے کوئی حقِ مطلقہ ہے ہی نہیں. ان کے بغیر انائے مطلق یعنی کبریا کا دیدار ممکن ہی نہیں ہے. دو عالم کی معرفت کیا ہوگی؟ جب تک ان کے باپ کا دیدار اور معرفت نہیں ہوگی کیونکہ آنحضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہہ کائنات ہیں تو کائناتوں کے اسرار و رموز کی معرفت بغیر ان کے ممکن نہیں ہے. تمام جہانوں کے اسرار و رموز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے. اس لئے ان کے بغیر معرفتِ اسرار و رموز ممکن ہی نہیں ہے. اللہ رب العزت کا ظہور آنحضرتؐ کے ظہور کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتا. عاشقوں کے لئے جمالِ معرفت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہے. آپؐ کے علاوہ کسی اور فانی جلال و جمال کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے. عاشقین آپؐ کے جمال میں فنا ہیں. اسی میں سرمست ہیں آپؐ کے علاوہ اور کوئی گفتگو ان کے پاس نہیں ہے. آپؐ کا عشق ہی ان کی شرابِ حقیقی ہے اس لئے قلندرِ کبریا فرماتے ہیں عاشقین کی شراب اگر ہر کوئی پی بھی لے وہ دائما مست تو ہوسکتا ہے ہوشیار نہیں جب تک وہ معشوقِ حقیقی

سے توسل قائم نہ کرلے. اے جوان ہر کوئی محبوب نہیں ہوتا. ہر زندہ و ناتواں کی گفتگو اس جہاں میں دربارِ معشوق کے برابر نہیں ہوتی اس جہاں میں علم ایک نکتے کا نام ہے عارفین کو علمِ فانی سے کوئی سروکار نہیں.

اے راجا گفتگو کو کوتاہ کر عارفین کے علاوہ کوئی دل بیدار نہیں ہے ہر کمزور دل بیدار نہیں ہوتا....

سلطان همت مرد باید تا شود همراه ما
کوتاه همت سر بکوید کئے رسد در گاه ما
آب دریا عین دریا عین دریا عین آب
قطره مسکین گر چه اینست عین دریا عین آب
با مراد من بر آید یا بگردم من هلاك
یا بینم روئے جانان یا بگردم زیر خاك
چوں زئجائے برخاستم فارغ گشتم از چه بود
در کنار یار جاناں چوں بگریم لاك خاك
چند گویم تو گمره خویش را در ره کن
خوش بدرد کوئے جانان جان خود راشاد کن
ملک تمثل فقر را چوں من بجوئیم برودام
پائے خودار کد گردان دوست را کوتاه کن
نظر از غیر ما بگزا را گرما را هوا داری
جمال خویش نبایم اگر مارا رضاداری

بچشم من فریبم عظیم من اینم من
من قبلہ توی باشم تو ماہ سیا داری
اگر جوئی حق را دائما ہر زمان در خود
چون "راجا" جان فدائی کن اگر مارا فرواری

بادشاہ باہمت

بادشاہِ باہمت مردِ دوراں، مدت میرے ہمراہ رہا کوہ تاہ ہمت لاغر، میری درگاہ میں ہیں جس طرح دریا کا پانی عینِ دریا ہے اور عینِ دریا عینِ آب ہے یعنی آبِ دریا ظاہرِ دریا ہے اور ظاہرِ دریا ظاہرِ پانی ہے ایک قطرہ مسکین تنہا کچھ نہیں لیکن وہ عینِ دریا عینِ آب بھی بن جاتا ہے. یا میری مراد کو پورا کر یا مجھے ہلاک کر یا مجھے میرے معشوق کے دریا میں فنا کر یا مجھے خاک میں دفن کر، اگر تو فارغ ہے۔ اور تیرا در بار برخاست ہے.. اور یہ محسوس کرتا ہے کہ میں کیا کروں مجھے میرے معشوق کے در کے کنارے کی خاک بنادے. دیکھو گمراہ دوستوں سے دور رہو. اور اُن سے کم بولو. اسلیئے میں غیر یار سے کم بولتا ہوں اور یار کی

گلی میں خوش وخرم رہتا ہوں ...مثال کے طور پر فقراء کی مملکت میں معشوقِ حقیقی کے غیر کی کوئی گنجائش نہیں، فقط ایک ہی دوست ہے....دیگر دوستوں کی گردان کو کوتاہ کرو.....غیر کی نظر کا میرے معرفت کے گھر میں کیا کام ہے صرف میرے معرفت کے گھر میں میرے معشوق کے جمال کا ظہور ہے اسی میں، میں راضی ہوں...اے میرے معشوق میرا قبلہ تو ہی ہے۔ اور میری چشم تیرے عظیم جلوے میں گرفتار ہے. راجا ہر زمانے میں دائماً راہِ حق کے لئے گردش کرتا رہا ہے. اور اس نے عشقِ حقیقی میں اپنی جان کو فدا کر دیا ہے...

نوری که لطیف است که درفهم نهان است
آن نور زبر و صف درین هر عیان است
سرے که پا پرده نهان بود به لاهوت
آن سر بهر وجه دریں نسخه بیان است
آدم که صورت او گشت (نمودار)
الله بتحقیق که همه خیز داران است
آن که در ایں سر رسیدند نه گفتند
اسرار جهاندار در این مورت جانِ است
معلوم چنین شد که دریں دهر به تحقیق
آبی که خضر خورد بهر جوئی روان است
شور است بهر گوش و گر کان است سرست
یا ایں که بلا گوش بلا کام زبان است
پیدا است دریں دهر بهر مشکل نهان است
با یں که خالی همه وقت جهان است

نزدیک کسانیکے تحقیق رسیدند
در دهر گهے پیر گهے مرد جوان است
نقاش جهاندار منقشن جوئبار است
ایں نقش چه نقش است که در دور نشان است
این گفت چنین است درین پیچ من نیست
لیکن گهر تماشا گهه حق جلوه دوران است
در دهر همه ذات خداوند تعالی است
جز ذات خداوند همه وهم و گمان است
ایں پیر خبردار درایں دار خبردار
بکه نور دریں دار همیں عین همان است
آنرا دریں دهر که ما نور خدائیم
امان چه تواں کرد که دل کفر ازاں است
هووی که شناسائی جهانی چنین گفت
آں یار بهر صورت در جمله جهان است

"راجا" کہ دراین دھر ھمین بود ھمان گفت
چیزے کہ بہشتی نیست کہ از عینی جہان است

نور

نور وہ لطیف شہ ہے جو انسانی فہم سے ماورا ہے اگر تو نور میں فنا ہو جا تو صفاتِ نورِ تجھ پر ظاہر ہو جائیں گی. کیونکہ منزل لاہوت میں نور پر ایک پردہ گرا ہوا ہے. یہ وہ اسرارِ حق ہے جن کا نسخہ حقیقت میں بیان کر رہا ہوں وہ حضرتِ آدم علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوا....

اللہ کی قسم بہ تحقیق یہی دار الخیر ہے "انا" نہ اُس در تک پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اس بارے میں گفتگو کر سکتی ہے. جہانوں کے راز میں یہ میرے معشوق کی صورت ہے تمہیں معلوم ہے کہ زمانے میں اس کی حقیقت عیاں ہے حضرت خضر علیہ السلام بحرِ نورانیہ کا پانی پیتے ہیں اور بحرِ نورانیہ رواں و دواں رہتا ہے ہر معرفت کے شہر میں اس بحرِ نورانیہ کا شور سنائی دیتا ہے لیکن معرفت بغیر کان، بغیر کام، اور بغیر دوا کی ہے. اس زمانے میں جو پیدا ہوتا ہے اس کے لئے بہت مشکلات ظاہر ہوتی

ہیں اور بہت سے خالی ہمہ وقت اس جہاں میں حقیقت کے نزدیک پہنچتے ہیں اسی جہاں میں کبھی وہ پیر ہیں، مرد ہیں، جوان ہیں، جہانوں میں رنگ بھرنے والے نے کیا کیا نقش و نگار کئے ہیں اور یہ نقش کیسا نقش ہے کہ جس کا کوئی درونشان نہیں ہے یہ گفتگو کیسی ہے جس کا کوئی میرے دل سے تعلق نہیں ہے لیکن کبھی تماشہ، کبھی جلوۂ حق کے نظارے ہیں ہر زماں میں صرف ذات خدا تعالیٰ کی ہے اور اُس ذات کے علاوہ اور کوئی ذات میرے وہم و گماں میں بھی نہیں ہے. اے پیر خبردار ہو جا، اس مقام پر خبردار ہو جا، ایک نور ہے اس مکاں پر ہمارے لئے عینِ ھما ہے ہر زمانے میں، میں نورِ خدا ہوں تو کیا کرے گا تیرا دل مانند کفر ہے ہم شناسا اس جہاں کے لئے کیا کہیں ہمارا معشوق ہر صورت میں اس جہاں میں موجود ہے...

اے راجا ہر زمانے میں یہی کیا تھا یہی کہہ رہے ہیں بہشت کیا شے ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں جو اس جہاں میں ہم پر ظاہر ہوا....

خدا را فروشی هوا را خیزی
نه از آدمی بلکه هستی خودی
چه سودا بود این که سرمایه عمر
که این گره خود را بدوزخ بری
چون ظالم کے را که دیده شود
زتیغ جدائی بریده شود
منم بیچاره من دیدم کناهان رابیام زد
حبیبا کن دوائی من اگر باما شفا داری
مشو خود بین حبیب من گرما را بخود بروی
بسوئے من توجه کنم اگر باما رضاداری
شراب عشق نوش کن اگر مارا تو میخوای
بنور من جنون شو اگر باما صفاداری
شود دوائے عزیز من بیا نزدیک مابنشین
چرا بیگانه میگردی نشان آشناداری

نشانی آشنائی را تو با ماسوی اللّٰہ کن
چو طلب خوش بما باشد شاھدہ ثمادرای
نظر از غیر ما بگذار اگر مارا ھوا داری
جمال خویش بنایم اگر مارا رضا داری
بچشم من فریبم عظیم منن اینم من
من قبلہ توی باشم تومایہ دنیاداری
اگرر جوئی حق رادائما ھر زمان درخود
چوں "راجا" جان فدائی کن اگر مارافرد داری

خداشناسی

قلندرِ کبریا اس غزل میں خدا شناسی کی تعلیم دے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ انسان کی خودی کچھ نہیں ہے جو بھی خودی ہے وہ ہستی مطلقہ کی ہے تو کہاں دنیا میں سوداگری کرتا ہے اللہ سے سودا کر کیونکہ تیری عمر کا سرمایہ نماز کے سجدے ہیں جو سب ہیچ ہیں اور جان لے جو

صرف معرفت میں فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں وہ آتشِ جہنم سے بری ہو جاتے ہیں ظالم کا راستہ کیا ہے فقط اس کی تلوار اللہ سے جدائی کا سبب بنتی ہے میں بیچارہ صرف تجھے ہی دیکھتا ہوں اور تیری ہی طرف متوجہ ہوں اے میرے حبیب مجھے وہ دوا دے جس سے شفا دائمی ہو میں صرف اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے میں خود اسکی طرف چل رہا ہوں اور میری تمام تر توجہ صرف اس کے لئے ہے تا کہ میں اس کی رضا پا سکوں۔ شرابِ عشق پی لے اگر تجھے شرابِ معرفت کی مے خواری کا شوق ہے کیونکہ اسی نور سے مجھ میں جنون عشق ہے اور میرا وجود پاک و پاکیزہ ہے اے میرے محبوب مجھ کو دوا دے تیرا دوا مجھے بڑی عزیز ہے آ میں تیرے نزدیک بیٹھ جاوں میں کیوں بیگانہ ہوں میں تیرے نور کے گھر سے آشنا ہو۔ واقفیت کی نشانی کیا ہے؟ ''سوائے اللہ'' کے اسکو ہمیشہ طلب کر یہ خوشی تیرے لئے ہمیشہ قائم رہے گی۔ غیر کی نظر سے مجھے کیا کام صرف تیرے جمالِ حسن سے میرا تعلق ہے یہی میری رضا ہے میری چشم اس عظیم جلوئے کو دیکھ

رہی ہیں میرا قبلہ تو ہی ہے تو ہی میری معرفت کا گھر ہے اگر تجھے ایسے حق کی تلاش ہے جو ہمیشہ رہے اور ہر زمانے میں موجود ہو تو اے راجا اپنی جان فدا کر۔

من در گروه قلندر نامم بگو قلندر
دائم نه هیچ مسجد مندر وجود اندر
منم از نور حقم افتم وجود آدم
دیدم جمال آزر توحید گفت تذدر
من درشکم مادر کدم وجود چادر
دیدم جمال آزر توحید گفت تذدر
در این خیال خام است گفتند تراچه نام است
گفتم مثال عام است عالم خطمائی اندر
در این جهان فانی فرمود لن ترانی
سر در نبی نورانی صلوٰة بر پیغمبر
قلندر جه گفت گوهر داند خیال جوهر
بیوه کند چو شوهر هر مفتی مقال منتر

قلندر

میں گروہ، قلندر میں ہوں.. میرا نام کہو قلندر، میرے وجود کے اندر نہ مسجد ہے نہ مندر میں نورِ حق ہوں جو آدمؑ میں تھا میں نے جمالِ آذر دیکھا ہے توحید کی گفتگو میرے اندر ہے شکم مادر میں کونسی وجود پر چادر ہوتی ہے فقط جمال آذر کا نظارہ ہوتا ہے اور توحید کی گفتگو ہوتی ہے اگر کوئی خیال غلط ہے تو تیرا نام کیا ہے میں یہ عام مثال بیان کر رہا ہوں تمام عالم کے راستے میرے اندر ہیں اس جہاں فانی کی لن ترانیاں اور ان سے کیا فائدہ... اسلئے نبی نورانی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دورد بھیجو..... قلندر کی گفتگو گوہر کی مانند اور خیال جوہر کی مانند ہے ملاّ، مفتی کا کام یہ ہے کہ وہ بیوہ ہو جانے والی عورت پر اپنے منتر پڑھتا ہے...

گر به فاقه جان هر آد از نفس
چون مگس دست مزن یزنان ماکس
دین و دنیا هر دو که آید بدست
این فضولی هامکن ای خود پرست
هم خدا خواهی وهم دنیائے دوں
این خیال تر محال است و جنون
پیر گشتی صد هوس داری به دل
چون خرابلهه فرد مانی به گل
بهر دیں از دل کند دنیا علی
آن علی شد والئی ملک نبی
زال دنیارا چناں زد پست وپا
تا نه آید در نکاح اولیاء
بهر دنیا آن یزید ناخلف
دین خود بهر دنیا کرده تلف

پیر گشتی

قلندرِ کبریا اس غزل میں فرماتے ہیں کہ دنیا کے متلاشی افراد نفس کی ہواو ہوس کے غلام کیا فقر و فاقہ کریں گے. وہ اس بات پر مغرور ہیں کہ دین و دنیا دونوں ان کے ہاتھ میں ہے یہ لوگ فضول ہیں اور خود پرست ہیں جو خدا والے ہیں وہ دنیا کو حقیر جانتے ہیں اے پیر گشتی تو ہواو ہوس کے گرد گشت کرتا ہے اور سیکڑوں ہوس رکھتا ہے کیونکہ تجھ میں قلبِ نورانیہ نہیں ہے تو اکیلا ہے اسیر و ویران ہے.... مثل ایک تنہا پھول کے، دین کی پختگی اور معرفتِ قلب یہ ہے کہ اس کا دین و دنیا صرف مولا علیؑ ہیں وہ علی المرتضیٰؑ جو شہنشاہ ملکِ نبی ہیں ان کے نزدیک دنیا ایک بوڑھی عورت کی مانند ہے جس کی کمر دوہری ہو چکی ہے وہ اولیا اللہ کے نکاح میں کیسے آئیگی

دنیا کو چاہنے والا وہ یزیدِ ناخلف ہے. جس نے دین کو برباد کرنا چاہا دنیا کی خاطر....

مرحبا اے بلبل باغ دکھن
مرحبا اے بلبل شیریں سخن
مرحبا اے ھدھد فرخندہ فال
مرحبا اے ھدھد شیریں مقال
مرحبا اے قاصد طیار ما
می دھی ھردم خبر از یار ما
درہ دم ھفت آسمان راطنے کنی
مرکب حصر و ھوا راپئے کنی
زھد و تقوی حست اے مرد فقیر
لاطمع بودن ز سلطان و امیر
بر در سلطان مرد درویش مبین
گنج قارون گرد ھد سویش مبین
زال دنیا چوں در آمد در نگاہ
کرد بر خود خون آں سید مباح

معرفت کے پرندے

مرحبا اے پرانے باغ کی بلبل، مرحبا اے بلبل شیریں سخن، مرحبا اے ہد ہد مبارک شگون، مرحبا اے ہد ہد شیریں گفتگو کرنے والے، مرحبا اے معرفت کے پرندوں اور میرے معشوق کے قاصدوں تم ہر دم میرے معشوق کی خبر لا کر دیتے ہو اور اس کے لئے ہفت آسمان سے گذرتے ہو....اور حرص و ہوا کو اپنے سے دور رکھتے ہو...اے مردِ فقیر تو زہد و تقوی اپنے اندر قائم رکھتا ہے...اور تجھے بادشاہ و امیر بننے کی تمنا نہیں ہے...اے مردِ درویش بادشاہ حقیقی کے در کو ظاہر کر اور اس روشن ضمیر کو ظاہر کر جو خزانہ قارون سے تجھے ملی ہے. اس دنیائے زال کی کوئی حقیقت نہیں ہے اسکی نگاہ میں بزرگ سید کا خون بہانا درست ہے..

حضرتِ شافعی رحمتہ اللہ علیہ

ان کی کنیت ابوعبداللہ محمد ادریس اور لقب عارف باللہ ہے شافعی اس وجہ سے کہلاتے تھے کہ ان کے مورث اعلیٰ کا نام شافعیہ تھا جو ہاشمی نسل سے تھے. آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب آپ کے آباؤ اجداد میں سے تھے اہل سُنت و الجماعت کے عقیدے کے مطابق آپ ان کے چار اماموں میں سے ایک امام ہیں. مذہبی تعصّبات نے ان کی عارفانہ شخصیت کو مسخ کر دیا اور آج کے دور میں محض وہ ایک فرقہ کے ملّا اکبر ہیں. اس کے برعکس وہ ایک عارف تھے اور مولا علیؑ کے عشق میں فنا تھے اور آلِ رسولؐ کی محبت میں اپنے آپ کو رافضی کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے....

یا راکباً قف بالمحصب من منیٰ
واھتف بساکن خیفھا ولناھض
سحراً اذا فاض الحجیج الیٰ منیٰ
فیضاً کملتطم الفرات الفائض
ان کان رفضاً حُبّ الِ محمدؐ
فلیشھد الثقلان انی رافضی

اے شہسوارِ منیٰ کی وادی محصب کے قریب رک جاؤ اور جب صبح کے وقت عازمین حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح منیٰ کی طرف روانہ ہو تو اس علاقے کے ہر باشندے اور ہر راہرو سے پکار کر یہ کہدو اگر صرف آلِ محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو اس کائنات کے تمام جنات وانسان گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں....

اذا فی مجلس ذکرو اعلیاً
و سبطیه و فاطمة الزکیه
فاجری بعضهم ذکری سواه
فالیقین انه سلقلیقته
اذا ذکرو اعلیاً اوبنیه
تشاغل بالروایات العلّیه
یقال تجاوز وایا قوم هذا
فهذا من حدیث الرافیضیة

برئت الی المهیمن من اناس
یرون الرفض حب الفاطمیة
علی آل الرسول صلوة ربی
ولعنته لتلک الجاهلیة

حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقتاً مومنین وصاحب ایمان کی مجالس و محافل میں ان پاکؑ ہستوں کا ذکر لازمی ہوتا ہے یعنی ذکرِ مولا علیؑ حضرت فاطمہؑ اور مولا حسنؑ حسینؑ کا ذکر سلقلیقہ کا لفظ شافعیؒ نے بتول کے معنوں میں استعمال کیا ہے. یعنی ایسا وجود جس پر جبلت انسانیہ کا اطلاق نہیں ہوتا جو بشری تقاضوں سے ماورا ہو. اسکا خواہشات نفس کے کوئی تعلق نہیں یعنی یہ وہ پاک ہستیاں ہیں جن پر gender کا اطلاق نہیں ہوسکتا یعنی نہ وہ مرد ہیں نہ عورت، اسلئے ولایت مطلقہ یعنی محمدؐ وآل محمدؐ بشیریت کے خالق ہیں حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں جب ہم مولا علیؑ اور بالخصوص پنجتنؑ پاک کا ذکر کرتے ہیں تو ان سے بغض رکھنے والے ہم پر رافضی کا الزام لگاتے ہیں..

حبِ فاطمہؑ کے لئے رافضی کا الزام اگر لگایا جائے تو شافعیؒ خود رافضی ہے. درود ہو مولا علیؑ اور آلِ رسولؐ پر اور لعنت ہو ان جہلا پر جو اِن سے بغض رکھتے ہیں اور ان کے چاہنے والوں کو رافضی کہتے ہیں.....

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من فی القران انزلہ
کفاکم من عظیم الفخر انکم
حسن لم یصل علیکم لاصلوۃ لہ

قرآنِ مجید کے سورہ شوریٰ کی آیاتِ مبارکہ جن میں اہل بیت رسولؐ اللہ سے محبت میں فرض اور واجب قرار دی گئی ہے..

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ط

اے رسول کہہ دیجیئے کہ میں تبلیغِ رسالت کا اجر صرف یہ مانگتا ہوں کہ میرے اہلبیتؑ سے محبت کرو.. یعنی قرابت داروں سے مودۃ کرو.

حضرت شافعیؒ نے اپنے پہلے شعر میں اِسی آیت قرآنی کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں اجر رسالت کے لئے اہل بیت کی محبت کو واجب کر دیا

گیا ہے. دوسرے شعر میں فرماتے ہیں کہ اہل بیتؑ کی عظمت اتنی بلند و پایا اور عظیم ہے جس پہ جتنا فخر کیا جائے کم ہے ان کی عظمت کی انتہا یہ ہے کہ جب تک نماز میں ان پر درود نہ بھیجا جائے اس وقت تک نماز مکمل نہیں ہوسکتی. یعنی اگر تشہد میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر دورد نہیں بھیجا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے.....

قالوا ترفضت کلّا
ما الرفض دینی ولا اعتقادی
لکن تولّیت غیر شک
خیر امام وخیر ھاد
ان کان حب الوصی رفضا
فانی ارفض العباد

حضرت شافعیؒ ان اشعار میں فرماتے ہیں وہ مجھے رافضی کہتے ہیں میری رافضیت عینِ دین ہے اور یہی میرا عقیدہ ہے. کیونکہ اگر رافضیت یہ ہے کہ بہترین امام بہترین ھادی اور وصی رسولؐ یعنی علی ابن ابی

طالبؑ سے محبت کرنا ہے تو یہ رفضیت میرے نزدیک عبادت ہے (نوٹ) عجب مشکل ہے اور عجیب تر بات ہے میرے تجربات زندگی میں یہ بات قطعی ہے کہ اگر ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا جائے اور مولائے کائنات کی بندگی کا اظہار کیا جائے. تو سُنی فرقہ کہتا ہے کہ یہ رافضی ہے یعنی جھوٹا ہے اور شیعہ فرقہ کہتا ہے یہ غالی ہے فضائل علیؑ میں غلو کرتا ہے. مختصر یہ کہ دونوں فرقے مولائے علیؑ کی ولایتِ مطلقہ سے بغض رکھتے ہیں. یہ صرف عارفین ہی ہیں جو قطب، ابدال، اولیا اور حلاج منصور بن کر انا الحق کا نعرہ لگائیں تو اس سے مراد یہ ہے ان کے دل میں حق کا ظہور ہو گیا یعنی ولایت مطلقہ کا ظہور ہو گیا. مولا علیؑ کے اسرارِ حقیقی کھل گئے. ان کی ولایت کا نور دل میں روشن ہو گیا. ایسے شخص سے جس کے قلب میں مولا علیؑ کی ولایت کا نور روشن ہو جاتا ہے تو اس کی زبان اسرارِ حق کے معنی اُگلنے لگتی ہے اور ہر فرقے کا مولوی اُس کا دشمن نظر آتا ہے اور جہاں تمام اسرارِ حق سے پردہ اُٹھ جائے۔ اور توسل ولایتِ مطلقہ بدون وسیلہ قائم ہو جائے. وہاں مزاج

قلندری جنم لیتا ہے اسلئے مظہر العجائبات کی معرفت عجب تر ہے. ناممکن ہے. اگر ممکن ہے. تو اظہار ناممکن ہے اگر اظہار ممکن ہے تو دنیا ناممکن ہے فقط تختہ دار ممکن ہے یہی شافعیؒ اپنے دیوان میں بتانا چاہتے ہیں...

علی حبہ جنۃ
قسیم النار والجنۃ
وصی المصطفیٰ حقاً
امام الانس والجنۃ
کفی فی فضل مولانا علی
وقوع الشک فیہ انہ اللہ
ومات الشافعی ولیس یدری
علی ربہ ام ربہ اللہ

علیؑ کی محبت سپر کا کام دیتی ہے (آتش جہنم سے بچانے والی ہے) اور

حضرت علیؑ اور دوزخ کی تقسیم کرنیوالے ہیں. خدا کی قسم آپ حضرت محمد مصطفےؐ کے وصی ہیں اور تمام انسانوں اور جنات کے امام ہیں. مولانا علی صلوٰۃ اللہ علیہ کی رفعت اور شان میں یہی کافی ہے کہ صاحب عقل و باشعور انسانوں کے درمیان ان کے اللہ ہونے کا شک وشبہ پیدا ہو گیا ہے. اور میں (شافعی) مرتے وقت تک یہ نہیں جان سکا کہ میرا رب علیؑ ہے یا اللہ ہے.....

حضرت شافعیؒ کا یہ کلام ان کے دیوان سے لیا گیا ہے.

ابن ابی الحدید المعتزلی

ابن ابی الحدید المعتزلی علم الاکلام میں فلسفہ عقلیت کے بانیوں میں سے ہیں. ان کے نزدیک حجتِ قطعی عقل ہے. اور مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ دنیا کی تمام عقول کے امام ہیں. یعنی مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ کا دوسرا نام عقلِ کُل ہے. معتزلہ کی فکر کو جدید دور میں فرانس میں رینا ڈیکارٹ نے فلسفہ عقلیت کی بنیاد رکھی "اس کے نزدیک شک سے علم پیدا ہوتا ہے. ڈیکارٹ کے نزدیک میرا چلنا، پھرنا، دیکھنا محض میرے وجود کے ہونے کی دلیل نہیں ہے. میری دلیل یہ ہے کہ میں سوچتا ہوں لہذا میں ہوں". ابن ابی الحدید المعتزلی کا سب سے بڑا کام مولا علیؑ کے خطبات پر مبنی کتاب نہج البلاغہ کی شرح لکھنا تھا جو اس نے عربی زبان میں لکھی. اور آج بھی شیعہ سنی ملا ابن ابی الحدید المعتزلی کی شرح نہج البلاغہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے. نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں ابن ابی الحدید المعتزلی فرماتے ہیں کہ مولا علیؑ فرما رہے ہیں کہ اللہ کی معرفت محال ہے انسان کی فکروں کی بلند پروازیاں اس رب العزت تک نہیں پہنچ سکتیں. لیکن آگے چل کے مولا علیؑ فرماتے ہیں کہ دین کی بنیاد معرفت ہے تو گویا مولا علیؑ کھل کے کیوں نہیں کہتے کہ معرفت صرف ان کی ولایتِ مطلقہ کی ہے. ابن ابی الحدید المعتزلی نے سینکڑوں قصیدے مولا علیؑ کی شان میں لکھے ہیں انشا اللہ کشکول کی

آئندہ جلدوں میں تمام قصیدوں کی عارفانہ تشریحات کی جائیں گی...

الم تخبر الاخبار فی فتح خیبر
ففیها لذی اللّب الملب أعا حبیب
وما انس لا انس اللذین تقدما
وفرّهما والفرّقد علما حوب
واللراية العظمی وقد ذهبا بها
ملابس ذلّ فوقها وجلایب
یثلهما من آل موسی شمردل
طویل نجاد السیف اجید یعبوب
یمجّ منوناً سیفه وسنانه
ویلهب ناراً غمده والانابیب
احضرّهما أم حضرًا خرج خاضب
وذانهما ام ناعم الخدّ مخضوب

عذرتكما انّ الحمام لمبغض
وانَ لقاء النفس للنفّس محبوب
ليكره طعم الموت والموت طالب
فكيف يلذّا الموت والموت مطلوب
الا انّ نجد المجد البيض ملحوب
وللنه جمّ المهالك مرهوب
ذُق الموت ان مشيت العلى وطعم الرّدى
قنيل الامانى بالمنية مكسوب
هو العسل الماذق يشتاره إمرؤ
بغاهُ واطراف الرّماح يعاميب
خض الحتف تامن خطّة الحسف انما
بيوخ طرام الخطب والخطب مشبوب
وفوز علّي بالعلى فوزها به
فكل الى كلّ مضاف ومنسوب

حصون حصان الفرج حيث نبوجت
وما كل مبط الجزارة مركوب
يناط عليها النجوم قلّائد
ويسفل عنها للغام اهاضيب
فلّما اراد الله فضّ ختامها
وكل عزيز غالب الله مغلوب
وما هابجيشٍ يملا الارض فوقه
ارواق من انصر الا لهى مضروب
نهارسيوف فى وحى ليل عيّر
فابيض وضّاح واسود غربيب
على امير المومنين زعيمه
وقائده نسر المفاده ولذيب
حنافيک فاد العرب منک بسوددٍ
تضاصر عنه الفرس والّروم والنوب

هو النّبأ المكنون والجوهر الذى
تجسد من نور من القدس زاهر
وزو المعجزات الواضحات اقلها
الظهور على مستودعات السرائر
ووارث علم المصطفى وشقيقه
اخا ونظيرا فى العلى والاواصر
الا انما الاسلام لولا حسامه
كعفطة عنز اوقلامة حافر
بنى الوحى هل انقى الكتاب لناظم
مقالة مدح فيكم اولناثر
ازكان مولى الشاعرين وربهم
لكم بانيا مجداً فما قدر شاعر
وقل: السلام عليک يا مولى الورى

نصابہ نطق الکتاب المنزل
کان الناس کلھم قشور
یا وارث التوراۃ والانجیل والفر
قان والحکم الّتی لاتعقل

ابن ابی الحدید المعتزلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں کوئی بھی مولا علیؑ کا مقابلہ نہیں کرسکتا خیبر کے موقع پر کتنے دن یہ صحابہ پرچمِ اسلام کو ذلیل وخوار کرتے رہے لیکن اسلام کو عزت دینے والے مولا علیؑ نے خیبر کو فتح کیا مولا علیؑ جہاں وارثِ توریت وانجیل ہیں وہ وصی رسولؐ اور وارثِ مصطفیٰؐ ہیں. اسلام ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے. ان کی عجائبات اور معجزات بے شمار ہیں. خیبر کی فتح بھی ان کی عجائبات میں سے ایک عجب ہے. کوئی ان کی شان میں کیا شاعری کرے گا اللہ رب العزت خود ان کا قصیدہ خواں ہے. مولا علیؑ کی بزرگی کا راستہ اور ان کا ظہور جو کہ واضح

نصا بہ نطق الکتاب المنزل
کان الناس کلھم قشور
یا وارث التوراۃ والانجیل والفر
قان والحکم الّتی لاتعقل

ابن ابی الحدید المعتزلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں کوئی بھی مولا علیؑ کا مقابلہ نہیں کرسکتا خیبر کے موقع پر کتنے دن یہ صحابہ پرچمِ اسلام کو ذلیل وخوار کرتے رہے لیکن اسلام کو عزت دینے والے مولا علیؑ نے خیبر کو فتح کیا مولا علیؑ جہاں وارثِ توریت وانجیل ہیں وہ وصی رسولؐ اور وارثِ مصطفیٰؐ ہیں. اسلام ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے. ان کی عجائبات اور معجزات بے شمار ہیں. خیبر کی فتح بھی ان کی عجائبات میں سے ایک عجب ہے. کوئی ان کی شان میں کیا شاعری کرے گا اللہ رب العزت خود ان کا قصیدہ خواں ہے. مولا علیؑ کی بزرگی کا راستہ اور ان کا ظہور جو کہ واضح

حضرت حسین منصور بن حلاج

آپ کا اصلی نام حسین بن حلاج ہے لیکن آپ اپنے باپ منصور کے نام سے مشہور ہیں فارس کے شہر بیضا میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت جنید بغدادی کے مرید تھے۔ حسین منصور بن حلاج مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ میں فنا تھے ان کے نزدیک عارف کے قلب میں مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اور یہی حقِ مطلقہ ہے اس لئے انہوں نے انا الحق کا نعرہ لگایا جس کو شیعہ، سنی ملا اپنی تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے نہیں سمجھ سکے۔ اِس اولیا اللہ کی کرامات کو ملاؤں نے جادوگری کے مترادف قرار دیا اور اس وقت کے حکامِ بالا سے مل کر ان کو شہید کروادیا۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد بھی ان کے وجود سے انا الحق کی صدائیں آرہی تھیں۔ اور انہوں نے سولی پر چڑھ کر مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ کو ثابت کردیا۔ اس لئے قلندرِ کبریا نے اپنی غزل رقص میں اپنے آپ کو خواجہ منصور کا دوست قرار دیا ہے۔

آں ماحیٔ ضلالت وحامیِ دین حق
آں والیٔ ولایت جاں شاہ اولیا

داماد مصطفائےؐ معلا علیؑ که هست
خاك درش زروئے شرف کعبه عُلا
آدم خلافت است و ابراهیمؑ خلت است
چون نوحؑ متقیست هم از قول مصطفےؐ
موسیؑ ست در مهابت و عیسیؑ ست در ورع
جمشید در جلالت و احمدؐ در اصطفا
اور اولا تیسیت به تخصیص از خدا
کاں رابیاں می کندایز دبه انما
عمر یست تا حسین جگر خسته مانده است
در دستِ اهل نفس گرفتار صد بلا
امروزدستِ گیر که ازپافتاده ام
آخر نه دستِ من تو گرفتی درابتدا

گمراہی کے مٹانے والے اور دین حق کی حمایت کرنے والے وہ ولایت جان کے والی شاہ اولیا ہیں عالی مرتبت حضرت محمد مصطفےٰؐ کے داماد علیؑ ہیں جن کے در کی خاک مرتبہ میں کعبہ کی بزرگی کا شرف رکھتی ہے ....جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے آپؑ میں آدمؑ کی خلافت، ابراہیمؑ کی خلت اور نوحؑ کا تقوی جمع ہے. ایک طرف آپ میں حضرت موسیٰؑ کا جلال اور حضرت عیسیٰؑ کا ورع ہے تو دوسری طرف جمشید کی شان وشوکت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برگزیدگی ہے.....آپ کو اللہ تعالےٰ سے ولایتِ خاص حاصل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیتِ انما میں فرمایا ہے. حسینؑ ایک زمانہ سے خستہ جگر ہے اور اہل نفس کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر بلاؤں میں مبتلا ہے جیسی آپ نے ابتدا میں میری مدد فرمائی تھی، آج میرا ہاتھ تھامئے کہ میں مجبور ہو گیا ہوں...

.....

حضرت جنید بغدادیؒ

آپ کا نام ابولقاسم بن محمد بن جنید نہاوندی ہے اور خطاب سید الطائفہ۔ بغداد میں ولادت ہوئی۔ سری السقطی کے شاگرد تھے، ابوثور سے فقہ پڑھی پھر تصوف کی تعلیم شروع کی علمِ عرفان میں بہت سے مدارج طے کیئے، آپ کی ایک مشہور تصنیف ہے جو مختلف رسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں علمِ عرفان کے پیچیدہ مسائل حل کیئے گئے ہیں۔ اس میں آپ کے خطوط بھی شامل ہیں۔ عوام آپ کے معتقد تھے، علمِ طریقت کی تشکیل میں آپ کا زبردست ہاتھ تھا اور عارفین کے نزدیک آپ کا مرتبہ بہت بلند سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک بندہ عارف منزلِ کمال حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ مولا علیؑ کی چوکھٹ پر اپنا ماتھا نہ ٹیک دے۔۔ حضرت جنیدِ بغدادیؒ کی تمام عارفانہ تحقیقات کا مرکز مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ ہے۔

نه یافت وهم و خرد پایهٔ کمال علیؑ
یه وصف راست نیا یدبیان حالِ علیؑ
مقر راست که در عهد فطرت ارواح
بروح پاك محمدؐ ید اتصال علیؑ
زبد و حال که یررست ازریاض صفا
به آب وعلم بر ومند شد نهال علیؑ
چو آفتاب رسالت طلوع کرداز غیب
ظهور یافت ازاوج افق.هلال علیؑ
نخست قرعه ایماں به نام او آمد
که خیر بودوسعادت نشانِ فال علیؑ
چویافت خطبه اسلام زیب و زینت وحی
گرفت کارغزارونق ازقتالِ علیؑ
جواب داد سوالات کل عالم را
کسے نه گفت جوابے زیک سوال علیؑ

حدیث رایت و طیر و غدیر و عقد اخا
شهود آیه صدق اندبر خصال علیؑ
نزول آیه مستغفرین بالا سحار
بوددلیل مناجات زابتهالؑ علیؑ
تو سرا الفسنا ولیکم دریاب
که بر تو کشف شود عزت و جلال علیؑ
نه کرده طرفته عینے گناه در همه عمر
که غرق طاعت حق بودماه وسال علیؑ
زجام لطف خداتا ابد بودسیراب
کسے که نوش کند شربه زلال علیؑ
این روشنائی ایمان رسد ز ظلمت کفر
ولے که نور یقیں دیدار جمالِ علیؑ
ازاں زماں که بدیدم جمال اور در خواب
نه بوده ام نفسے خالی از خیال علیؑ

گواہ باش خدایا! کہ بندہ تو جنید
ہمیشہ ہست محب علیؑ و آلِ علیؑ

وہم وخرد حضرت علیؑ کے مرتبۂ کمال کو نہیں پہونچا آپ کی توصیف کا بیان ناممکن ہے آپ کے حال کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنا ممکن نہیں.... یہ بات یقینی ہے کہ ظہورِ ارواح کے وقت حضرت علیؑ کی روح کا اتصال، روح پاک محمدؐ کے ساتھ تھا.... نہال علیؑ ابتدا ہی سے باغ جنت سے اگا ہے اور آبِ علم سے شاداب ہوا ہے... جب عالم غیب سے آفتاب رسالت طلوع ہوا تو اوج افق پر ہلال علیؑ بھی جلوہ گر ہوا..... ایمان کا پہلا قرعہ آپ ہی کے نام سے نکلا کہ خیر وسعادت علیؑ کی فال کا نشان تھا.... جس طرح اسلام کے پیام اور خطبے نے وحی الہیٰ سے زیب و زینت پائی، اسی طرح غزواتِ اسلام کی رونق آپ کی دلیرانہ جنگ سے ہوئی... آپ نے تمام دنیا کے سوالات کے جوابات دیئے لیکن آپ کے ایک سوال کا بھی کوئی جواب نہ دے سکا... احادیث ''رایت''

وطیر وغدیر اور ''عقد اخا'' آپ کی سیرت مبارک کی تصدیق کی نشانیاں ہیں.... ''مستغفرین بالا سحار'' کی آیت کا نزول حضرت علیؑ کی مناجات اور آپ کے ترکِ لذات نفس کی دلیل ہے.... تو ''انفسنا'' اور ''ولیکم'' کا راز معلوم کر، تا کہ تجھ پر حضرت علیؑ کی عزت وجلالت کا انکشاف ہو سکے..... آپ نے تمام عمر ایک پلک جھپکنے کے وقفہ کے برابر بھی گناہ نہیں کیا کیونکہ آپ کے سارے لمحات زندگی اطاعت حق میں صرف ہوتے رہے.... جو شخص شرابِ عشق علیؑ نوش کرے گا وہ خدا کی رحمت کے جام سے تا ابد سیراب رہے گا..... جس دل کو حضرت علیؑ کے جمال سے نور یقین حاصل ہوا وہ کفر کے اندھیروں سے نجات پا کر ایمان کی روشنی تک پہنچا..... میں نے جب سے خواب میں جمال علیؑ کو دیکھا ہے میرا ایک سانس بھی خیال علیؑ سے خالی نہیں رہا.... اے اللہ تو گواہ رہنا کہ تیرا بندہ جنید ہمیشہ علیؑ واولادِ علیؑ کا دوست رہا ہے....

حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی

حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی قلندرِ کبریا کے سلسلے کی نورانی کڑی ہیں اس بندۂ عارف کا مشن انسانیت، سچ بولنا، ظالم کو ظالم کہنا اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانا رہا ہے. ظاہر ہے انسانیت کا علمبردار، زبان، رنگ و نسل قوم اور مذہبی تعصّبات سے بلند ہو کر ہی شعور و علم کی گفتگو کر سکتا ہے کیوں کہ مذہبی تعصّبات بالخصوص علم و آگہی کے دشمنِ مسلسل ہیں. شاہ لطیف بھٹائی وہ فنافی القلندر ہیں جن کو قلندرِ کبریا کے حسینیؑ سلسلے کا مکمل شعور تھا بُرکیڈارو میں حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی کے مقصدِ کربلا اور مولا حسینؑ کی شہادت کے حقیقی اسرارِ و رموز سے پردہ اٹھایا ہے. بھٹائی سرکار اپنے کلام میں لطیف انداز میں یہ تبصرہ فرماتے ہیں کہ عدل و احسان کا قیام ذبحِ عظیم کے صدقے میں قائم ہے جو قربانیاں دے سکتے ہیں اور جن عاشقوں کو مقاصد الٰہی کا شعور ہو جاتا ہے اور وہ حقیقت کو پہنچان لیتے ہیں وہی انسانیت کے رہبر اور کائناتوں کے امامِ مبین کہلاتے ہیں. شاہ لطیف ایک شعر میں فرماتے ہیں جس مسلمان میں دردِ حسینؑ نہیں اسکی بخشیش نہیں ہو سکتی اس شعر سے ان کے قلندرِ کبریا کے تعلق کا پتہ چلتا ہے

بغض ال محمدؐ بغضِ ولایت مولا علیؑ ہی دراصل حقیقی دشمنی ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بقول امید فاضلی:

اك محمدؐ کی دشمنی کیا کیا قیامت ڈھا گئی
بدر کی حد بڑھتے بڑھتے کربلا تک آ گئی

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے مولا علیؑ اور بالخصوص مولا حسینؑ کی شان میں سینکڑوں اشعار کہے ہیں لیکن مذہبی تعصّبات رکھنے والے افراد نے ان کو کلام لطیف سے حذف کر دیا اور انتہا تو جب ہوئی کہ شیخ ایاز جو دشمنانِ اہلبیتؑ میں سے ایک شخص تھا اس نے سرُ کیڈارو کو شاہ جو رسالو سے غائب کر دیا اور نہ ہی اپنے مختلف تراجم میں اس کا ذکر کیا اس وقت بھی سینکڑوں فقراء و درویش ہیں جن کے سینوں میں حقیقی کلامِ لطیف موجود ہے مگر ناصبی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن محترم ممتاز مرزا صاحب (شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ ثقافتی مرکز) نے گنج شاہ جو رسالو میں سرُ کیڈارو نقل کیا ہے..

اس کے علاوہ مرزا عباس بیگ (ٹنڈو آغا حیدر آباد) جو سندھی مرثیہ نگاری کے حوالے سے ایک عظیم اسکالر ہیں ان کے پاس حضرت شاہ لطیفؒ کا کافی کلام موجود ہے اور بالخصوص جناب خادم حسین سومرو نے

سندھی مرثیہ کی اجمالی تاریخ اور سُر کیڈارو کے تراجم جو فارسی، انگریزی، اردو اور پنجابی زبان میں ہوئے اس کو شائع کیا جو ایک عظیم کام تھا ہوسکتا ہے کہ کشکول کی دوسرے جلد میں حضرت شاہ لطیف بھٹائیؒ سرکار کا کلام مزید شائع کیا جائے. تحقیق اور جستجو جاری ہے....

بسم الله الرَّحمٰن الرحيم

سرود ڪيڏاره

سختي سِيادتَ جي، سُٹ شادي جو ڏينهن
ذرو ناهِ يزيد جو، نِسورو ئي نينهن
مَرگ اُنو مينهن، عليءَ جي اولاد کي.

سختي شهادت جي، مَلارُ مڙوئي،
ذرو ناهي يزيد جو، آثار اُهوئي
کسٹ هو کوئِي، اصلِ اِمامنِ سين.

سختي شهادت جي،

مروئي ملار

ذرو ناهي يزيد ڏي، عشق جو آثار
ڪُسٽ جو قرار، اصل امامن سين.

سختي سيادت کي، نسورو ئي نازُ
کي رند پروڙين راز، قضيو ڪربلا جو.

جهيڙو لاهه يزيدَ، عليءَ جي اولاد سين
کانه پسنديَن عيد، حسن مير حسينَ ريءَ.

جنين جهيڙيو اڄُ، عليءَ جي اولاد سين
پاءَ تنين کان پڄ، جي جماعتِ يزيد جا.

جنين جهيڙئو ڪال، عليءَ جي اولاد سين
هاءِ تنين جي حالَ، جي جماعتي يزيدَ جا.

مير مدينئان نڪري، آئيا نه موڙي
کارا رگج ڪپڙا! ادا نيرو ڙي
آئون تنين لئي لوڙي، جي ميرَ مسافرَ رانئيا.

مير مدينئان نڪري، رڙهيا مٿي رند
گهوڙا تن گهوڙن جا، پُريا

مٹي پنڌ

جت رهندا راتڑي، سي سونهارا هنڌ
کُلها ڪرنگهر ڪنڌ، جُهرن جهونجهارن جا.

چپر جيئن پَهون، تيئن رڙ ڳجهون پيئيون
وَنڪا وَنڪن گڏيا، ڊوڙئو ڏين ڊَهُون
مهاين وَهُون، نيرُ مهانگو ڪنديُون.

هَٽڻُ هَڪَلڻُ، ٻيلي سارڙ، مانجهيان اءُ مرڪ
وجهن تان نه فرق، رُڪَ وهندي راند ۾.

جهمنديون اچن، جهوليون جهونجهارن جيون
پائيو ٻُڪَ ٻُهار جا، تن جيون وَهون واڪا ڪن
پٽيو پار ڪَرَن، رڙ گجئيو، راڙو ٽيو.

وائي

مومنو ماتام واويلا، اڄ نہ آيو امام، هئي ويلا
دلدل گهوڙو گهوٽ جو، مٽس لعل پلاڻي
شيرَ شهزادي لڏيو، سيد سيجَ نہ ماڻي
ان نہ پاڻي ان ڪي، نہ ڪو وَڻُ مينهون

هُئا سٽاٽيءِ جنگ ۾، ڏهه راتيون ڏهه ڏينهن.

ڪونر ڪلي جا ڪوڏيا، جانڪيتان ٿو جيءُ
متي آرڻَ آسري، رُڪ پيا لوڻ پيءُ
ڳاهه ڳجهُنِ ٿو ٽيءُ، وينِي جن وَرهه ٽيا.

ڳائو ڳجهه نه ڪاءِ ميهي ماسَ نه هيرُئين
وينِي تن واجهاءِ، ڪَلنگيون جَنِ ڪپارَ ۾.

پاڪ جن جا پير، ڪَٽان هيٺ نه هيريا
تَڇِ ترارن تچيا، چَڙيو پُونِ چُگير
ڏڙ تنين جا ڏير، ڳجهڙين ڳرِ لايا.

ڳجهون ڳوٺ نه هُونِ وتن ڪلي ڪوڏيُون
حسن مير حسين کي، لَميو لاڻون ڏين
ڪُتا اُڪولِنِ، چوٽا چوڙيڙينِ جا.

ڳجهڙينِ ڳارو، راتو ڏينهان رڻَ ۾
پيون پُچِن پاڻ ۾، ڪنهن منهن ڪيڏارو
ڪينِ ڪڳَ - مارو، ڪائر پيو ڪنو ٽيين.

ڦَڳَ ڪُسنئي ڪُونجڙي،

لگين پُوئي واءُ
اميرن متا، تون ڦُليل ڇانئونَ نہ ڪيون.

ڳجهن ويٺي ڳرهيا، ڏَجا ڏک گهٽان
تنَ ڪي لٽين ٽُوڙ جي، سورهيہ ساماٽا
ڪندا راماٽا، ڪَوئنر ڪلي جا ڪوڏيا.

اکيون ڪَنديُ مَ ڳجهڙي، تارا تاڻي مَ ڪاءُ
پيو نہ ڏسين پٽ ۾، ريگڙيارو راءُ
جيري تنهن جوان جي، لڳا نو سو نو گهاءَ
رات تنهن جي ماءَ، روئي پرنيو رب ڪي.

سورهيہ مري سوپَ ڪي، دل جا وهم وسار
هٿُ يالا پئو پاڪُرين، آڏي ڊال مَ ڊارِ
متي ٽيڪِ ترارِ، مار تہ متارو ٽئين.

سورهيہ مرين سوپ ڪي، تہ جَنگ جامي سين جوڙِ
آرڙ تيغ عشق جي، تنهن ڪانَ منهن مَ موڙِ
وهم حيلا پنهنجا منجها مَنَ وايوڙِ
نا جي نفس نِهوڙِ، تہ راز پسين ان رِڙَ جو.

ڪِلي ويرِ ڪٽڪَ ۾،

سائو سپ نہ هُون
پِڑَ تي سيئي پُونِ، موٽ جنين ميهڻون.

ڪلي ويڙ ڪنڊ ۾، پاڪر جو پائي
اڃا ان کي جيئڻ جو آسانگو آهي
سورهه سو چائي، جو رڳو ئي رڻِ گهڙي.

ڪلي ويڙ ڪنڊ ۾، هَئي سو حَسنُ هو
پِهري پيري پاءُ تي، پتنگ جيئن پِئو
آهي ڪير پِئو، جو هلان ڪري حسين تي.

ڪاري ڪڪر هيٺ مون جهيڙ نڊا ڇڏئا
ڪارا ڪُنڊ هٽن ۾، اڙول وڇيڙا هيٺ
ٽِير تنين سين ڏيٺ موٽ جنين ميهڻون.

وائي

ڪيو ملڪن رڻ ماتام، هئي شاهه حسين سڏارئُو،
ڪربلا جي پڙ ۾ آيا اَج اميرَ.
جهڙ ورائي جهوريَ جهليا، طرف سندي تقدير

ڪربلا جي پڙ ۾ خيما ڪوڙيائون
جيڪا تقدير رب جي لکيو لوڙيائون
فرزند علي جا دادلا مون ٽي ڪوڏ نپايا
بيبيءَ جنت بتولته خاتون پار ڪڍي ڳر لايا
فرزند علي جا دادلا چيو بيبي بتولتا
خون چڪيندیس اوهان جو جاني ڏينهن قيامتا
پسي سختي ميرَ حسين جي رنو نبين زاروزار
ملڪ فلڪ ڏرتي ڏهي آئي عرش متان اوچنگار.

پهرين محرم ماهَ، ميرَ مدينئان نڪتا
مڪي مديني ماڻهوئين، رنو مٿي راهَ
تنهن واحد کي واهَ جو حڪم ههڑائي ڪري.

محرم موڻي آيو، موڻيا تان نه اميرَ
مديني جا ميرَ، ڏاتر مون ڏيکاريين

ڏنو محرم ماهه ٽيو

سنکو شهزادن ۾
ڄاڻي هيڪ الله، پاڻ وڻندين جو ڪري.

ڏاڙهي رتَ رتياس، ڏند تہ ڏاڙهونءَ گل جيئن
چوڏهين ماهہ چند جيئن، پڙ ۾ پاڳڙياس
مَرُ مَرڪي ماس، ميڙي منجهہ مهديين.

ڏاڙهي رت رتياس ڏند تہ موتين ڀتيا
چوڏهينءَ ماهہ چند جيئن، پڙَ ۾ پيشانياس
سيما هر في وجودهر، منهن ۾ مَٽُ ڀُتياسِ
الله نورالسموات والارض، جَلوو زمينماسِ
ڪَڪَرا ڪربلا جا، مادر تي ميڙياسِ
قُنن تان رتَ قڙا، عليءَ تي اُگهٽياسِ
امت تي احسان سين، ٿيندي شفاعَتَ سنڌياسِ
مڙئي معاف ڪِياس، خالق بدلي خون جي.

ڪربلا ڪَکوري، دُلدل

رتا پيرَ
سَنّون ڏينديِ شيرَ، متان سِجُ مُرڪِيو.

ڪربلاجي پڙهِ، ڪيما ڪوڙيائون
جهيڙو يزيد سامهون، جنبي جوڙيائون
منهن نہ موڙيائون، پسي تاءُ ترار جو.

ڪربلاجي پڙهِ، آيا پاڻ پيهي
پَهُ ڪيائون پاڻِ هِ، مقابل ويهي
قضا هيءَ ڪيهِي، هئي هئي تي حسين سين.

ڪربلاجي پڙهِ مَرَڪي اُيا ميرَ
وڙهي ويرين سامهان، تکا هنيائون تِير
هُئي اِيءَ تقدير، اصل امامن سين.

ڊال ڊڙڪو، پاڳ ڦڙڪو، ڪُندَ ڪڙڪو مانجهي جت مَرن
مصرين منهن ڪڍيا، هڏ ڪُرڪرا ڪن
الله شهزادن، سويون ڏيين سچا ڏٽي.

ڊال ڊڙڪو، ڦاڳَ ڦڙڪو، ڪُندَ ڪَڙڪو، مانجهيا اِيءُ مَرَڪَ
وجَهنِ ڪو نہ فرقَ، رُڪَ

وهندي راند ۾.

ڪوپا ڪلي ڪوڏيا، راوت ڪين رهن
ساڻن سر فدا ڪيا، آگيان امامن
يجاهدونَ في سبيل الله، تا ڪم اهو ئي ڪن
حورون هار ٻدنِ، سهرا شهيدن کي.

ڪامل ڪربلا ۾، اهل بيت آيا
ماري مصرين سين، ان ڪافر ڪنبايا
سچ ڪي بيبي ڄائيا، اهڙا سورهيه سپرين.

ڪوپا ڪلي ڪوڏيا، سائو صُلحدارِ
هڪ پائي، ٻيا پائٽيا، ٽيان جاني جگر يار
حورنِ ٻڏا هار، سهرا شهيدن کي.

ڪامل ڪربلا ۾، آيا جُنگ جوانَ
بهادر گڏيا بهادرين، شير وڏي سان شانَ
ڏرتي ڏهي لرزي، ٽرٽليا آسمانَ
ڪرهه هئي ڪانه، هو نظارو نينهن جو.

حسنَ ميرحسين کي، رُنو ٽن ٽولن
گهر ماڻهئين، جهنگ مروئين، آئن ۾ مَلڪنَ
پکين پاڻ پچارڻو، لڏيو هوتَ وڄنَ
گهوڙن ۽ گهوٽن، رڙ ۾ لائون لڏيون*.

ڪامل ڪربلا

*حاشئي ۾ لکيل

ايا سيد شيرِ
سڄ اُلهي سانجهي ٽي، منهن اونڌاهي ميرِ
هٿن هاتڪن کي، پانو پري پيرِ
ماريَ مصريَن سين، ڏونڊيَ ڪڍائون ڏير
دهليا اُت دليرَ، پسي حملو ميرَ حسين جو.

ڪوفي ڪربلا ۾، پاٽي نه پيارين
اتي علي شاهَ ڪي، شهزادا سارين
نڪريو نهارين، چڙهه ميرَ محمد عربي.

ڪوفين قهر ڪيو، ٽيا جماعتي يزيد جا
پر ۾ پليتن کي ورنهِ هنو ور پيو
سڏر هون سهو، شير شهادت رسيو.

ڪوفين خط لکيو، وچ وجهي اللهُ
اسين تائب تنهنجا، تون آسانهجو شاهَ
هيڪر هيڏي آءُ، ته تخت تابيني تنهنجي.

حسن ناهه حسين وٽ، ٻيلي نه ٻانهون
ساڻيهه شهزادن، جو آهي اڳاهون
يزيدَ جلاهون، تيلاڻهن ڪريين تڪڙيون*.

حسن ميرَ حسين جي، سُئي جنگ جهانَ
اُڏاڻا اوڙ ڪري، ڪارين پڪين ڪانَ
پيءُ ڏاڏاڻا پاڻَ، سيد سڀ ملهائيا*.

پرهه پکي آئيو، ڪربلا کهي
روضي پاس

---

* حاشي ۾ لکيل

رسول جي، تنهن هَلي هاڪ هَنئي
ڏنيَم رُکَ رَئي، چڙهه محمد عربي.

پرهه پکي آئيو، ڪربلا مان ڪالهه
آيو آلودو رت ۾، هئي هئي منجهان حالَ
گهوٽ وَناهيا ڪالهه، ٻيلو، ميرِ حسين جا.

پرهه پکي آئيو، صبح سوارو
روضي پاس رسول جي، جنهن هنيو هاڪارو
مانجهين ڪيو مارو، چڙهه ميرِ محمد عربي

ڏٺو ڪالهه ڪَنهين، جهونجهارڪو جهڳڙو
هاٿين هڏ مچائيا، ريلي رت نَئين
پانئين ساسنئين، جئان جيءَ جوکو ٿيي*.

بهادر گڏيا بهادرين، ڪڙڪَ ڪلول ڪن
وجهن ڏڙ ڏڙن تي، هاڪاريَن هٽنَ
ڪِرنِ ڪُونڊ نچن، رڻُ گجيو راڙو ٿيو*.

وائي

چلو يارو مسلمانو، شهيدان ڪافر ماريا هَئي.
جنهان دي گهوڙي ٻيڙي، تنان مالَ تي جهيڙي
وجي ٿيا خاڪ سين پيڙي.
جنهان دي لڳ ڪي هيري تان مُک پان ڪي ٻيڙي
هَئي اُنهَان ڪونَ ڪا ڳئي ڪيڙي.

زليخا مصر ڪيري يوسف هُئا مغربِ ڪاشاني
هَئي ڏونهين وَجي ٿيا خاڪ ۾

---

*حاشيي ۾ لکيل.

فاني

هُئي هدايت حرڪي اصل ۾ امرا
چڙهي آئيو جنگ تي، هلي هن پارا
ايندي چيائين امام ڪي، تہ گهوريَس آن مٿا
لا يڪلف الله نفسًا الا وسعها ، ڪندس وَس وڏا
گهوٽ پہ لڳا گهاءَ، ايءُ پٽ شير شهيد ٿيو.

ڪربلا ۾ ڪوڪ، آهي شهزادن جي
ماري مير ملوڪ، جهلي رڪ رَهائيا.

ڪربلا جو قضيو، جڏهن پوي منجهہ جيئن
وسن ٿا وجود تي، سندا سورن سيئن
ڏُهٽن ڏُنا ڏُکڙا، ناني ري نبيءَ
فرزند بي بي فاطمہ پاڪ پيارا پيءَ
والي وارث وِيَ رِڻَ ۾ رُڪ رهائيا.

پَاونگ اُيو پِڙَ ۾، هَٽي هزاري هولُ
هيري لعل يا قوت جو، ڪامل سر ڪَنڪُولُ

رتو رت رتولُ، مولهيو مير حسين جو.

ڏنو ڪالهه ڪنهين، جهونجهارجو جهڳڙو
هاٿين هڏَ مُڇائيا، ريلو رت نئين
پائينِ سا سَنئين، جِئان جِيءَ جوکو ٿئي.

دوست ڪهائي دادلا، محب مارائي
خاصن خليلن کي، سختيون سهائي
الله الصمد بي نياز، جا ڪري سا چائي
انهَه ۾ آهي، اونهي ڳالهه اسرار جي.

جنت سنڌين جاءِ، فائق هليا فردوس ڏي
فاني ٿيا في الله ۾، هوءِ ۾ پيا هُوءِ
يا ربَّ ڏيکارين روءِ، انين جي احسان سين.

چار تراريون چيلهه تي، بَڌي به پاڳُون
اڳينِ جون آڳون، ڪُونئر ڪِلي ۾ موڪِيون*.
وائي
داغ سيني پر غم کا هي ماتم کا يا حسين.
جهنڊا جو آيا، خبر لي آيا، سوز کرو شه قاسم کا.

پڳو آئون نہ چوان، ماريو

---

*حاشيِ ۾ لکيل

تہ وسهان

کانڈ منهن ۾ ڏکڙا سيکيندي سونهان
تہ مرلڄ مران، جي هونس پُٺ ۾.

کاند کلاڙين کپڙين، ور وَناهيو آءُ
جت سانگين جي سَٺ وَهي، وِکَ وڏندي پاءِ
مَڇُڻ تو پُئا، کَڇو کَنِ جيڏيون.

سلطاني سلطان، کَلنگيون جن کپار ۾
کيڏو شرف قرآن ۾، شاهہ! تنهنجو شان
کوٽي کربلا ۾، ماريائون مزمان
منهن کاري مروان، لعنت لِکي لعين کي.

چنڊ وهاٽي چڙهيا، مَلَ مدينئان ميرَ
تن سين طبل باز تَبرون، کُند کٽارا کيرَ
علي پٺ اميرَ، کندا راڙو رُکَ جو.

چنڊ وهاٽي چڙهيا، مل مدينا گهوٽ
تن سين طبل باز تبرون، کُند

کٹارا کوٹ

علي پٽ آمون، کندا راڙو رُکَ سين.

چنڊ وهاٽي چڑهيا، مل مدينئان جامَ
اُن سين طبل باز تبرون نيزا ۽ نيشانَ
علي پٽ امام، کندا راڙو رُک سين.

کا جا ڏِري ڏُنگهري، کو جو ورئو واءُ
اين ۾ اُوس پيو، چپر چڑهيو شاهه
عليءُ شير وياءِ، رڻ ۾ پيينِ راتڑي.

حسن مير حسين جو، جن نه هينيَڑي جار
خالق ربُّ جبار، کين مَرهِندو تَنِ کي.

آيو علي شير، مَرَکئو مدينو ڏٽي
سونهاري سيد ري، کوٽ پَجندو کير
شيرَ ونتو ويرَ، پِڑ ۾ پواڙا کري.

گهوڑو گهوٽ پلاٽيو، مٿس زينَ ڏري
علي شيرُ پٽن کي، ايو سڏَ کري
هاٽي کيئن کري، جي امر الاهي آيو.

آيا

اجارين، تَنگَ ترارين تئُرا
سانگيون سائُن هٿ ۾، ڪلهنئون نہ لاهِينِ
اُيا ئي آهِين، مهائي مرڻَ تي.

پڄي آهيين پڇا، تو لڄايا يار
ويٺيون ڪن ڪُوار، مُنهن متانهان جن جا.

منهن متانهان جن جا، سي پٽئو ڪدن پار
جيڏيون! هن جهونجهار، اجاري اڇا ڪيا.

پڄي آهيين پڇا! لڄايُئي مون سيڻ
ويٺيون وجهن ويڙ، منهن متانهان جَنِ جا.

وائي

امامن جو ڪرهو ماتام، شهيدن جو ڪرهو ماتام.
روئي روئي اکيون رت چونہ پَرهو
جيڪين امامن سين ٽيو، سو پاڻ ڏٽيَ پيدا ڪيو.

وائي

ميندي لاوَڻُ ڏي، جيوين شاهہ، ميندي لاوَڻُ ڏي.
ميندي تيڏي رنگُلي چوٽا لعلِ گلاب
ما پيءُ

ڏِتَرَئِيءَ سهرا خبر نماني دي نالِ

حُر هلي آئيو، هن پاران مانجهي مَردانو
آهي عاشق آڳ جو، پتنگ پروانو
مان ٿيين راضي رسول ربّ جو، نبي تو نانو
هي سر سَمَانو، گهوٽ مٿان ئين گهوريان.

ڪربلا ۾ ڪوڪ، ساجُهر شهزادن جي
عالم جا ملوڪ، رُڪ روهي جهَليا.

سُر کیڈارو

اماموں کے لئے شہادت کی سختی درحقیقت ایک جشن تھا.. یزید کو ذرہ بھر بھی خیال نہیں ہے، علیؑ کی اولاد کے لئے موت ایک راز ہے..

شہادت کی سختی خوشی ہے. یزید پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے. اماموں کا قتل ہونا. دراصل راہِ حق میں فدا ہونا تھا...

شہادت کی سختی مکمل مسرت ہے. یزید کو عشق الٰہیٰ کی کوئی خبر نہیں ہے اماموں کی یہ شہادت ازلی عہد کی آبیاری تھی...

شہادت کی سختی ایک اعزاز تھا. کربلا کے واقعے کی پرکھ رند ہی کر سکتے ہیں.

اے یزید..علیؑ کی اولاد سے جنگ کرنا چھوڑ دے وہ خوشی تمہیں نہیں ملے گی جو حسینؑ صلوات اللہ علیہ کو ابد تک حاصل ہوگی..

جنہوں نے علیؑ کی اولاد سے کا جنگ کی تھی ان کے حال پر افسوس! یہ یزید ملعون کے ساتھی ہیں....

جنہوں نے علیؑ کی اولاد سے جنگ کی. ان سے دور بھاگو یہ یزید معلون کے ساتھی ہیں....

شہزادے مدینہ سے گئے اور واپس نہیں آئے. اے رنگریز میرے کپڑے کالے رنگ دے. میں ان مسافر میروں کے لئے جل رہی ہوں جو اس دنیا سے چلے گئے..

میر مدینہ سے نکل کر راہ پر چلے ہیں...ان شہزادوں کے گھوڑے بھی چل رہے ہیں جہاں وہ راتھہرے وہ اعلیٰ مقام ہے سورماؤں کے کندھے، پشت اور گردن درد چور چور ہیں...

جیسے پہاڑ پر بکریاں پھیلی ہوتی ہیں. اسی طرح گدھوں نے جنگ کا میدان بھر دیا. بہادروں کے سامنے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں. اور شہیدوں کی بیوائیں رنگ کی قیمت بڑھادیں گیں..(بیوائیں شوہر کے دکھ میں کالا لباس پہنتی ہیں)...

حملہ کرنا، گھوڑوں پر سوار ہونا اور ساتھیوں کا خیال رکھنا یہ بہادروں کا شیوا ہے. یہ جنگ کے میدان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ڈالتے..

بہادروں کی ڈولیاں جنگ کے میدان سے جھومتی آ رہی ہیں اور ان کی بیوائیں زار زار رہتے ہوئے سر میں خاک ڈال رہی ہیں. وہ آہ وفغاں کر رہی ہیں اور جنگ کے میدان میں جولان ہے...

آج نہیں آئے امام ہائے! ہائے! مومنو! ماتم ہائے! ہائے! نہ ہی ان کے پاس پانی تھا اور نہ ہی اناج تھا. اور نہ ہی ان پر بارش ہوئی. وہ نو راتیں اور دس دن زبردست جنگ میں تھے. امام حسینؑ کا گھوڑا سرخ زین سے مزین ہے شیر شہزادہ اس دنیا سے چلا گیا. اور سید نے بیچ نہ پائی....

جنگ کے شوقین شہزادے جب تک تیرے جسم میں سانس ہے. تب تک نیزے کی نوکوں پر خود کو پھینک کر ہتھیاروں کا جوہر پی لے. تم گدھوں کی خوراک ہو گے کیونکہ ان کو بہادروں کے گوشت

(ماس) کھاتے ہوئے برسوں گزرے ہیں...

گدھیں گائے کا گوشت نہیں کھاتیں اور نہ ہی بھینس کا ماس کھانے کی عادی ہیں. گدھیں تو ان کے انتظار میں رہتی ہیں جن کے سر پر تاج ہے..

جن کے پاؤں پاک تھے اور انہوں نے چار پائی سے نیچے نہیں رکھے. جن کے گھوڑوں کی زینیں تلواروں سے کٹ گئی ہیں اور کلغیاں گر گئی ہیں. ان کے ماس کو گدھوں نے گلے سے لگایا....

گدھوں نے اپنا وطن چھوڑ دیا ہے اور جنگ کے شائقین کے نزدیک ہیں۔ حسنؑ اور حسینؑ کو وہ سلامی دے رہے ہیں اور کلغی والوں کے گھنے بال کھول رہی ہیں...

گدھوں کی خوراک رات، دن صحرا میں ہے. اور آپس میں پوچھتے ہیں کہ کس طرف جنگ ہو رہی ہے. وہ تلوار چلانے والے کو کھاتے ہیں اور دشمن گندا ہو رہا ہے....

. اے گدھ تمہارے پر ختم ہو جائیں اور تمہارے جوڑوں میں درد ہو. میروں کے اوپر تم نے پھولوں کی برسات کیوں نہیں کی..

گدھیں بہت سارے دکھوں اور غموں کی باتیں کر رہی تھیں. جب بہادر پیدا ہوئے تو ان کی خوراک کی تنگی ختم ہو گئی. جنگی بہادر، جنگ میں بہادری دکھائیں گے..

اے گدھ تم آنکھ مت نکالو.. اور آنکھ کے تارے مت کھاؤ تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس ریت میں راجا سویا ہوا ہے جب یہ زندہ تھے

تو انہیں نوسو نو زخم ہوئے تھے رات جس کی ماں نے ان کو رو کر اللہ کے سپرد کیا...

اے بہادر اگر فتح کے لئے تڑپ رہے ہو تو تلوارِ عشق کو اٹھالو اور کربلا کے شاہ مولا حسینؑ کے عشق میں فنا ہو جاؤ۔ وہم حیلے یہ سب نفس کی غلامی سے پیدا ہوتے ہیں تم مولا حسینؑ کے غلام بن جاؤ.

آج مومنوں کے میر مدینہ کو چھوڑ کر چلے ہیں. مدینہ چھوڑ چلے وہ مدینہ سے کہیں اور منتقل ہو گئے. ہائے ہائے مدینہ کو وہ چھوڑ کر چلے گئے..

یہ مصطفیٰ کے سورج اور چاند ایک ہی جگہ چلے گئے. ہائے ہائے اندھیرا ہو گیا. ان کے بغیر ستارے بھی مدہم ہو گئے....

جنگ کے وقت لشکر میں جو زرہ پہنتا ہے اسے ابھی تک جینے سے محبت ہے. بہادر وہ ہے جو ڈھال کے بغیر میدان میں کود پڑے...

ہائے اگر جنگ کے وقت لشکر میں امام حسنؑ ہوتے تو اپنے بھائی کی مدد کرتے. اور پروانے کی طرح بھائی پر جان قربان کرتے. اور کون ہے جو امام حسینؑ پر حملے کو روکے...

کالے بادل کے نیچے میں نے انہیں جنگ کرتے ہوئے چھوڑا. ان کے ہاتھوں میں جنگی ہتھیار تھے اور وہ گھوڑوں پر سوار تھے. میں نے ان کا دیدار کیا جو جنگ کے میدان میں واپس آنا عیب سمجھتے ہیں..

حضرت شاہ لطیف بھٹائی اس میں فرما رہے ہیں کہ ماتم کرو بتولؑ

کے بیٹے کا ماتم کرو علیؑ کے فرزند کا.

کربلا کے میدان میں خیمے نصب کیے جو تقدیر اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی تھی وہی ملی. فرزند علیؑ کے لاڈلے میں نے پیار سے پالے خاتونِ جنتؑ نے گریہ کر کے گل لگائے....

ہائے ہائے کربلا میں فرشتوں نے ماتم کیا

ہائے ہائے شاہ حسینؑ چلے گئے

کربلا کے میدان میں انہوں نے خیمے لگائے

جو رب کی رضا تھی اس کو برداشت کیا.. کربلا کے میدان میں آج

میر آئے. تقدیر کے سیاہ بادلوں نے انہیں گھیر لیا. میر حسینؑ کی تکلیف پر نبیؐ بھی روئے.. ملائکہ، فلک، زمین لرز گئے اور آسمان سے رونے کی آواز آئی. اور پاک بتولؑ نے فرمایا خود حساب لوں گی روزِ قیامت. ایک نسخہ میں اس طرح ہیں.

واویلا ! واویلا کیو ملکن درٹ ماتام

محرم کا مہینہ آ گیا ہے دل میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی یاد آئی ہے مکے اور مدینے اور ہر راہ میں لوگ رو رہے ہیں وہ واحد جو بھی چاہتا ہے وہی حکم چلاتا ہے..

محرم کا مہینہ آ گیا ہے لیکن امامؑ واپس نہیں آئے. اے میرے اللہ مجھے مدینہ کے میروں سے ملا.

محرم لوٹ آیا ہے لیکن مدینے کے میر واپس نہیں آئے۔ اے میرے داتا مجھے مدینے کے میر دیکھا..

محرم کا مہینہ آ گیا ہے اور دل میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی یاد آئی ہے۔ اللہ ہی راز کو جانتا ہے اور جو اس کو پسند ہے وہی کرتا ہے...

ان کی داڑھی خون سے رنگ گئی۔ اور ان کے دانت گل انار کی طرح سرخ ہو گئے۔ ان کی دستار جنگ کے میدان میں مہک رہی تھی۔

رسول اکرمؐ کی مجلس میں۔ (قیامت کے دن امت کی مجلس میں) ان کی ماں فخر کرے تو بجا ہو گا۔ اس بہادر کو آفرین ہو جو جنگ کے میدان میں شہید ہو گیا....

میروں نے مدینہ سے نکل کر چھاؤنیاں لگائیں ہر جاندار اور غیر جاندار شے کو پیغام بھیجا. گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے انہوں نے کہا کہ معرکہ بڑا ہوگا...

داڑھی خون سے رنگ گئی اور دانت موتیوں جیسے لال ہوگئے. چودھویں کے چاند کی طرح میدان میں ان کی پیشانی چمک رہی تھی (اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے) یہ جلوہ زمین پر ہے. (ان کے چہرے پر سجدے کی نشانی ہے) اور ان کے منہ میں لال موتی ہیں. امام حسینؑ کی والدہ کربلا کی مٹی صاف کر رہی تھیں. زخموں سے خون علی صاف کر رہے تھے. اور ان کے خون کے بدلے اللہ نے تمام مومنوں کے گناہ بخش دیئے...

کربلا کے میدان میں گھوڑے کے پاؤں ہیں. بہادر لڑتے ہوئے
اپنی بے حالی پر مسکرایا..

کربلا کے میدان میں خیمے لگائے اور یزید کے لشکر کے ساتھ جوش
و جذبے سے جنگ لڑی. تلواروں کے سائے میں ہوتے ہوئے
بھی وہ نہیں ڈرے....

مولا حسینؑ کربلا کے میدان میں خود چل کر آئے. وعدہ کو نبھایا کیوں
کہ وعدہ پکا تھا یہ قضا تھی کیسی ہائے ہائے حسینؑ پاک سے کربلا کے
میدان میں تمام میر شہزادے مسکرا کر کھڑے ہو گئے. دشمنوں کو تیر
مارے ہائے اے تقدیر ازل سے اماموں کے ساتھ ہے.

ڈھالیں ڈر کر ایک طرف ہو جائیں گی کافروں کی گردنیں کڑ کڑ

کریں گی اور جب مصری تلواروں نے اپنے منہ نکالے اور وہ بہادروں کے ہاتھ میں ہیں وہ کر کر کر رہیں ہیں اللہ شہزادوں کو کامیاب کرے مالکِ حقیقی.

جنگ کے شوقین بہادر جنگ میں سر کی بازی لگانے سے باز نہیں آتے ہیں. بہادروں نے اماموں کے سامنے اپنے سر فدا کیے. ''اللہ کی راہ میں جو لڑتے ہیں'' وہ یہی کام کرتے ہیں. جنت کی حوریں انہیں پھولوں کے ہار پہنا رہی ہیں اور سہرے باندھ رہی ہیں..

حضرت محمدؐ کے اہل بیتؑ کربلا میں آئے اور مصر کی بنی ہوئی تلواروں سے دشمنوں کو مارا اور وہ ہیبت زدہ ہوئے. بیشک حضرت فاطمہؑ نے ایسے بہادروں کو تخلیق کیا ہے..

جنگ کے بہادر ہمیشہ ہتھیار بند رہتے ہیں ایک بھائی دوسرے بھتیجے تیسرے جگری یار، طاقتور دشمنوں کے سامنے یہ سردار کامیاب ہوئے. حوروں نے پھول پہنائے اور شہیدوں کے سہرے باندھے....

کربلا میں کامل بہادر جوان آئے. دھرتی لرز گئی. اور آسمان تھرتھرا گئے. یہ کوئی معمولی جنگ نہیں تھی یہ تو الہیٰ محبت کا مظاہرہ تھا. اس میں وہ بہادر تھے جو شیر کی شان رکھتے تھے.

امام حسنؑ اور حسینؑ کو شہادت پر تین گروہ زار و قطار روئے. گھروں میں انسانوں، جنگل میں وحشی جانوروں اور عرش پر فرشتوں نے آنسو بہائے. پرندوں نے ماتم کر کے خود کو بے حال کیا اور کہا "عظیم انسان اس دنیا سے جا رہے ہیں" اے مالک حقیقی تو شہزادوں کو فتح یاب اور کامران کر.....

کربلا میں سید شیر آئے سورج غروب ہونے لگا اندھیری رات ہونے لگی ہر طرف کربلا کا شیر ظالموں کو فنا کر رہا تھا اور ان کو مار مار کر بدبودار ٹیلے ان کے بنا دیئے تھے اور کربلا میں کامل سید شیر آئے. مصری تلواروں سے انہوں نے دشمنوں کے پشتوں کے پشتے لگا دیئے. امام حسینؑ کے حملے سے دلیر بھی کانپ گئے...

کوفی کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو پانی نہیں پلا رہے ہیں. مولا علیؑ کو وہاں شہزادے یاد کر رہے تھے. اور خیموں سے باہر نکل کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکار رہے تھے کہ ہماری مدد کو آؤ...

کوفیوں نے قہر کیا اور یزید کے ساتھی بن گئے. پلیدوں کو میدان میں بہادر ہاتھ آ گیا. وہ امام حسینؑ کو شہید کرنے کا عہد کر چکے

تھےاور امام حسینؑ جیسا شیر مردان کے ہاتھوں شہید ہو گیا....

کوفیوں نے اللہ کا واسطہ دے کر امام حسینؑ کو خط لکھا ہم تمہارے تابعدار ہیں اور تم ہمارے شاہ ہو. صرف ایک دفع یہاں آؤ اور یہ تخت اور ہر چیز تمہاری ہے...

امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں امام حسنؑ ساتھی و مددگار نہیں ہیں. اور شہزادوں کا وطن بھی دور ہے. اے یزید اس لئے تم ان پر شدید حملے کر رہے ہو...

حسنؑ اور حسینؑ کی جنگ کو تمام دنیائے عالم نے سنا. اور کالے پروں والے تیر قطار در قطار اڑے، سید نے خود کو اور اپنے آباؤ اجداد کو سرخرو کیا....

فجر کے وقت پرندہ پرواز کر کے کربلا سے روضہ محمدؐ کی طرف آیا اور کہا اے رسول اکرمؐ میں نے تلواروں کی تجلی دیکھی ہے تم وہاں چل کر شہزادوں کے حامی و ناصر ہو....

کل کربلا کے میدان سے فجر کے وقت پرندہ آیا. وہ خون سے آلودہ اور حیران کن حال میں ہے. یہ کہہ رہا تھا کہ امام حسینؑ کے شہزادے کل شہید ہو گئے...

فجر کو پرندہ آیا. اور صبح ہوئی اور روضہ رسول اکرمؐ پر اس نے نعرہ لگایا. بہادروں نے جنگ شروع کر دی ہے اے محمدؐ تم وہاں چلو...

کوئی ہے جس نے اپنی آنکھوں سے ان بہادروں کی جنگ دیکھی ہو. ہاتھیوں نے بھی خون بہایا.. اور اپنے جسم کو چور چور کیا. بہادر

اس منزل کو آسان سمجھتے ہیں جہاں جان کو خطرہ ہوتا ہے...

بہادر، بہادروں کے سامنے ہوئے ہیں اور تلواروں کی آوازیں آرہی ہیں. وہ للکار کر حملے کررہے ہیں. اور سر ہی سر گر رہے ہیں. بہادر میدان پر گر رہے ہیں. اور ان کے سر ناچ رہے ہیں. جنگ کے میدان میں شور وغل اور آہ وزاری ہورہی ہے...

یہاں ایک سوال ہے کہ کیا مولا حسین کو شہید کافروں نے کیا تھا یا مسلمانوں نے شہید ان کربلا کے لاشوں کو گھوڑوں کے سموں سے خاک وخون میں روندا کیا یہ کام کافروں کا تھا یا مسلمانوں کا اہلِ بیت کو کافروں نے لوٹا یا مسلمانوں نے.

حر کو ازل سے ہی ہدایت ملی ہوئی تھی وہ یزید کی طرف سے تو آئے

تھے لیکن میدان میں کہا اے امام حسینؑ تم پر قربان جاؤں۔ ''اللہ کسی بھی انسان سے اس کی قوت سے زیادہ تکلیف برداشت نہیں کرواتا ہے''۔ میرے بس میں جو ہوگا میں وہی کروں گا۔ اس دولہے (حر) کو بھی زخم آئے۔ اور شیر نے شہادت پائی...

کربلا میں شہزادوں کی کوک تھی۔ دنیائے عالم کے سردار تلواروں کی زد میں آ گئے..

کربلا کا قضیہ جب مجھے یاد آتا ہے تو میرے وجود پر بے شمار درد تازے ہو جاتے ہیں پیارے نواسوں نے دکھ و درد جھیلے پیارے نانا نبیؐ کے لئے بی بی پاک حضرت فاطمہؑ کے پاک اور پیارے اور اپنے بابا مولا علیؑ والی وارث کے بغیر کربلا میں شہید ہو گئے...

بہادر امام حسینؑ قیمتی فولادی دستار پہن کر جنگ کے میدان میں سر اونچا کر کے کھڑے تھے. اس کامل کے سر پر ہیروں اور لعل و جواہر کی کلغی تھی. امام حسینؑ کی دستار خون سے رنگ کر لال ہوگئی..

کوئی ہے جس نے اپنی نگاہوں سے ان نڈر و بہادروں کی جنگ دیکھی ہے جہاں ہاتھیوں نے بھی خون بہایا اور اپنے وجود کو پارہ پارہ کیا. جری و بہادر اس منزل کو آسان سمجھتے ہیں جہاں جان کو خطرہ نہیں ہوتا..

مالک اپنے دوستوں اور دلبروں کو شہید کرواتا ہے اپنے خاص دوستوں کا امتحان لیتا ہے. بے نیاز اللہ کے جی میں جو آتا ہے وہی کرتا ہے. اس میں بھی کوئی گہرے راز کی بات پوشیدہ ہے....
بہشت ان کی جگہ ہے یہ اعلیٰ انسان فردوس کی طرف راہی ہوئے.

اور فنا فی اللہ ہو کر ان سے ایک ہو گئے اے مالک تو مہربانی کر کے ان کا مجھے دیدار کرا...

چار تلواریں کمر سے (دو نبوت کی دو امامت کی) اور دو پگڑیاں (ایک نبوت کی ایک امامت کی) باندھ کر بہادر نے اپنے آباؤ اجداد کو میدان جنگ میں سرخرو کیا....

ہمارے سینے میں غمِ حسینؑ کا داغ ہے ماتم کرو یا حسینؑ یا حسینؑ ہمارے سینے میں غمِ حسینؑ کے ماتم کے نشان ہیں. آج سوز کرو شہزادہ قاسمؑ کا.

اے دولہے تم شادی کا جوڑا پہن کر سیج پر آؤ. جہاں نیزوں کی تیزی اور کڑک ہے وہاں تیزی سے جاؤ. جب تک تم نے شہادت کی

شادی نہیں کی ہے تب تک تم خطرہ نہ سمجھو..

حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی ان اشعار میں فرماتے ہیں کہ کربلا میں کس کو شہید کیا ہے جو سلطانوں کا سلطان ہے پورا قرآن ان کی شان میں نازل ہوا ہے یعنی جو شرف قرآن ہے وہ آپ کی شان ہے. مروان کا منہ کالا ہوا اور تمام دشمنان مولا حسینؑ پر لعنت ہو کیونکہ لعنت ان کا مقدر ہے..

یہ بہادر میر چاند کے غروب ہوتے ہی مدینہ سے جنگ کے لئے سوار ہو کر نکلے. ان کے ساتھ نقارے، شکاری عقاب، کلہاڑیاں، نیزے، خنجر اور برچھایاں تھیں۔۔۔علیؑ کے میر بیٹے فولاد کے ہتھیاروں سے جنگ کریں گے..

چاند کے غروب ہوتے ہی مدینہ کے شہزادے سوار ہوئے. ان کے

ساتھ طبل، باز، نیزے اور گرز تھے علی کے بیٹے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں. وہ فولاد کے ہتھیاروں سے جنگ کریں گے..

چاند کے غروب ہوتے ہی مدینہ کے نابغہ سردار سوار ہوئے۔ ان کے ساتھ طبل، باز، تیر، نیزے اور نشان تھے علیؑ کے نوجوان فولاد کے ساتھ جنگ کریں گے...

ایسا طوفان آیا کہ علیؑ شیر کی اولاد کو صحرا میں رات ہوگئی..

حسنؑ اور حسینؑ کا جس کے دل میں درد نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے...

گھوڑے کو شہزادے نے زین ڈال کر سجایا علیؑ شیر کے بیٹوں کو اوپر سے بلاوا آرہا ہے. قضا کیسے ٹلتی کیونکہ یہ امر الہیٰ تھا.

میں اپنے شوہر کو جنگ کے میدان سے بھاگا ہوا نہیں کہوں گی. اور جب اس کے مرنے کا سنوں گی تو اعتبار کروں گی. اگر اس کے چہرے پر زخم ہوں گے. تو میں سہیلیوں کے آگے سرخرو ہوں گی. اگر اس کی پشت پر زخم ہوگا تو شرم سے مرجاؤں گی....

اے جنگ کے میدان سے بھاگنے والے تم نے مجھے شرمسار کیا ہے. جو سرخرو ہیں وہ مجھے طعنہ دے رہے ہیں...

جنگ کے میدان سے بھاگ آئے ہو. تم نے میرے رشتے داروں کو شرمسار کیا. جن کے سر بلند ہیں وہ بین ڈال رہی ہیں...

جن کے سر بلند ہیں وہ زار و قطار رو رہی ہیں. اے میرے سہیلیوں
اس بہادر نے اپنے آباؤ اجداد کو سرخرو کیا ہے...

تم مرجاؤ اور میں روؤں. اے میرے خاوند لوٹ کر مت آ. طعنوں کا
دامن بڑا ہوتا ہے اور زندہ رہنا مختصر...

تم مرجاؤ اور میں روؤں. اے میرے خاوند لوٹ کر مت آنا. ایسے نہ
ہو تمہارے بعد میری ہمجولیاں مجھے طعنہ دیں...

یا علیؑ! یا علیؑ! یتیموں کے سر پر آئی

ہوا حکم اللہ کا یا امام..

یہ وچھوڑا موت کا نہ ہو.. ہائے ہائے چاروں پہر ہو جدائی. بی بی نے ان بہادروں کے لئے دیگ چڑھائی ہے. جن کے لئے یہ دیگ چڑھائی تھی وہ تو لڑائی میں مصروف ہیں..

جنگ کے وقت لشکر میں تمام بہادر نہیں ہوتے. میدان میں وہی کھڑے ہوتے ہیں جن کے لئے واپس جانا طعنہ ہے...

بہادر حر امام حسینؑ کے پاس چل کر آیا. میں ازل سے تیرا عاشق اور پروانہ ہوں. مجھ پر رب کے رسولؐ اور تمھارے نانا راضی ہوں. یہ سر تمھارے اوپر قربان کر رہا ہوں..

تمام دن رن میں رہے یہ امام.
رن میں رہے سارا دن رن میں رہے.

ہائے ہائے رن میں رہے۔
اے ہنس تم جا کر! ہائے! ہائے! نانے کو دو سلام۔
مجھے تو دشمنوں نے گھیر لیا ہے۔ مولا باران رحمت بھیج۔

کامل کربلا کے میدان میں خود ہی آ گئے۔ انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا ہائے ہائے یہ کونسی ضا آئی ہے حسینؑ کے سر پر۔۔
کربلا میں کامل میر آ گئے۔ اور دشمنوں کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے تیر اندازی کے جوہر دکھائے۔ ازل سے ہی یہ تقدیر اماموں کیلئے لکھ دی گئی ہے۔۔

ہتھیار صاف کرنے والے کلہاڑیاں اور تلواریں چمکا رہے ہیں۔ بہادروں کے ہاتھوں میں نیزے ہیں اور وہ ان کو کاندھوں سے نہیں اتار رہے ہیں شہادت کا شوق رکھنے والے مرنے کے لئے

تیار ہیں...

ادھر سے انہوں نے للکارا، شہنائی اور دوسرے ساز دونوں طرف سے بج رہے ہیں. دولہوں اور گھوڑوں نے صحرا میں سیج سجائی...
دولہے اور گھوڑے مختصر زندہ رہتے ہیں. کبھی وہ قلعوں میں بند ہوتے ہیں اور کبھی صحرا میں ان کا سفر ہوتا ہے...

ماتم اماموںؑ کا کرو، ماتم شہیدوں کا کرو، رو رو کر اپنی آنکھوں کو خون سے کیوں نہیں بھرتے ہو... جو اماموںؑ کے ساتھ ہوا. اس کا امر اللہ نے ازل ہی سے کر دیا تھا....

حضرت شمس الدین تبریزی

حضرت شمس تبریز وہ مردِ عارف ہیں جنہوں نے مولانا رومؒ کو معرفت کے اسرورموز سے آگاہ کیا.

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کو حضرت شمس تبریزی سے بہت عقیدتمندی تھی اور وہ زیادہ تر حضرت شمس تبریزی کے ساتھ رہتے تھے. ایک مرتبہ مولانا روم اپنی درسی کتب لئے ہوئے اپنے استاد کے پاس تشریف لائے وہ حوض پر بیٹھے ہوئے تھے حضرت شمس تبریز نے مولانا سے پوچھا کہ یہ کیا کتابیں ہیں، مولانا نے کہا کہ یہ قیل وقال ہیں، حضرت شمس تبریز نے ان تمام کتب کو حوض میں ڈالدیا. اور مولانا کو بہت افسوس ہوا، اور کہا کہ اے درویش تو نے یہ کیا کیا. ان کتب میں میرے والد بزرگوار کے اقوال نوٹ تھے. اب مجھ کو ایسی کتابیں ملنا مشکل ہیں. حضرت شمس تبریز نے حوض سے کتابیں نکال کر مولانا رومؒ کو واپس کردیں اور کتابیں پانی سے

متاثر نہ ہوئیں....

''مولانا نے شمس تبریز سے عرض کیا کہ یہ کیا راز ہے''؟

شمس تبریزؒ نے فرمایا'' کہ اس سے تم بے خبر ہو. مولانا روم یہ کشف و کرامات دیکھ کر حضرت شمس تبریز کے مرید ہو گئے چند سال کے بعد مولانا رومؒ کر فرزندوں نے مل کر شمس تبریز کو قتل کر دیا.

حضرت شمس تبریز کا کلام کتب خانوں میں موجود نہیں ہے. کلیاتِ شمس تبریزی میں تمام کلام مولانا رومؒ کا ہے. جس میں مولوی معنوی نے اپنے پیر و مرشد کے عشق میں غزلیات کہی ہیں. دراصل مولانا رومؒ کو ولایتِ مطلقہ کا حقیقی عرفان شمس تبریز کی صحبت سے حاصل ہوا. مندرجہ ذیل غزل حضرت شمس تبریز سے منسوب ہے. اور مولانا رومؒ کا کلام پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غزل حضرت. شمس تبریزؒ کی ہی ہے.

ساقی با وفا منم، دم همه دم علیؑ علیؑ
صوفیٔ باصفا منم ،دم همه دم علیؑ علیؑ
عاشقِ مرتضیٰؑ منم ،دم همه دمِ علیؑ علیؑ
مطرب خوشنوا منم، دم همه دم علیؑ علیؑ
آدمؑ با صفا توئی، یوسفؑ مه لقا توئی
خضرِ ره خدا توئی، دم همه دم علیؑ علیؑ
عیسیٰؑ مریمی توئی، احمدؐ هاشمی توئی
شیرِ نر خدا توئی، دم همه دم علیؑ علیؑ
شاه شریعتم توئی، پیر طریقتم توئی
حق به حقیقتم توئی، دم همه دم علیؑ علیؑ
شمس توئی قمر توئی بحر توئی و بر توئی
مالکِ خشک و تر توئی، دم همه دم علیؑ علیؑ

ھمدم سیدؑالبشر، راجع شمس ا القمر
پدر شبیرؑ وھم شبرؑ دم ھمہ دم علیؑ علیؑ
سید سرورؑ کرم، گفتہ بہ تو اے ابن عم
لحمک لحمی، دمک دم، دم ھمہ دم علیؑ علیؑ
آیۂ انما برت، تاج زلافتیٰ سرت
شمس غلام قنبرت، دم ھمہ دم علیؑ علیؑ

میں ساقی باوفا ہوں، میری ہر سانس ہر وقت علیؑ علیؑ کا نعرہ لگاتی ہے،
میں وہ صاف دل صوفی ہوں جس کی ہر سانس میں علیؑ علیؑ کا ذکر
ہے..
میں عاشق علی مرتضیٰؑ ہوں، میں ہر سانس میں علیؑ کو یاد کرتا ہوں،
میں خوش الحان مغنی ہوں جس کی ہر سانس میں علیؑ علیؑ کا نغمہ
ہے...آدم صفی اللہ آپ ہی ہیں حُسن یوسفؑ آپ ہی کا پرتو ہے،

جادۂ حق کے خضر و رہنما آپ ہی ہیں کہ میری ہر سانس میں علیؑ علیؑ صدا ہے... عیسیٰؑ بن مریم آپ ہی ہیں، احمد ہاشمی آپ ہی ہیں، اسد اللہ غالب آپ ہی ہیں کہ میری ہر سانس میں علیؑ علیؑ کی صدا ہے... میرے شاہؑ شریعت و پیر طریقت آپ ہی ہیں حق تو یہ ہے کہ میری حقیقت آپ ہی ہیں. میری سانس میں علیؑ علیؑ کی صدا ہے۔ سورج آپ ہی ہیں، چاند آپ ہی ہیں بحر و بر آپ ہی ہیں، خشک و تر کے مالک آپ ہی ہیں، میری سانس میں علیؑ علیؑ کی صدا ہے.. حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نفس سورج اور چاند لوٹانے والے حضرت حسنینؑ کے پدر بزرگوار آپ ہی ہیں. میری ہر سانس میں علیؑ علیؑ کی صدا ہے.. حضرت نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے ابن عم تمہارا گوشت میرا گوشت ہے، تمھارا خون میرا خون ہے میری ہر سانس میں علیؑ علیؑ کی صدا ہے.... آیت انما کا خرقہ آپ کا زیب تن ہے لافتیٰ کا تاج آپ

کے سر مبارک پر ہے ،اور شمس آپ کے قنبر کا غلام ہے میری
ہر سانس میں علیؑ علیؑ کی صدا ہے....

مولوی معنوی مولانا جلال الدین باالمعروف مولانا رومؒ

مثنوی مولوی معنوی
ھستِ قرآن درزبانِ پہلوی

علم عرفان میں مولوی معنوی اور علامہ اقبال کے پیرومرشد حضرت مولانا رومؒ کا کلام اپنے اندر عارفانہ عقدوں کے وسیع معنےٰ رکھتا ہے. اگر علمِ عرفان کا بغور مطالعہ کیا جائے. تو مثنوی، غزلیات میں عارفانہ کلام کا بحرِ بیکراں اور اسکی تفصیل ہمیں مولوی معنوی کے کلام میں ملے گی. کیونکہ میرے نزدیک زبان پہلوی میں عارفانہ ادب پر مولانا روم کے مقابلہ میں کسی بھی عارف کا کلام موجود نہیں ہے. کیونکہ علمِ عرفان کی ادبی تاریخ میں مولناٰ روم کی مثنوی اور غزلیات کا ذخیرہ کوئی معمولی نہیں ہے. جسکی توضیع وتشریح اس جدید دور تک نامکمل نظر آرہی ہے. گوکہ مثنوی مولانا روم کے دفاتر کی مختلف شرحیں ہیں. جو ہر مسالک نے لکھیں ہیں. اور فرقہ پرست ملاؤں نے بھی مثنوی کی شرح کی ہے. لیکن مثنوی کے برعکس غزلیات مولانا رومؒ جو بعنوان کلیاتِ

شمس تبریزی میں موجود ہیں. جس کی تعداد تقریباً ۳۵۰۰ سے اوپر ہے. اور رباعیات تقریباً ۲۰۰۰ ہیں کلیاتِ شمس تبریزی کے مختلف نسخے جس میں غزلیات کی ترتیب اور عنوانات ایک دوسرے سے جدا ہیں. اس لیے میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر علم عرفان کو نثر نگاری کے حوالے سے دیکھا جائے. تو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا. گو کہ انہوں نے علم عرفان کے حوالے سے عربی زبان میں بھی شاعری کی. لیکن دیوانِ محی الدین ابن عربی مختصر ہے. جبکہ محی الدین ابن عربی کی نثر نگاری علم طریقت میں اپنے نقطہ عروج پر ہے... اور زبانِ پہلوی میں مثنوی اور غزلیات میں مولانا رومؒ کا کوئی ثانی نہیں ہے. مولانا رومؒ کی شاعری کو ہم دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں. ایک مثنوی کی شاعری اور دوسری مولانا رومؒ کی غزلیات مولانا رومؒ کے پیر و مرشد حسام الدین سے لیکر شمس تبریز تک مولانا رومؒ کی عارفانہ شاعری کا ایک ارتقا بھرپور طریقے سے

نظر آتا ہے. جس کی کمال وانتہا کلیاتِ شمس تبریزی پہ جا کر ختم ہوتی ہیں. شمس تبریزی سے پہلے مولانا رومؒ میں محض صوفیانہ رنگ نظر آتا ہے لیکن صحبتِ شمس تبریز کے بعد یہ صوفیانہ رنگ عارفانہ کمال میں تبدیل ہوجاتا ہے. اور یہی سے ان کے قلندرانہ رنگ کا پتہ چلتا ہے...

مثنویِ مولناٰ رومؒ

از علی آموز اخلاص عمل
شیر حق راداں منزّ از دغل
او خدو انداخت بر روئے علیؑ
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی
اے علیؑ جملہ عقل و دیدۂ
شمہ و اگو از ان چہ دیدۂ

راز بکشا اے علیؑ مرتضی
اے پس سُوء القضا حُسن القضا
چوں تو بابی آں مدینہ علم را
چوں شعاعی آفتاب حلم را
باز باش اے باب برجوپائے باب
تا رسد از تو قشور اندر لباب
باز باش اے باب رحمت تا ابد
بارگاہ مالہ کفوًا اَحَد
گہ اترا گوید از مستی ابوالحسنؑ
یا صغیر سن یار طب بدن
پس بگفت آن نو مسلمانی ولی
از سر مستی و لذت یا علیؑ

شیر حق نسیتم شیر ھوا
فعل من بر دین من باشد گوا
غرق نورم گرچہ شقفم شد خراب
روضہ گشتم گرچہ ھستم بوتراب
زاجتہادو از تحّری رستہ ام
آستیں بر دامن حق بستہ ام
تو منی ومن تو ام اے متحشم
تو علی بودی علی راچوں کشم
نے عمر راقصد آزارِ رسولؐ
میکشیدش تا بدر گاہ قبول

مولانا رومؒ مثنوی کے دفترِ اول کے حصہ چہارم میں فرماتے ہیں کہ مولا علیؑ سے عمل کا اخلاص سیکھو اور شیر خدا کو نفسانی اغراض کی کھوٹ

سے پاک سمجھو یعنی ولایتِ مطلقہ کا بشیریت کی ہوا و ہوس سے کوئی تعلق نہیں ہے. مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ نعوذ باللہ ایک دشمن لیعن نے مولا علیؑ کے چہرے انور پر تھوک دیا ارے کون علیؑ جو ہر نبی اور ولی کا فتخار ہیں. اے علیؑ آپ تو سراپا عقل و دانش ہیں آپ میں عقل کل کا دیدار کرتا ہوں. کچھ راز حق مجھ پر بیاں فرمایئے. اے مولا علیؑ مجھ پر راز کھول دیجئے اور آپ میرے بدقسمی میں خوش قسمتی بن گئے ہیں. آپ علم کے شہر کا دروازہ ہیں اور حلم کے آفتاب کی شعاع ہیں اے علم کے طالب علمِ حقیقی کا دروازہ کھلا ہے. اس دروازے پر ماتھا ٹیک. کہ تیری ناقص عقل اوج کمال پر پہنچ جائے. اے مولا علیؑ آپ وہ رحمت کا دروازہ ہیں جو کھلا ہے. آپ کی بارگاہ کفواً احد کا جلوہ ہے آپ وہ دروازہ ہیں جو کبھی بند نہیں ہوتا. ہر ذرہ جو طلبِ حق چاہتا ہے اس کے لئے آپ مشاہدہ الٰہی ہیں. اس لئے ایک نئے مسلمان نے آپ کی عشق و مستی ولذت میں کہا...

یا علی یا علی یا علی.... اے خدا تو اپنی بے نیازی میں اتنا مست ہو گیا کہ مجھے مولا علیؑ میں نظر آنے لگا.....

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ مولا علیؑ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں شیر حرص نہیں ہوں. شیرِ خدا ہوں. میرا ہر فعل کمال دین پر گواہ ہے میں سراپائے نور ہوں... گرچہ میرا جسم ظاہری زار و نظار ہو گیا ہے. میں گلہائے معارف کا وہ باغ ہوں. اگرچہ میرا نام بوتراب ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کی جب میں نے مولا علیؑ کا دامن پکڑ لیا اور حق سے وابسطہ ہو گیا. اور میں اجتہاد کی گندگی سے پاک ہو گیا. یعنی اب مجھے اپنی عقل ناقص کی پرواز کی ضرورت نہیں ہے... کیونکہ میں حقِ مطلقہ سے وابستہ ہو گیا ہوں... علیؑ اور علمِ الٰہی ایک ہی چیز کا نام ہیں میں کس طرح مولا علیؑ کو نعوذ باللہ قتل کر سکتا ہوں تم نے عمر کا حال نہیں دیکھا اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایزا پہنچائیں اور بارگاہ قبول میں اس کا مقدر اسے کشاں

کشاں رہ گیا....

مولوی معنوی مولانا رومؒ اور تمام عارفین کا یہ عقیدہ ہے کہ مولا علیؑ کائناتوں میں رزق ظاہری اور باطنی تقسیم کرنے والے ہیں اس لئے مولانا رومؒ اپنی غزل میں فرماتے ہیں جسکی تشریح ہم آگے چل کر کرینگے.....

رازقِ رزق بندگان مطلوبِ جملہ اے طالبان
معمورِ امر کن فکاں اللہ مولانا علیؑ

یعنی مولائے کائنات عاشقوں کو علم و شعور کا رزق بانٹتے ہیں اسلئے مولانا روم فرماتے ہیں..

چوں شیند اوھم عمر از احولی
در کشید آں ناں کہ ھست آنِ علیؑ
چوں بیک دکاں عمر بودی! برو

درھمہ کاشاں زنان محروم شو
دربیک دکان علیؑ گفتی بگیر
ناں از ینجا بے حوالہ بے زحیر
ندریں کاشانِ دنیا زاحولی
چوں عمر مے گرد چوں بنوی علیؑ
کیں عمر راناں وہ اے انباز من
از یعنی فہم کن زآواز من

مولانا روم اپنی مثنوی کے دفتر ششم حصہ دوم میں کاشان کا ایک واقعہ عارفین کو سمجھانے کے لئے بتلاتے ہیں. اے بندہِ عارف تجھے معرفت کا رزق اُسوقت تک نہیں مل سکتا. جب تک تو مولا علیؑ میں فنا نہ ہوجائے.. مولاؑ کے غیر کا معرفت کے رزق سے کیا تعلق ہے. اس لئے ہم عارفین کے کلام میں دیکھتے ہیں کہ عارف اپنی عارفانہ پرواز میں مولائے کائنات کے در پر رزقِ باطنی کا سوال

کرتا ہے مولانا رومؒ شہرِ کاشان سے مراد معرفت کا شہر لیتے ہیں.. یہاں معرفت کی روٹیاں بانٹی جارہی ہیں. ایک نان بائی کے پاس عمر نامی شخص آتا ہے. نان بائی اس کے آگے سے روٹی ہٹا لیتا ہے کہ یہ تیرا حق نہیں علیؑ کا حق ہے. وہ نان بائی اُسے دوسرے دوکاندار کی طرف بھیجتا ہے اور کہتا ہے اے میرے ہم پیشہ نان بائی اس عمر نامی شخص کو روٹی دے. یعنی میری اس آواز سے اس شخص کے مستحق نان ہونے کا راز سمجھ لے کہ عمر نانِ معرفت کا حقدار نہیں ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں اگر تم ایک دکان پر عمر ثابت ہو چکے ہو تو اس معرفت کے شہر کاشان ہیں تم روٹی سے محروم رہو گے. اگر پہلی دکان پر اپنا نام علےؑ بتا دیتے تو نان مل جاتی اور دوسری دکان پر مارے مارے نہیں پھرتے... تم اس دنیا کاشان میں مسمہ باعمر کی طرح محروم پھرتے رہو گے. جب تک تم مسمہ علےؑ نہیں بن جاتے....

ای شاه شاهان جهان الله مولانا علی
ای نور چشم عاشقان الله مولانا علی
حمد است گفتن نام تو ای نور فرخ نام تو
خورشید و مه هندوی تو الله مولانا علی ۔
خورشید مشرق خاوری در بندگی بسته کمر
ماهت غلام نیک پی الله مولانا علی
خورشید باشد ذره ای از خاکدان کوی تو
دریای، عمانِ شبنمی الله مولانا علی
موسی عمران در غمت بنشته بددر کو طور
داود میخواندت زبورالله مولانا علی
آدم که نور عالم است عیسی که پورمریم است
در کوی عشقت درهم است الله مولانا علی
داود را آهن جو موم قدرت نموده کردگار

زیرا بدل اقرار کرد اللّٰه مولانا علی
آن نور چشم انبیا احمد که بُدبَدرُدُّجا
میگفت در قرب دینی اللّٰه مولانا علی
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغض علی
هر سه شدند از دین بری اللّٰه مولانا علی
گر مقتدای جاهلی کردست دردین جاهلی
تو مقتدای کاملی اللّٰه مولانا علی
شاهم علی مرتضی بعدش حسن نجم سما
خوانم حسین کربلا اللّٰه مولانا علی
آن آدم آل عبا دائم علی زین العباد
هم باقر و صادق بگو اللّٰه مولانا علی
موسی کاظم هفتمیں باشد امام و رهنما
گوید علی موسی الرضا اللّٰه مولانا علی

سوی تقی آی ونقی در مهر و عهدی بخوان
با عسکری، رازی بگواللّه مولانا علی
مهدیّ سوار آخریں برخصم بگشاید کمین
خارج رود زیر زمین اللّه مولانا علی
تخم خوارج در جهان تا چیز و ناپیدا شود
آن شاه چون پیدا شود اللّه مولانا علی
دیو و پری و اهرس اولاد آدم مردوزن
دارند این سردر دهن اللّه مولانا علی
اقرار کن اظهار کن مولای رومی این سخن
هر لحظه سِرِّ منِ لَدُن اللّه مولانا علی
ای رهنمای مومناں اللّه مولانا علی
ای سِرِّ پوش غیب دان اللّه مولانا علی
توچشم و جان رامیدهی کون و مکان رامیدهی

چشم و عیان را میدهی الله مولانا علی
داننده‌ء راز همه انجام و آغاز همه
ای قدر و اعزاز همه الله مولانا علی
هم حی و هم باقی توئی هم کوثر و ساقی توئی
قام و رازقی توئی الله مولانا علی
ما جمله سر گرداں تو هم واله و حیراں تو
گویندهٔ برهان تو الله مولانا علی
وحش و طیوروانس و جان جمله بفرمانت رواں
داری تو فضل بیکران الله مولانا علی
بردار از جانم محن مارا بده فیض سخن
ازتست کامم در دهن الله مولانا علی
تو حاکم هفت اختری هم سالکاں رار هبری
هم مومنان را غمخوری الله مولانا علی

احسان رتو ارکان زتو برهان زتوابداں زتو
هم روح وهم ریحان زتو اللّٰه مولانا علی
هم انبیا گویار توهم اولیا دانازتو
هم عارفان شیدازتو اللّٰه مولانا علی
قیومی وهم اکرمی سلطانی وهم اعظمی
بر حمله عالم عالمی اللّٰه مولانا علی
ملت زتو جان یافته هم جان جانان بافته
نقد فراوان اللّٰه مولانا علی
ای مرغ خوش الحان بخوان اللّٰه مولانا علی
تسبیح خود کن سرزماں اللّٰه مولانا علی
خواهی که یا ابی زندگی بشتاب اندر بندگی
تانخشدت زیبندگی اللّٰه مولانا علی
اسمش عظیم و اعظم است غفران و فرد وعالمست

مولا و حق آدم است الله مولانا علی
خواهی که یابی زونشان جان در ره اوبرفشان
کو جان دهست و جنستان الله مولانا علی
سبحان حی لاینام پیدا ز تو هر صبح و شام
حج و نماز است و صیام الله مولانا علی
رازق رزق بندگان مطلوب جمله طالبان
مامور امر کن فکان الله مولانا علی
سلطان بیمثل و نظیر پروردگار بی وزیر
دارندهٔ برناو پیر الله مولانا علی
دارنده لوح و قلم پیدا کن خلق از عدم
میر عرب فخر عجم الله مولانا علی
سر دفتر هرانجمن علامهٔ مصر و یمن
آن بر دل دشمن فکن الله مولانا علی

مجموع قرآن مدحتش حمد و ثنا وعزتش
نام بزرگی خدمتش الله مولانا علی
هم مومناں و مومنات و حش و طیور وهم نبات
مقصود کل کائنات الله مولانا علی
اشجار و گه و بحرو برهم آسمان اندر نظر
تسبیح گویندش بغر الله مولانا علی
در بندگی می بند کمر اندر طلب میر و بسر
خوش هادی است و راهبر الله مولانا علی
گر عاشقی و راه بین غره مشو خود راببین
وانگه ز جان و دل گزین الله مولانا علی
ای بنده شیرین زبان از دیو گر خواهی امان
هر دم بر آور توز جان الله مولانا علی
ای شمس دین جانباز جان در معانی برفشان

تا آیدت در گوش جان الله مولانا علی
خواهی که بابی زونشان جان دره آو بر فشان
کو جان ده است و جان ستان الله مولانا علی
ای شمس تبریزی بیا برما مکن جوروجفا
رخ را بمولا نابیا الله مولانا علی

مولانا رومؒ کی دو غزلیں مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ کے خطبۃ البیان کی توضیح و تشریح کر رہی ہیں...

غزل نمبر ۱

ای شاہ شاہان جہان اللہ مولانا علی
ای نور چشم عاشقاں اللہ مولانا علیؑ

غزل نمبر ۲

تا صورت پیوند جہاں بود علیؑ بود
تا نقش زمین بود زماں بود علیؑ بود

قلندرِ کبریا کے قلندر نامہ میں جس بات کی وضاحت کھل کر کی گئی ہے کہ اللہ کی قدرت و صفت کا ظہور ولایت مطلقہ ہے اور ولایت مطلقہ کا نام مولا علیؑ ہے. یعنی اللہ اگر ظاہر ہو جائے تو وہ ولایتِ مطلقہ کی منزل پر مولا علیؑ ہے اور اگر اپنے ظاہر کو چھپا لے تو صرف

اللہ ہو ہے ہم سب سے پہلے مولانا رومؒ کی پہلی غزل کی تشریح و توضیح کرتے ہیں...

اے کُل جہاں میں شہنشاہ وں کے شاہ اللہ مولانا علیؑ یعنی اللہ میرے مولاعلیؑ ہیں. آپ کے نام مبارکہ کا ذکر اور اللہ کی حمد کے برابر ہے. یعنی حمد ہی ذکر مولاعلیؑ ہے کیوں کہ آپ کا اسم مبارک وہ نور مطلقہ ہے جس کے شمس وقمر تابع ہیں اللہ میرے مولاعلیؑ ہیں خورشیدِ مشرق آپ کا فرماں بردار غلام ہے اللہ میرے مولاعلیؑ ہیں آپؑ کی گلی کے خاک دان کا ایک ذرہ خورشید ہے بحرِ عمان ایک قطرہ شبنم ہے اللہ میرے مولاعلیؑ ہیں موسی عمران کوہ طور پر جس تجلی سے تکلم کررہے ہیں اور داود زبور میں جو پڑھ رہے ہیں وہ اللہ میرے مولاعلیؑ ہیں اگر داود فولاد کو موم کردیتے ہیں تو کردگار کی قدرت سے کیونکہ ان کا قلب اقرار کررہا ہے میرے اللہ مولاعلیؑ ہیں وہ انبیاء کی آنکھوں کا نور اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم جو ظلمتوں میں اجالا بن کر آئے اور اس نور مطلقہ نے ظلمت کا خاتمہ کیا اور وہ قربت الیہہ اور معرفت حقیقی میں فرماتے ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں..

قاضی، شیخ، محتسب یعنی ملا لوگ دل میں مولا علیؑ سے بغض رکھتے ہیں جس کے باعث تینوں افراد دین سے ہٹے ہوئے ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں..اگر تو جاہلوں کا معتقد ہے تو تیرا دین بھی جہل پر مبنی ہے اور اگر تو کامل کا معتقد ہے اور اس کی اقتداء کرتا ہے تو اللہ میرے مولا علیؑ ہیں علی مرتضیٰؑ میرے شہنشاہ ہیں ان کے بعد امام حسنؑ آسمان ولایت کے روشن ستارے ہیں اور ان کے بعد شہید کربلا حسینؑ میرے امام ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں وہ آدمؑ سے آل عباؑ ''یعنی چادر تطہیر میں پنجتن سلسلہ جاری رہا'' امام زین العابدینؑ اور امام باقرؑ و امام جعفر صادقؑ بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

ہمارے امام ہیں اور رہنما ہیں اور حضرت امام رضاؑ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں حضرت امام محمد تقیؑ اور حضرت امام علی نقیؑ سے اقرار محبت کرو اور حضرت امام حسن عسکری کو تسلیم کرو اور یہ کہہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں. حضرت امام مہدیؑ آخری امام ہیں اپنے حجاب غیب سے نکل کر دشمنوں پر حملہ کریں گے اور فتنہ خوارج کو زیر زمیں کر دیں گے اللہ میرے مولاؑ علی ہیں... جب میرے شہنشاہ کا ظہور ہوگا تو خوارج کا وجود ہی زمانے سے نیست و نابود ہو جائے گا. کائنات کو ہر وجود دیو، پریاں، جنات اولادِ آدم مرد و زن ان کی زبان پر ہے کہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں... اے مولانا رومیؒ اپنے اس عقیدہ کا برملا اظہار کر اقرار کر ہر لحظ سرِّ من لدّن اللہ میرے مولا علیؑ ہیں اے مومنین کے رہنما اے ہمارے مولا علیؑ آپ عالم الغیب کا پردہ ہیں اے ہمارے مولا علیؑ آپ کی خدمت جامع جمیع صفات خداوندی ہے اللہ میرے مولا

علیؑ ہیں. مولا علیؑ ہی صاحبِ حیات و بقا ہیں آپ ہی کوثر ہیں اور ساقی کوثر بھی اور میرے رزق کو تقسیم کرنے والے بھی آپ ہی ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں....

آپ رزق ظاہری اور رزق روحانی دینے والے ہیں کُل بندوں کو ہر طالب کے مطلوب آپؑ ہی ہیں امر کن فکاں پر آپ مامور ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں....

اور سلطان بے مثل بے نظیر آپ پروردگار بے وزیر ہیں اور ہر بوڑھے اور جوان کے آپ نگہبان ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں آپ ہی صاحب لوح و قلم ہیں اور خلق کو عدم سے وجود میں لانے والے ہیں آپ عرب کے امیر ہیں اور عجم کو آپ کی ذات پر فخر ہے کیونکہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں. آپؑ ہر بزم اولیا کی شمع فروزاں ہیں آپ ہی اعلم ہیں اور دل کے دشمن یعنی نفس امارہ پر ضرب لگانے والے ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں. قرآن حکیم مکمل طور پر آپ کی

مدح میں ہے اور اس میں تمام حمد وثنا آپ کی بزرگی وعزت ہے یعنی پورا قرآن آپؐ کی تعریف وتوصیف سے بھرا ہوا ہے بزرگی آپ ہی کے شایان شان ہے اے ہمارے مولا علیؑ، اللہ میرے مولا علیؑ ہیں..

مومنین اور مومینات چرند و پرند اور نباتات بلکہ کُل مقصور کائنات صرف یہی ہے کہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں اے خوش گفتار بندے اگر تو شیطان سے پناہ چاہتا ہے تو ہر وقت تو اپنے دل کی زبان سے کہا کر اللہ میرے مولا علیؑ ہیں. اے معرفت کے پرندے اپنی خوبصورت آواز میں خود تسبیح کر اللہ میرے مولا علیؑ ہیں کیونکہ مولا علیؑ کا اسم مبارک ہی اسم اعظم ہے اور عظیم ہے مولا ہی حق و آدم اول ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں۔۔کُل انبیا وکُل اولیا اور عارفین کا رہبر مولا علیؑ ہیں اور سب یہی کہتے ہیں اللہ میرے مولا علیؑ ہیں۔ قیوم تو ہی، اکرم تو ہی، سلطان واعظم بھی تو ہی، اور ہر جملہ عالم پر

تصرف بھی تیرا ہے اللہ میرے مولا علیؑ ہیں. اے مولا تو ھفت آسمان کا حاکم ہے اور ہم سالکان کا رہبر بھی اور ہم کُل مومنین کا غمخوار بھی ہے اللہ میرے مولا علیؑ ہیں...

تمام درخت پہاڑ سمندر آسمان یعنی حد نظر تک تمام کُل مخلوقات یہی تسبیح کر رہے ہیں کہ اللہ میرے مولا علیؑ ہیں...اے شمس دین جان نثار کرنے والے معانی کے موتی بکھیر تا کہ میرے گوش دلِ میں بھی یہی صدا آئے اللہ میرے مولا علیؑ ہیں۔۔۔

تا صورتِ پیوند جهان بود علیؑ بود
تا نقش زمیں بود زمان بود علیؑ بود
شاهے که ولی بود، وصی بود علیؑ بود
سلطان سخا و کرم وجود علیؑ بود
هم آدمؑ وهم شیثؑ وهم ایوبؑ وهم ادریسؑ
هم یوسفؑ وهم یونسؑ بود علیؑ بود
هم موسیؑ وهم عیسیؑ وهم خضرؑ وهم الیاسؑ
هم صالحؑ پیغمبر داود، علیؑ بود
آن عابد سجاده که خاك درش از قدر
بر کنگرهٔ عرش بغیزور علیؑ بود
هم اول وهم آخر وهم ظاهر و باطن
هم عابد وهم مصبود معبود علیؑ بود
وجهے که بیان کرد خداوند در احمد

آن وجهہ بیاں کردو بہ فرمود علیؑ بود
عیسیٰؑ بوجود آمدو فی الحال سخن گفت
آن نطق و فصاحت کہ بدو بود علیؑ بود
آن لحمک لحمی بشنو تا کہ بدانی
آن یار کہ اونفس بنیؐ بود علیؑ بود
موسیٰؑ و عصا وید بیضا و نبوت
در مصر بہ فرعون کہ بنمود علیؑ بود
چنداں کہ نظر کردم ویدم بہ حقیقت
ازروئے یقیں بر ہمہ موجود علیؑ بود
خاتم کہ درانگشتِ سلیمانؑ نبی کرد
آن نور خدائی کہ بر اُو بود علیؑ بود
آن شاہ سرافراز کہ اندر شب معراج
با احمدؐ مختار یکے بود علیؑ بود

سردو جہاں پرتوِ انوارِ الٰہی
از عرش بہ فرش آمد و بنمود علیؑ بود
جبرئیل کہ آمد زبر خالق بے چوں
در پیشِ محمدؐ شد و مقصود علیؑ بود
آں معنیٰ قرآں کہ خدا در ہمہ قرآں
کردش صفت عصمت و بستود علیؑ بود
ایں کفر نہ باشد سخن کفر نہ انیست
تا ہست علیؑ باشد و تابود علیؑ بود
آں قلعہ کشائے کہ در قلعہ خیبر
بر کندبہ یک حملہ و بکشود علیؑ بود
آں گردِ سہ افراز کہ اندررہ اسلام
تا کارنہ شد راست نیا سود علیؑ بود
آں شیر دلاور کہ برائے طمعِ نفس

برخوانِ جہاں پنجۂ نیالود علیؑ بود
سردوجہاں جملہ زپُہناں وز پیدا
شمس الحقِ تبریز کہ بنمود علیؑ بود
ہارون ولایت زپس موسیٰؑ عمراں
باللّٰہ کہ علیؑ بود، علیؑ بود، علیؑ بود
ایں یک دوسہ بیتے کہ بگفتم بہ معما
حقا کہ مرادمن و مقصود علیؑ بود
آں شاہ کہ بادانش دیں بود علیؑ بود
مسجود ملک، ساجد معبود علیؑ بود
آں شاہ فلک مرتبہ کز عزوجلالت
برسائر مخلوق بیغزود علیؑ بود
آں نکتہ تحقیق حقائق بہ حقیقت
کز روئے یقیں مظہر حق، بود علیؑ بود

با منزلتِ آدمؑ و داودؑ علیؑ بود
راهی که بیان کرد خداوند در الحمد
آن رهبر و آن راه که بنمود علیؑ بود
وجهی که به فرمود خداوند به قرآن
آن وجهه مکرم که به فرمود علیؑ بود
جبرئیل امین راز بر حضرت عزت
مقصود به مثل احمدؐ و مقصود علیؑ بود
گویند، ملک ساجد و مسجود به آدمؑ
از من بشنو ساجد و مسجود علیؑ بود
این سر بشنو باز ز شمس الحق تبریز
کز تقدو جود دو جهان بود علیؑ بود

جب تخلیق دنیا کا ارادہ ابھی علمِ الہیٰ میں تھا علیؑ (بہ شکل نور) موجود تھے، جب زمیں اور زماں کا صرف نقشہ تھا علیؑ موجود تھے...وہ بادشاہ جو نبیؐ کے دوست اور وصی تھے علیؑ تھے، سخاو کرم اور عطا کے سلطان علیؑ تھے...حضرت آدمؑ و حضرت شیثؑ و حضرت ایوبؑ، حضرت ادریسؑ و حضرت یوسفؑ و حضرت یونسؑ اور حضرت ہودؑ یہ سب علیؑ تھے....حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ حضرت الیاسؑ حضرت صالحؑ اور حضرت داودؑ پیغمبر علیہ السلام علیؑ ہی تھے...وہ سجدہ گزار عابد کہ جس کے در کی خاک نے، عرش کے کنگروں کی قدر بڑھائی وہ علیؑ ہیں...اول و آخر ظاہر و باطن، عبادت گزار، مقام عبادت اور عین عبادت سب علیؑ ہیں....خداوند تبارک وتعالےٰ نے سورہ الحمد میں جو نکتہ بیان فرمایا ہے، اور یہ فرمایا کہ اس نکتہ کا مصداق علیؑ ہیں...حضرت عیسیٰؑ نے پیدا ہوتے ہی تکلم فرمایا، اور وہ گویائی و فصاحت بیان علیؑ ہی کی تھی..لجمک لحمی ارشاد نبویؐ کو سنو تا کہ یہ سمجھ سکو

جب تخلیق دنیا کا ارادہ ابھی علمِ الہیٰ میں تھا علیؑ (بہ شکل نور) موجود تھے، جب زمیں اور زماں کا صرف نقشہ تھا علیؑ موجود تھے...وہ بادشاہ جو نبیؐ کے دوست اور وصی تھے علیؑ تھے، سخاو کرم اور عطا کے سلطان علیؑ تھے...حضرت آدمؑ و حضرت شیثؑ و حضرت ایوبؑ، حضرت ادریسؑ و حضرت یوسفؑ و حضرت یونسؑ اور حضرت ہودؑ یہ سب علیؑ تھے....حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ حضرت الیاسؑ حضرت صالحؑ اور حضرت داودؑ پیغمبر علیہ السلام علیؑ ہی تھے...وہ سجدہ گزار عابد کہ جس کے در کی خاک نے، عرش کے کنگروں کی قدر بڑھائی وہ علیؑ ہیں...اول و آخر ظاہر و باطن، عبادت گزار، مقام عبادت اور عین عبادت سب علیؑ ہیں....خداوند تبارک وتعالےٰ نے سورہ الحمد میں جو نکتہ بیان فرمایا ہے، اور یہ فرمایا کہ اس نکتہ کا مصداق علیؑ ہیں...حضرت عیسیٰؑ نے پیدا ہوتے ہی تکلم فرمایا، اور وہ گویائی و فصاحت بیان علیؑ ہی کی تھی..لجمک لحمی ارشاد نبویؐ کو سنو تا کہ یہ سمجھ سکو

کہ نبیؐ کا وہ دوست جو نفس رسولؐ ہے علیؑ ہیں... مصر میں فرعون کے مقابل حضرت موسیٰؑ کو نبوت اور معجزہ عصا اور ید بیضا کے ساتھ جس نے ظاہر کیا وہ علیؑ ہی تھے... تمام موجوداتِ عالم پر میں نے نظرِ حقیقت ڈالی تو، یقین کی حد تک میں نے یہی دیکھا کہ ہر موجود سے علیؑ ہی ظاہر تھے.... وہ انگوٹھی جو حضرت سلیمان کی انگلی میں تھی اس کے نگینہ پر جو جلال خداوندی کا نور تھا وہ نورِ علیؑ تھا.... وہ شاہِ سرفراز جو شب معراج میں احمد مختار کے ساتھ تھے صرف علیؑ تھے... دونوں عالم کا راز جو پرتو علم الٰہی تھا، جو عرش سے فرش پر ظاہر ہوا وہ علیؑ ہی تھے..... جبرئیل علیہ السلام ذات لاتعین کی بارگاہ سے، حضرت محمدؐ کی خدمت میں جو ظاہر ہوئے، اس نزول کی علت نمائی علیؑ تھے.... خداوند تبارک و تعالےٰ نے سارے قرآن میں جس کے اوصافِ حمیدہ اور معصومیت کو سراہا ہے وہ علیؑ ہیں.... نہ یہ کفر ہے اور نہ کلامِ کفر جو کچھ تھے وہ علیؑ تھے اور جو کچھ ہیں علی

ہیں...وہ فاتح خیبر کہ جس نے ایک ہی حملہ میں درِ خیبر اکھاڑ کے دروازہ کھول دیا وہ علیؑ ہی تھے....وہ اشجع الناس جو اسلام کی راہ میں جب تک کہ راہ دین درست نہ ہو چین سے نہیں بیٹھ سکے وہ علیؑ تھے....وہ بہادر شیر جس نے حظِ نفسِ کی خاطر، اس دنیا کے دستر خوان پر اپنے ہاتھ کو آلودہ نہیں کیا وہ علیؑ تھے....شمس الحق تبریز کو جس نے دونوں عالم کے ظاہر اور باطن کے سربستہ رازوں سے واقف فرمایا وہ علیؑ تھے....موسیٰ عمرانؑ کے بعد ہارون ولایت، خدا کی قسم علیؑ ہیں علیؑ ہیں....یہ دو تین ابیات جو میں نے کنایتاً کہی ہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس سے میری مراد اور میرا مقصود علیؑ ہی ہیں..

وہ بادشاہ جس کے پاس دین کا علم تھا وہ علیؑ تھے وہ سجود ملائک اور معبود کے سجدہ گذار علیؑ تھے..

وہ فلک مرتبت بادشاہ جس کا جاہ و جلال، جملہ مخلوق کے مراتب سے بڑھا ہوا ہے علیؑ تھے..حقائق و اسرار کا مرکزِ تحقیق جو حقیقت

میں یقین کی حد تک مظہر حق ہے وہ علیؑ تھے. میدان ریاضت کا وہ شہسوار جو اپنی مردانگی سے، تمام عالم پر سبقت رکھتا ہے وہ علیؑ تھے. وہ بادشاہ کہ جس کی ذوالفقار نے دین کے آئینہ پر سے ظلم و بدعت کا زنگ صاف کیا وہ علیؑ تھے. وہ سراسر نور مجرد جو ہر حال میں حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ و حضرت ہودؑ کے ساتھ رہا وہ علیؑ تھے. وہ پاک و پاکیزہ روح جس کی مدح خود خدا نے متعدد آیتوں میں فرمائی وہ علیؑ تھے. (حضرت علیؑ) صابر و صادق القول خدا کے فرماں بردار، اس کی راہ میں مال صرف کرنے والے، ہادی راہِ خدا گواہ حقانیت اور منظور نگاہ الوہیت حضرت علیؑ تھے.. اول و آخر ظاہر و باطن، وعدہ کرنے والے نفسِ وعدہ اور موعود (الا) حضرت علیؑ تھے. حضرت علیؑ میں سلیمان علیہ السلام کی حکومت حضرت یحییٰؑ کی عصمت اور حضرت آدمؑ و داؤدؑ کی منزلت جمع تھی.. خداوند تعالےٰ نے سورۂ الحمد میں جس طرح صراط مستقیم کا ذکر فرمایا ہے وہ راستہ

اوراس راستہ کے دکھانے والے علیؑ تھے..قرآن میں اللہ پاک نے جس وجہہ کا ذکر فرمایا ہے (کل شئ ھالک الا وجہہ) وہ وجہہ مکرم علیؑ تھے..جبرئیل امین کو رب العزت کی بارگاہ سے جو احکام جاری ہوئے ان کا مقصود حضرت احمدؐ مختار کو طرح حضرت علیؑ ہی تھے. کہتے ہیں کہ فرشتے ساجد اور آدم مسجود ملائک تھے لیکن مجھ سے سنو کہ ساجد و مسجود علیؑ تھے. اس راز کو شمس الحق تبریز سے دوبارہ سن لو کہ دونوں جہاں کے وجود کا سرمایہ علیؑ تھے...

شیر و ولیؑ خدا، شاہ سلامُ علیک
معدنِ جو دوسخا ، شاہ سلامُ علیک
ہمدم خیر البشرؐ، باب شبیرؑ و شبرؑ
راجعِ شمس و قمر، شاہ سلامُ علیک
خسر ولشکر شکن، باب حسینؑ و حسنؑ
نور خدا،بوالحسنؑ، شاہ سلامُ علیک
بودی، و عالم نہ بود، بودی و آدمؑ نہ بود
ماہ و فلک ہم نہ بود، شاہ سلامُ علیک
نام تو بر آسماں، زمزمۂ قدسیاں
راحتِ روحانیاں، شاہ سلامُ علیک
کعبہ ماکوئے تو، قبلہ ماروئے تو
ماہمہ ہندوئے تو، شاہ سلامُ علیک

خلعت تو کردگار، داد تُرا ذوالفقار
صیدِ تو شد ذوالخمار، شاہ سلامُ علیک

ازرہ دور آبدیم، دیدہ دل اشکبار
پیش توائے شہسوار، شاہ سلامُ علیک

اول و آخر توئی ، ظاہر و باطن توئی
مفخر، عالم توئی، شاہ سلام علیک

شاہ شریعت توئی، پیر طریقت توئی
حق بہ حقیقت توئی، شاہ سلام علیک

حُبّ تو ایماں بود، خلعت مرداں بود
پیر مریداں بود، شاہ سلامُ علیک

عالم پاکیزہ رائے ، واقف سرِ خدائے
حیدر خیبر کشائے، شاہ سلامُ علیک

بحرِ کرم راصدف، تیر بالا راهدف
تمحنۂ دشتِ نجف، شاہ سلام علیک
دین رسولؐ کیار، تیغ تو کرد آشکار
نویت ایں پنج بار، شاہ سلام علیک
مادح توجبرئیل، بودہ زربّ جلیل
مدح تو گفتہ خلیل، شاہ سلام علیک
سالک غمخوار توئی، عارف رہبر توئی
صادقِ اکبر توئی، شاہ سلام علیک
گفتہ رسولؐ امین، مدح تو بے مہرو کیں
ازدمِ جاں بشنوایں، شاہ سلام علیک
نورِ تواز نور من، ناظر و منظور من
ناصر و منصور من، شاہ سلام علیک

ساقی کوثر توئی، شافع محشر توئی
حیدر صفدر توئی، شاہ سلام علیک
سابق الایماں توئی، معجزو برہاں توئی
حجت یزداں توی، شاہ سلام علیک
بغض تو طغیاں بود، پیروشیطاں بود
لعنتِ یزداں بود، شاہ سلامُ علیک
یوسفؑ مصری بجاں دیدہ درآں تیرہ چاہ
نام تو بودش پناہ، شاہ سلامُ علیک
سید سرورِ کرم گفت آیا پوُر عم
لحمک لحمی دمک، شاہ سلامُ علیک
نیست کسے دستگیر، جز تو مرا بے نظیر
عذر مرا در پذیر، شاہ سلامُ علیک

صبح معظم توئی، مقصد عالم توئی
رهبر آدمؑ توئی، شاه سلامُ علیک
شافع محشر توئی، صاحب منبر توئی
هادی و رهبر توئی، شاه سلامُ علیک
صفدر رُوز غزا، صاحب حوض دلواء
والئی امر خدا، شاه سلامُ علیک
فضل تو جز کردگار، کس نتواند شمار
یک صفت از صد هزار، شاه سلامُ علیک
حیدرؑ و الاتبار، قاضی روز شمار
قاسمِ جنات ونار، شاه سلامُ علیک
گفته به عمران و آل و صفِ ترا قل تعال
مادح تو ذوالجلال، شاه سلامُ علیک

فضل ترا در برات، خالقِ موت و حیات
گفته ترا در صفات، شاه سلامُ علیک
قولِ رسولؐ بشیر، صاحب روز غدیر
شاه و امام و امیر، شاه سلامُ علیک
مدح تو یٰسین بود، ذکرِ تو طٰسٓ بود
ایں همه تحسین بود، شاه سلامُ علیک
فضل تو رب حکیم گفته به هفت حاومیم
وَهُوَ عَلُی عَظیم، شاه سلامُ علیک
گفت گهه معجزات فضل ترا در صفات
سوره والعادیات، شاه سلامُ علیک
قیمت ضربت خدا، کرده روز جزا
قدر همه انبیاءؑ، شاه سلامُ علیک

میرمن و شاہ من، قدرِ من و جاہ من
مہرمن و ماہ من، شاہ سلامُ علیک
افتح اہل فتوح، گوہر دریائے روح
رہبر کشتی نوحؑ، شاہ سلامُ علیک
شمس شدہ چاکرت، گردرہ قنبرت
نہ نہ کہ خاکِ درت، شاہ سلامُ علیک
مفخر تبریزیاں، ناصرِ روحانیاں
سرور کرّوبیاں، شاہ سلامُ علیک

شیر خدا اور ولی (حق) اے شہہ (ولایت) آپ پر سلام، اے جو دوسخا کے معدن! آپ پر سلام.. کے ہمدم شبیرؑ و شبرؑ کے پدر بزرگوار چاند سورج کے لوٹانے والے آپ پر سلام (دشمنوں کے) لشکر کو پسپا کر دینے والے سپہ سالار حسنینؑ کے والد محترم، خدا کے نور ابوالحسنؑ آپ پر سلام (یا علیؑ) آپ اس وقت بھی موجود تھے جب عالم اور آدمؑ کی تخلیق نہیں ہوئی تھی آسمان اور چاند کا وجود نہ تھا. اے شاہ آپ پر سلام.. کا ترانہ ہے، اے عالمِ روحانیت کی راحت آپ پر سلام. آپ کا کوچہ ہمارا کعبہ ہے آپ کا روئے مبارک ہمارا قبلہ ہے ہم سب آپ کے پرستار ہیں، اے شاہ (ولایت) آپ پر سلام. خداوند تعالےٰ نے آپ کو خلعت اور ذوالفقار عطا کی، آپ نے ذوالخمار کا شکار کیا اے شاہ آپ پر سلام.. اے شہسوار عرصہ وحدت! ہم دل کی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے بڑی دور سے آپ کی خدمت میں آئے ہیں. آپ پر

سلام. اول و آخر آپ ہیں، ظاہر و باطن آپ ہیں، باعثِ افتخارِ عالم آپ ہیں، اے شاہ آپ پر سلام.... شاہِ شریعت آپ ہیں. پیر طریقت آپ ہیں۔ درحقیقت حق آپ ہی کے ساتھ ہے.؛ اے شاہ آپ پر سلام.. آپ سے محبت ایمان ہے، مردان خدا کا خلعت ہے آپ صاحبان ارادت کے پیشوا ہیں ، اے شاہ آپ پر سلام.. آپ پاکیزہ رائے عالم ہیں، واقف اسرار خداوندی ہیں، آپ فاتح خیبر ہیں ، اے شاہ آپ پر سلام... دریائے کرم کے صدف، تیرا ابتلا (امتحان) کے ہدف، شاہ نجفؑ پر سلام.. آپ کی تلوار سے رسولؐ اکرم کے دین کو قوت پہنچی اور پنج وقتہ اذاں و نماز وقائم ہوئی. اے شاہ آپ پر سلام ... اللہ کے حکم سے جبرئیل نے آپ کی مدح کی، خود حق تعالےٰ نے آپ کو اپنا دوست کہا. اے شاہ آپ پر سلام... آپ غمخوار سالک ہیں عارف رہبر ہیں اور صادق اکبر ہیں. اے شاہ آپ پر سلام... رسولؐ امین نے آپ کی

بے لاگ مدح فرمائی جو دل و جان سے سننے کے قابل ہے اے
شاہ آپ پر سلام.... رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا "تم (حضرت علیؑ)
میرے نور سے ہو، میرے چاہنے والے ہو۔ اور میرے چہیتے ہو
میری نصرت کرنے والے ہو اور مجھ سے نصرت پانے والے
ہو" اے شاہ آپ پر سلام..
آپ ساقی کوثر ہیں، آپ شافع محشر ہیں، آپ حیدرؑ و صفدر ہیں.
اے شاہ آپ پر سلام... سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ
ہیں، اسلام کی دلیل اور خدا کی حجت ہیں. اے شاہ آپ پر
سلام... آپ سے بغض کھلی گمراہی ہے۔ شیطان کی پیروی ہے اس
پر خدا کی لعنت ہے۔ اے شہہ (نجف) آپ پر سلام... تنگ
تاریک کنویں میں جب یوسف مصر کی جان پر بن گئی تو آپ کا نا
اس کی پشت پناہ تھا اے شاہ آپ پر سلام..... سید المرسلی
نے (آپ کی شان میں) ارشاد فرمایا کہ "اے میرے ابن عم

گوشت میرا گوشت ہے تیرا خون میرا خون ہے'' اے شاہ آپ پر سلام... اے دستگیر بے نظیر! آپ کے سوا کوئی میرا ہاتھ تھامنے والا نہیں میری منت اور میرا عذر قبول فرمایئے اے شاہ آپ پر سلام... آپ صبح معظم ہیں، مقصد عالم ہیں، رہبر آدمؑ ہیں. اے شاہ آپ پر سلام... آپ شافع محشر ہیں، صاحب منبر ہیں، ہادی و رہبر ہیں، اے شاہ آپ پر سلام... آپ روز قیامت کے سردار اور ساقی کوثر اور صاحب لوائے حمد ہیں اور والی امر خداوندی ہیں اے شاہ آپ پر سلام... حضرت علیؑ کے فضائل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ان کے ہزاروں صفات حسنہ میں سے ایک صفت کی پوری گنتی بھی کسی سے ممکن نہیں اے شاہ آپ پر سلام... آپ معزز بہادر ہیں، یوم حساب فیصلہ دینے والے ہیں، جنت و دوزخ کی تقسیم کرنے والے ہیں، اے شاہ آپ پر سلام... خداوند تعالےٰ نے سورہ آل عمران میں آپ کی توصیف فرمائی ہے، رب العزت خود آپ کا

مداح ہے، اے شاہ آپ پر سلام...خالق موت وحیات نے آپ کے اوصاف اور فضل کا تذکرہ سورہ برات میں فرمایا ہے، اے شاہ آپ پر سلام...بشارت دینے والے نبی مکرم نے بروز غدیر آپ کو شاہ امام اور امیر مقرر فرمایا، اے شاہ آپ پر سلام...(سورہ) یٰسین میں آپ کی مدح ہے تو طٰسٓ میں آپ کا ذکر ہے یہ سب آپ کی تحسین اور قدر دانی ہے۔ اے شاہ آپ پر سلام...حکمت والے پروردگار نے آپ کی فضلیت کو سات حاو میم سے بیان فرمایا ہے اور آپ کی شان میں وَھُوَ عَلِیٌّ عَظِیم آیا اے شاہ آپ پر سلام...آپ کی فضیلت معجزات کی شکل میں بیان فرمائی مثلاً سورہ والعادیات میں اے شاہ آپ پر سلام...آپ کی ایک ضربت کی قیمت روز جزاء کی شفاعت ہے آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی عظمت ہیں۔اے شاہ آپ پر سلام...میرے سردار! میرا وقار اور میری عزت سب کچھ آپ ہیں میرے آفتاب، میرے مہتاب!

اے شاہ آپ پر سلام...اہل نظر سے حجابات اٹھانے والے دریائے روح کے آبدار موتی اور کشتی نوحؑ کے رہبر، اے شہ نجف آپ پر سلام...شمس (تبریز) آپ کا غلام بن چکا یہی نہیں وہ تو آپ کے در کی خاک ہے بلکہ آپ کے قنبر کی گردِ راہ ہے، اے شاہ آپ پر سلام...(یا علی) آپ تبریزیوں کا افتخار، روحانیوں کے ناصر اور قدسیوں کے سردار ہیں اے شاہ آپ پر سلام...

عزاداری

ان یکی گفش که تو دیوانه ای
تو نه ای شیعه عدو خانه ای
روز عاشور نمی دانی که هست
ماتم جانی که از قرنی به است
پیش مومن کی بو داین قصه خوار
قدر عشق گوشته عشق گوشوار
پیش مومن ماتم آن پاك روح
شهره تر باشد صد طوفان نوح

مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ماتم
،عزاداریِ حسینؑ کا مذاق اڑایا تو مولانا رومؒ نے کہا تو مجھے دیوانہ

معلوم ہوتا ہے تو شیعہ نہیں ہے بلکہ اہلبیتؑ کا دشمن ہے کیا تجھے عاشور کے دن کا معلوم نہیں ہے کہ وہ ایک ایسی بزرگ بلند ہستی کا ماتم ہے جو صدیوں سے آنے والے لوگوں سے افضل ہے ایک مخلص مومن کے نزدیک کربلا کیسے بے وقعت ہوسکتی ہے اگر واقعی آنحضرت محمد ﷺ سے حقیقی عشق محبت ہے تو پھر وہاں بغض امام حسین نہیں ہوسکتا یعنی کان کا محبت کے مطابق بالی سے محبت ہوگی مومنین کے نزدیک کربلا والوں کا ماتم سینکڑوں طوفان نوح سے افضل ہے یعنی عزاداروں کا گریہ طوفان نوح کو بہا کر لے جائیگا اگر کوئی شخص ماتم سے بے خبر ہے وہ مومن نہیں ہے۔

شاہ نعمت اللہ ولی کرمانیؒ

حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے سلسلے کو نعمت اللّٰہی سلسلہ کہتے ہیں یہ سلسلہ محض ایران تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ برصغیر پاک و ہند سے لیکر جہاں جہاں علمِ عرفان پر تحقیق و جستجو جاری ہے۔ وہاں نعمت اللّٰہی سلسلے کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ایران میں عارفانہ سلسلہ چلانا اور فقیری کرنا آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ ایران کی پہچان شمسِ ولایت حضرت امام رضا صلواۃ اللہ علیہ کا حرم مبارک ہے۔ اور حضرت شاہ چراغ، شہزادہ عبدالعزیز جیسی ہستیاں جب موجود ہوں۔ تو وہاں سلسلہ فقیری نہایت مشکل تر نظر آتا ہے۔ حضرت نعمت اللہ ولی کا مزار مقدس ایران کے شہر کرمان میں ہے۔ اور ان کے سلسلے کے افراد کی پہچان یہ ہے کہ وہ طویل مونچھے رکھتے ہیں۔ ایران میں ۹ سالہ قیام کے دوران نعمت اللّٰہی سلسلے کے افراد سے میرے بڑے روابط رہے کیونکہ میرا موضوع ہی عرفان و طریقت رہا۔ اس لئے شاہ نعمت اللہ ولی کا دیوان زیرِ مطالعہ رہا۔ جہاں شاہ نعمت اللہ ولی کے دیوان میں عارف کے عشق کا مرکز مولائے کائناتؑ ہیں۔ دوسری طرف محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمنوں سے

برات اظہار بھی ہے. شاہ نعت اللہ ولی کی دوسری سببِ شہرت ان کی پیش گوئیاں ہیں. جو ان کے دیوان کامل میں موجود ہیں. شاہ نعمت اللہ ولی کا دور غالباً ۸۳۰ھ کے بعد کا ہے شاہ نعت اللہ ولی کے دیوان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے. کہ وہ مولوی معنوی حضرت مولانا روم سے متاثر تھے. اور ان کی معروف غزلیات جو کلیاتِ شمس تبریزی میں موجود ہیں. اس کا تذکرہ حضرت شاہ نعت اللہ ولی نے اپنے دیوان میں کیا ہے. اور ان کے اشعار کا جواب اپنے اشعار کے ذریعے ہی دیا ہے. جو عارفانہ گفتگو میں اپنی مثال آپ ہے. دیگر عارفین کی طرح اس مردِ عارف کا بھی دیوان مکمل طور پر مولا علیؑ کی حمد و ثنا کرتا نظر آتا ہے. اُن کی کچھ غزلیں اور اُن کی عرفانہ تشریحات درج ذیل ہے.....

در منقبت حضرت رسول اکرمؐ

خوش ر حمتیست یاران صلوات بر محمد
گوئیم از دل و جان صلوات بر محمد
گر مؤمنی و صادق با ما شوی موافق
کوری هر منافق صلوات بر محمد
در آسمان فرشته مهرش بجان سرشته
بر عرش خوش نوشته صلوات بر محمد
صلوات اگر بگوئی یابی هر آنچه جوئی
گر تو زخیل اوئی صلوات بر محمد
ای نور دیده ما خوش مجلسی بیارا
میگو خوشی خدارا صلوات بر محمد
مانند گل شگفتیم در لطیف سفتیم
خوش عاشقانه گفتیم صلوات بر محمد

والله که دیدهٔ من از نورا وست روشن
جان منست و من تن صلوات بر محمد
گفتیم بادل و جان با عاشقان کرمان
شادی روی یاران صلوات بر محمد
بی شک علی ولی بود پروردهٔ نبی بود
شاه همه علی بود صلوات بر محمد
گوئیم دعای سید خوانم ثنای سید
جانم فدای سید صلوات بر محمد
خوش گفت نعمت الله رمزی زلی مع الله
خوش گو بعشق الله صلوات بر محمد

درود ہو حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں نے جگہ جگہ اپنی کتب میں اس جملے کی تکرار کی ہے کہ اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے. لیکن محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے سے بے نیاز نہیں ہے. اور واقعی درود سے بڑھکر کوئی اسمِ اعظم ہو ہی نہیں سکتا. حضرت شاہ نعمتِ اللہ ولی اپنے دیوان میں بعنوان در منقبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرماتے ہیں. خوشحال رحمتیں عاشقوں پر رواں دواں ہیں کیونکہ ان کے دلِ و جان محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں. اگر تو سچا مومن ہے تیرے لئے موافق یہی ہے کہ تو درود بھیج تا کہ ہر منافق اندھا ہو جائے. زمین سے آسمان تک عرش تا فرش ملائکہ درود بھیج رہے ہیں. اور عرش پہ لکھا ہوا ہے صلواۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تو نورِ حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے تو آجا اس مجلس میں جہاں خود خدا میرِ مجلس ہے اور کہہ رہا ہے. صلواۃ بر محمد صلی علیہ وآلہ وسلم.. عاشقان شگفتہ گلوں کی مانند اور لطیف وجود کی مانند

رسولؐ پر درود بھیج رہے ہیں. اور واللہ میں نے اُسی نور کو روشن ہر جگہ دیکھا ہے اور میری جان تن و من درود بھیج رہے ہیں. کرمان کے عاشق ان کے دلوں جان اسی بات پر خوش ہیں اُن کی خوشی یہی ہے کہ وہ رسولؐ پر درود بھیج رہے ہیں. اور یاد رکھو اس میں کوئی شک نہیں ہے. علیؑ ولی ہیں. پروردہ نبی ہیں۔ کُل کے شہنشاہ ہیں. درود بھیجو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر. یہی دعا ہے. سید کی یہی ثنا خوانی ہے. سید کی. جانِ فدا ہو اس سید مصطفیٰؐ پر صلواۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعمت اللہ کی یہی گفتگو خوش کن ہے. اور ازل سے یہی ہے اور عشقِ اللہ ہی صلواۃ بر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے....

در مدح و منقبت امیر مومنان علیؑ

مرد مردانه شاه مردان است
در همه حال مرد مردان است
در ولایت ولی والی اوست
بر همه کاینات سلطان است
سید اولیا علی ولی
آنکه عالم تنست واوجان است
گرچه من جان عالمش گفتم
غلطی گفته‌ام که جانان است
بی ولای علی ولی نشوی
گر ترا صدهزار برهان است
ابن عم رسول، یار خدای
آن خلیفه علی عمران است

یوسف مصر عالمش خوانم
شاه تبریز و میر شاهان است
نه فلک با ستارگان شب و روز
گرد دولت سراش گردان است
دیگران گر خلاف او کردند
لا جرم حالشان پریشان است
واجب است انقیاد او بر ما
خدمت ما بقدر امکان است
حسب و هم نسب بود بکمال
عمل و علم او فراوان است
مهر او گنج و دل چو گنجینه
خان بی گنج، کنج ویران است
هر در کبریای حضرت او

شاه عالم پناه، دربان است
دوستی رسول و آل رسول
نزد مومن کمال ایمان است
باطنا "شمس و ظاهرا" ماه است
نور هر دو بخلق تابان است
رو رضای علی بدست آور
گر ترا اشتیاق رضوان است
یادگار محمد است و علی
نعمت الله که میر مستان است

منقبتِ جنابِ امیرِ المومنین صلواۃ اللہ علیہ

کل مردوں کے جو صاحبِ مردانہ ہیں اس کے شاہ یعنی شاہ مرادان علیؑ ہیں. وہ ولایت مطلقہ کے والی ہیں کُل کائنات کے سلطان ہیں. سید اولیا ہیں. علیؑ ولی ہیں. کل عالمین میں جتنے تن و جان ہیں ان کے ولی ہیں بلکہ ہر تن و جان کی جان علیؑ ہیں. بغیر معرفتِ ولائے علیؑ کے لاکھوں برہان کوئی معنی نہیں رکھتے... وہ علیؑ جو رسولؐ کے چچازاد بھائی ہے یار خدا ہیں. خلیفہ برحق علیؑ عمران ہیں. یوسفِ ..... سے لیکر کل عالم یہی کہہ رہے ہیں. کہ وہ شہنشاہ بھی ہیں اور شاہوں کے امیر بھی ہیں. یہ ستارے شب و روز محض آسمان پہ نہیں بلکہ تیری چوکھٹ کے گرد گردش کرتے ہیں کوئی بھی تیرے خلاف ہوجائے. تو اس کا حال پریشاں ہوجائے.. حسب و نسب منزل کمال پر ہے. عمل و علم درخشاں و فیروزاں ہے.. عارفین کا دل اُن کی ولایت کا خزانہ ہے. ان کی ولایت کے گنج کے بغیر

دل محض ویرانہ ہے. مولا کی کبریائی اور ان کی شہنشائی میں عالم پناہ خود دربان ہے. اسلئے اے شخص دوستی رسولؐ و آلِ رسولؐ مومن کے نزدیک کمال ایمان ہے. کیونکہ باطن میں وہ شمس ہے اور ظاہر میں وہ قمر ہے. نور اعلیٰ نور کی منزل پر تاباں ہے کیونکہ تمام رضایت امام علی رضاؑ کے ہاتھ میں ہے اور یہی میرے اشتیاق کی رضوان ہے. نعمت اللہ امام علی رضاؑ یادگار ہیں محمدؐ و علیؑ کی.. اور میں ان کا مستان ہوں۔۔

نزدیک ما خلیفۂ برحق امام ماست
مجموع آسمان و زمینش مسخر است
مداح اہلبیت بنزدیک شرع و عقل
دنیا و آخرت ہمہ او را میسر است
لعنت بدشمنان علی گر کنی رواست
میکن مگو کہ این سخت بس مکرر است
گوئیکہ خارجی بود از دین مصطفی
خارج مگو کہ خارجی شوم کا فر است

لعنت بر دشمنانِ علیؑ

اس طویل غزل کے چار اشعار کی تشریح درجہ ذیل ہے۔ شاہ نعمتِ اللہ ولی فرماتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک خلیفہ برحق وہی ہوسکتا ہے۔ جو امام ہو۔ آسمان وزمین کے کل مجموعے کو اس نے مسخر کیا ہوا

ہو..مدح اہلبیتؑ بہ نزدیک شرع وعقل دنیاوآخرت میں ہمیں میسر ہے کیونکہ ہم دشمنانِ علیؑ پر لعنت کرتے ہیں.اوراس لعنت کو بار بار مکرر کرتے ہیں.دین مصطفائی میں خارجی کی حیثیت ایسی ہے گویا خارجی کافر ہے.

امیرالمومنین علی علیہ السلام

آن امیر المومنین یعنی علی
و ان امام المتقین یعنی علی
آفتاب آسمان لافتی
نور رب العالمین یعنی علی
شاہ مردان بادشاہ ملک و دین
سرور خلد برین یعنی علی
نام او روح الامین از بہر نام
می نویسد بر جبین یعنی علی
گر امامی بایدت معصوم پاک
می طلب شاہی چنین یعنی علی
گر محمد بود ختم انبیا
ہست بر خاتم نگین یعنی علی

استعانت خواهد از درگاه او
خمت روح الامین یعنی علی
ساقی کوثر امام انس و جان
مصطفیٰ را جانشین یعنی علی
فتح و نصرت داشت در روز غزا
بریسار و برع یمین یعنی علی
عین اول دیده ام در عین او
نور چشم خرده بین یعنی علی
پیشوائی گر گزینی ای عزیز
اینچنین شاهی گزین یعنی علی
مخزن اسرار اسماء اله
نفس خیرالمرسلین یعنی علی
بود با سر نبوت روز و شب
راز دار و هم قرین یعنی علی

دین و دنیا رونقی دارد که هست
کار ساز آن و این یعنی علی
این نصیحت بشنو از من یاددار
دائما میگو همین یعنی علی
ناز دارم بر جمیع اولیا
ز آن ولی نازنین یعنی علی
صورتش در طاوها میخوان که هست
معنیش دریا و سین یعنی علی
دست برده از ید بیضا بروز
معجزه در آستین یعنی علی
معنی علم لدنی بی خلاف
عالم علم مبین یعنی علی
نعمت الله خوشه چین خرمنش
دلنواز خوشه چین یعنی علی

در ولایت اولین اولیا
اولین و آخرین یعنی علی

سرور اولیا علی ولی

جام گیتی نما علی ولی
معنی انبیا علی ولی
در ولایت ولی والا قدر
سرور اولیا علی ولی
ابن عم رسول و دامادش
هست سر خدا علی ولی
بسنان وسه نان گرفته همه
ملکت دو سرا علی ولی
مخزن گنج کنت کنزا اوست
محرم کبریا علی ولی

حضرت مصطفی رسول خداست
خدمت مرتضی علی ولی
هر که در عشق او شود کشته
دهدش خونبها علی ولی
کی گدا از درش شود محروم
چون بود پادشا علی ولی
هر کسی را امام و راهبر یست
رهبر جان ما علی ولی
گر نهی سر بپای فرزندش
دست گیرد ترا علی ولی
نور چشم محققان جهان
دیده بی غطاء علی ولی
غم نباشد زخویش و بیگانه
گر بود آشنا علی ولی

مس قلب اربری بحضرت او
کندش کیمیا علی ولی
نعمت اللہ فقیر حضرت اوست
شاہ ملک غنا علی ولی

''امیر المومنین علی علیہ السلام اور سرورِ اولیا علی ولی''

حضرت شاہ نعمت اللہ ولی اپنی ان دو نظموں میں اسی طرح خطبۃ البیان کی توضیح و تشریح کر رہے ہیں جس طرح مولانا رومؒ نے اپنی غزلیات میں جو کلیاتِ شمس تبریزی میں موجود ہیں کی ہیں. یہاں پر شاہ نعمت اللہ ولی فرما رہے ہیں. مولا علیؑ امیر المومنینؑ، امام المتقین، آفتابِ آسمان لافتی، نور رب العالمین، شاہِ مردان، شہنشاہِ ملک و دین، سرور خولد برین، یعنی روح الامین جن کی جبین مبارکہ پہ علیؑ لکھا ہے. ساقی کوثر امام انس و جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین

یعنی علیؑ جو ابتدا ہی سے فتح و نصرت کا نشان ہیں وہی نگاہِ اول ہیں. جس نے کائناتوں کے تماشوں کو دیکھا. اور وہی عین آخر ہیں. دراصل اسرارِ اسماء الٰہی کے مخزن ہیں کیوں نہ ہوں. محمد مصطفیٰؐ کا نفس ہیں. روز و شب اسرار نبوتؐ کے راز دار ہیں. اور ہر صدی میں دین و دنیا کی جتنی رونقیں ہیں. اس کے کارساز کو علیؑ کہتے ہیں. کل اولیا جس پر ناز کرتے ہیں اس نازنین کو علیؑ کہتے ہیں. کل معجزات کی انتہا علم لدنی کے معنی عالم علم مبین کا مرکز علیؑ ہیں. ان کی ولایت ازل سے ہے. ابد تک جاری و ساری رہیگی حقیقتاً اول و آخری یہی علیؑ ہیں.....

سرورِ اولیا علی ولی

جہاں روز گاہ دنیا کا جام علی ولی ہیں. انبیاء کے معنی علیؑ ولی ہیں. اُن کی ولایت مطلقہ وہ صاحبِ قدرت ہے. کہ وہ کل اولیا کے سرور ہیں یعنی علیؑ ولی. حضرتِ شاہ نعمت اللہ ولی اپنی اس نظم میں مسلسل مولائے کائناتؑ کے خطبہ و البیان کو توضیح و تشریح کر رہے ہیں. اسی لیے فرماتے ہیں کہ ولایت مطلقہ یعنی علی ولی کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو ایک

چھپا ہوا خزانہ تھا. اس کے بزرگ راز دار کو علی ولی کہتے ہیں ہر لوگ اپنے اپنے امام اور رہبر بنا لیتے ہیں. لیکن عارفین کا رہبر یکتا ہے علیؑ ولی ہے. کیونکہ ولایتِ مطلقہ کی بادشاہت کے آگے دنیا کی تمام بادشاہتیں ہیچ ہیں. اگر حضرت محمد مصطفیؐ رسولِ خدا ہیں تو خدمتِ مرتضی علیؑ ولی ہیں. وہ محققین جو عارفین کی نور چشم رکھتے ہیں بلا ن کے لئے ہر طرف علیؑ ولی ہیں. کیونکہ اس منزل کے بعد دنیاوی غم نہیں رہتا. وہم نفس کے غموں کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ وجود آشنا ہو جاتا ہے علیؑ ولی سے اور اگر میرا قلب ان کے نور سے مس ہو جائے. وہ صرف قلب نہیں رہتا بلکہ قلب نور ایماں بنکر نسخہ کیمیا میں تبدیل ہو جاتا ہے. اور نعمت اللہ اس در کا ادنی فقیر ہے جس در کا شہنشاہ علیؑ ولی ہے...

مسند ملک ولایت در حقیقت آن اوست
در حریم عصمتش روح القدس دربان اوست
حقتعالی وصف او فرمود در قرآن تمام
هفت هیکل هر که خواند آیتی درشان اوست
حاکمست اودر ولایت اولیا او را مرید
شاه عالم خوانمش هر کو علی سلطان اوست
یافته حکم ولایت از خدا و مصطفی
هر چه هست از جزئو کل پیوسته در فرمان اوست
روح اعظم جان عالم عقل کل از جان و دل
درامانت این امام انس و جان جانان اوست
گرچه عالم از عطای نعمت الله منعمند
نعمت الله نعمتی شایسته از احسان اوست
نفس خیر المرسلین است آن ولی کردگار
لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار

نفس خیر المرسلین است آن ولی کردگار
لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

حضرت شاہ نعمتِ اللہ ولی نے ان اشعار کی ترکیب میں طویل غزلیں کہی ہیں. اس میں سے چند اشعار کی تشریحات درج ذیل ہیں. در حقیقت ولایت مطلقہ کی اصل مسند یا یوں کہا جائے. مملکت ولایت مطلقہ کی مسند کو مولائے کائنات کہتے ہیں ان کی عصمت کی انتہا یہ ہے کہ ان کا دربان روح القدس ہے. حق تعالیٰ نے جتنے اوصاف نورانیہ قرآن حکیم میں بیان کئے ہیں. وہ ہفت ہیکل کی مانند ہیں. اور یہ آیتیں ہفت ھیکل بن کر مولائے کائنات کی شان بیان کر رہی ہیں. تم ان کی حاکمیت کو جانتے ہو کل اولیا وانبیا ان کے مرید ہیں.
ایسے شاہِ عالم کو علیؑ سلطان کہتے ہیں اس ولایت مطلقہ کا حکم خدا و مصطفیٰ سے ملا ہے. اسلئے کائناتوں میں جزو کل ان سے پیوستہ ہے یعنی مولائے علیؑ کے فرمان سے! روحِ اعظم، جانِ عالم، عقلِ کُل، اور دلِ و

جان کے مالک وہ امامِ انسِ وجان جو تمام مخلوقات کے نفوس کو تصرف میں رکھتے ہیں. بلکہ تمام زندگیوں کے خالق ہیں تمام جانیں ان سے پیوستہ ہیں. ھما اوست ہر جگہ وہی ہیں اور ھما اوست ہر چیز میں وہ ہی ہیں اور کیوں نہ ہوں نفس خیر المرسلینؐ ہیں ولی کردگار ہیں. لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار ہیں.....

خواجہ معین الدین چشتیؒ

شمس الحسن شمس بریلوی اپنی کتاب ''لمعاتِ خواجہ'' میں تقریباً ۳۸۴ صفحات میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حضرت معین الدین چشتیؒ خواجہ غریب نواز کا عارفانہ کلام کسی ملاّ معین حروی کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ (ملاں معین حروی) کا مضمون شاعری محض ایک واعظ ایک خطیب اور ایک مولوی کا انداز رکھتا ہے۔ جس میں عارفانہ جھلک نظر نہیں آتی۔ جبکہ دیوان معین الدین چشتیؒ کا مطالعہ کیا جائے تو ۱۳۰۰ اشعار میں مشکل سے ۸ ، ۱۰ اشعار عظمت اور خطابت پر نکلیں گے ورنہ تمام کلام معرفت وطریقت اور عشق ومحبت کا پر جوش سمندر ہے میرا نظریہ یہ ہے آلِ رسولؐ اور بالخصوص مولا علیؑ سے بغض رکھنے والے افراد مسلسل اس بات کی تکرار کر رہے ہیں کہ خواجہ معین الدین چشتی کا بذات خود اپنا کوئی عارفانہ کلام

موجود نہیں ہے. اس کے برعکس اگر تمام عارفین کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے. تو اس کا تجزیہ صرف دو جملوں میں ہوگا. کہ مولا علیؑ اولیا کے سر کا تاج ہیں خاتمِ ولایت ہیں اور علم طریقت کے تمام سلسلے اس ولایت مطلقہ پہ جا کے ختم ہوتے ہیں اور خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بڑی قد آوار ہستیاں عشقِ مولاؑ میں فنا ہو کر بقائے دائمی کی شکل اختیار کر گئیں ہیں.. اس لئے مولا علیؑ کی ولایت مطلقہ نہ کبھی شیعہ مذھب کا حصہ رہی اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی دوسرے محدود فرقے کا. کیونکہ ولایتِ مطلقہ کے لامحدود کمال میں محدویت کا عنصر شامل نہیں ہوسکتا. یعنی لامحدود محدود میں ظہور نہیں کر سکتا. ھاں اگر محدود کو اپنی بقا چاہیے. تو وہ لامحدود ہی میں فنا ہو کر فنا در بقا کی منزل پر پہنچ جائے. شمس الحسن شمس بریلوی لمعات خواجہ کے صفحہ نمبر ۲۳۰ پر رقمطراز ہیں. کہ حضرت معین الدین چشتیؒ نے حضرت علیؑ کی پیروی میں شاعری کو اپنے جذباتِ قلبی وادواتِ محبت

اور مشاہداتِ حقیقت کا ذریعہ بنایا..آپ صاحبِ دیوان تھے جس سے اعلیٰ مقاماتِ معرفت کا ثبوت ملتا ہے آپ کا دیوان فارسی میں ہے.آپ کی بلند پایہ رباعی سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی شان میں اسقدر مقبول ہے کہ عوام بھی جو فارسی زبان کی معمولی استعداد بھی نہیں رکھتے ہیں اس رباعی کا مفہوم ضرور جانتے ہیں در حقیقت اگر خواجہ بزرگ اس رباعی کے سوا ایک شعر نہ کہتے تب بھی یہ رباعی فارسی شاعری میں ان کے بلند مقام کی دلیل ہوتی.اس رباعی کا اعجاز،ایجاد واقعات کربلا کے تمام لٹریچر پر بھاری ہے ایسا محسوس ہوتا ہے..کہ دریا کو کوزے میں نہیں بلکہ دریاؤں اور سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے....

رباعی

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

ای ز شرم روی ماهت در عرق غرق آفتاب
وزفروغ ماه رخسارِ تو ماه اندر نقاب
آفتاب از خاکی راهت یافت حشمت لاجرم
در فضای آسمان زد خیمه زرین طناب
گر زانوار رخت یک شعله تابدبر فلک
از حیا مستور گردد آفتاب اندر نقاب
نور حق است آن مجسم گشته در ذات بنی
همچو نور ماه کز خورشید کرده است اکتساب
نقره خنگ چرخ را ازمه کشد زرین لگام
در شب اسرا چو آرد پای همت در رکاب
از فلک بگزر که فوق العرش منزل گاه اوست
چون کند عزم سفر ایخواجه عالی جناب
سرِّما اوحیٰ نگنجد در ضمیر جبرئیل
کشف اسرا لدنّی کی کندامّ الکتاب

در مقام لی مع اللّٰه از کمال اتصال
از خدا نبود جدا همچوں شعاع از آفتاب
از محمدؐ دیده باید فرض کردن در بهشت
چوں که بیروں آیدا نوار تجلی از حساب
یا رسول اللّٰه شفاعت از تو میدارم امید
باوجود صد هزاران جرم در روز حساب
اندراں روزی که بهر انتقام عاصیاں
آتشِ دوزخ برافروز و علم از التهاب
در خیال من نمیگنجد تمنا ی بهشت
دارم از فضلت امید رستگاری از عذاب
هرچه خواهی با معینی بیش براز مهرو لطف
لیکن از در گه مراں واللّٰه اعلم بالصواب

عشقِ ولایتِ مطلقہ

حضرت معین الدین چشتیؒ مولائے کائنات کے عشق میں فنا ہو کر انکی ولایتِ مطلقہ کے اسرار و رموز کو اس غزل میں اسطرح بیان فرماتے ہیں اے میرے محبوب اے میرے معشوق تیرے حسن کے آگے آفتاب غرق ہو گیا.. اُسکی روشنی ماند پڑ گئی شرمندہ ہو گیا. اور تیرے رخساروں کے فروغ سے انکی چمک سے مہتاب نے اپنا منہ نقاب سے چھپالیا.. آفتاب کو تیرے قدموں کی مقدس خاک سے وہ فروغ اور شان حاصل ہوا ہے کہ وہ آسمان کی فضا میں سنہری رسیوں کا خیمہ لگائے ہے اگر تیرے انوار اور رخسار کا اک شعلہ آسمان پر چمک جائے تو شرم سے آفتاب اپنا منہ نقاب میں چھپالے.. مولا علیؑ وہ نورِ حق ہیں جو ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجسم ہو کر نمودار

ہوے. جسطرح ماہتاب اپنی روشنی سورج سے اکتساب کرتا ہے.
یعنی اس شعر میں حضرت معین الدین چشتیؒ سے سورہ الشّمس کی
عارفانہ تفسیر کردی ہے.....

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۲ وَ
النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۳ (سورۃ الشّمس)

ترجمہ: قسم ہے اس سورج کی اور قسم ہے اس کی روشنی کی اور چاند کی
جب اس کے پیچھے نکلے اور دن کے جب اسے چمکا دے... سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کیا اللہ رب العزت کسی ناقص وجود کی قسم کھاتا ہے
وہ کیسے کسی محض سورج کی قسم کھائے گا. جو اس کی مخلوق ہے جو مشرق
سے طلوع ہو کر مغرب میں ڈوب جاتا ہے. اللہ ڈوب جانے والی
چیز کی قسم نہیں کھاتا....

والشمس واضحھا سے مطلب نورِ محمدؐ کی قسم جو ڈوب نہیں سکتا. اور اس چاند کی قسم جو نفسِ رسولؐ ہے. جس پر نور نبوت اور رسالت کی کرنیں پڑ رہی ہیں جو اسکا آئینہ ہے جو ولایتِ مطلقہ پر فائز ہے. حضرت معین الدین چشتی فرماتے ہیں کہ آسمان کا یہ سبزہ (سبز گھوڑا) جو زریں لگام لگائے ہوئے ہے. اسلئے کہ اس نے شب معراج نعمت کا پاؤں رکاب میں رکھا تھا. اور پھر آسمان کا کیا ذکر میرے مولاؑ کی منزل تو عرش سے بھی بڑی ہے..

جب ان عالی جناب نے بظاہر سفر کا قصد فرمایا تو اس منزل پر اسرارِ وحی الٰہی کا راز حضرتِ جبریل علیہ السلام کی سمجھ سے بھی بالاتر تھا. یعنی اسرار علم الدنی کا انکشاف محض ام الکتاب تک محدود نہیں رہا. یعنی منزل کعبہ تو نہیں، پر کمال قرب کی تصویر یہ تھی اور یہ عالم تھا کہ جسطرح شعاع آفتاب سے جدا نہیں ہے اسی طرح میرے رسولؐ اور مولا علی شمس وقمر بن کر اللہ سے جدا نہیں ہیں اب اس کے

مشاہدے کے لئے محمد مصطفیٰؐ کی نگاہیں چاہیں یعنی رسولؐ اللہ کے نور کا مشاہدہ ولایت مطلقہ کی آنکھ سے ہوگا....اور ولایت مطلقہ کا مشاہدہ رسول اللہ کی چشم مبارک سے ہوگا...اور رسالت و ولایت ہی مشاہدہ خداوندی کر سکتے ہیں. ہر کس و ناکس کی یہ جرات کہاں کہ وہ اس بہشت انوار الہیہ بے حجاب کا مشاہدہ کر سکے. اے اللہ کے رسولؐ مجھے آپؐ سے شفاعت کی امید ہے باوجود یہ کہ لاکھوں جرم میرے حساب میں موجود ہیں. اور روزِ محشر جب گہنگاروں کے لئے جہنم کی آگ شعلے بلند کریگی. تو اس منزل پر بہشت کی تمنا کا گزر بھی میرے خیال میں نہیں ہوتا. مجھے تو عذاب سے نجات کی امید آپ کے فضل و کرم سے ہے الٰہی اپنے لطف و کرم سے معین کے ساتھ جو چاہئے کر پس اس کو اپنی بارگاہ سے محروم نہ رکھنا تو سب کے راز جاننے والا ہے یعنی بات واضع ہوئی. کہ اللہ کی بارگاہ بجتی ہے ولایتِ مطلقہ کے نور سے.....

من شراب عشق را پیمانه ام اے عاشقاں
آں پری را دیدم ودیوانه ام اے عاشقاں
زاں فسوں کا ن لب بگو شم خواند درروزازل
در ز بانہاتا ابدافسانه ام اے عاشقاں
گفتتمش بنمای رخ گفتا که دیدار مرا
دیده بایدورنه من پنہاں نه ام اے عاشقاں
من چوحسن بنگر اندر چهره بت دیده ام
بعد ازیں سربر دربتخانه ام اے عاشقاں
جذبه نور جمالش میکشد سوی خودم
گوئیا او شمع ومن پروانه ام اے عاشقاں
اندریں کا شانه ویرانه کے منزل کنم
من که باشاه جہاں هم خانه ام اے عاشقاں
بادل اشکسته گفتم تو کجا و او کجا

گفت او گنج ست ومن ویرانه ام اے عاشقاں
تن چو بحر و دل صدف دلبر چو دُرپندا شتم
نی که او بحر ست ومن دردانه ام اے عاشقاں
تاتنم دل گشت و دل جاں گشت وجانِ جانانه شد
نی تنم نی دل نه جاں جانا نه ام اے عاشقاں
گرمیان ماوساقی صد هزاراں پرده است
میدراند نعره مستانه ام اے عاشقاں
تا معین گشت آشنا با یار خودایدوستاں
من دگر اندرمیاں بیگانه ام اے عاشقاں

عاشقوں سے خطاب

اے عاشقوں میں شراب عشق کا ایک پیالہ ہوں. میں نے جب سے اس عشق کی پری کو دیکھا ہے. اس کا میں دیوانہ ہوں. وہ فسوں جوان لبوں نے ازل کے دن میرے کان میں پھونکا تھا. اس کی بدولت اے عاشقوں میں ابد تک عشق کی افسانہ سازی کرتا رہونگا...

میں نے جب اپنے معشوق سے کہا اے میرے محبوب اپنا دیدار دیکھا دے... تو معشوق نے کہا میرے دیدار کے لئے آنکھیں درکار ہیں اے عاشقوں میں اس منزل پر کہاں پہناں ہوں. میں نے بت میں بت گر کا جمال دیکھا ہے پس اب اے عاشقوں میرا سر اسی بت خانے کے در پہ رہیگا.... اس کے نور جمال کی کشش خود مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے. گویا وہ شمع ہے میں پروانہ ہوں اے عاشق میں اس اجڑے ہوئے کاشانہ میں کیسطرح قیام کروں میں

جہاں کے بادشاہ کے ساتھ ہم خانہ ہوں اے عاشقوں میں نے اپنے دل شکستہ سے کہا تو کدھر ہے محبوب کہاں ہے تیرا مقام کیا ہے محبوب کا مقام کیا ہے. تو دل نے میرے جواب دیا. کہ میں ویرانہ ہوں وہ خزانہ ہے اور خزانہ تو ویرانے میں ہی ہوتا ہے جسم بحر کی اور دل صدف کی طرح اور دلبر موتی کی مثال نہیں بلکہ وہ معشوق بحر ہے اور میں اس بحر میں دردانے کیطرح جب سے دل جسم سے اور دل جان سے اور جان جانان نہ بنا ہے تب سے عاشقوں! نہ تن ہے نہ جسم ہے نہ محبوب ہے اگر چہ ہمارے اور ساقی کے درمیان ہزاروں پردے نہیں لیکن میرا مستانہ نعرہ اے دوستوان تمام پردوں کو چاک کر دیتا ہے...

اے دوستوں جب سے معین اس دوست سے آشنا ہوا اس وقت سے عاشقوں دوسرے تمام لوگوں سے بیگانہ ہو گیا.....

آتشی افروختِ عشق و جسم و جان من بسوخت
گفتم آهی بر کشم کام وزبان من بسوخت
آتشِ دوزخ ندارد تابش سوزِ فراق
آه ازین آتش که پیداؤ نهانِ من بسوخت
نارِدوزخ گرچه سوز د پو ستهای عاصیان
آتش هجر انش مغز استخوانِ من بسوخت
نعمتِ هر دو جهان باعافیت میخواست دل
آتشِ عشق آمد و هر دو جهان من بسوخت
دنیا و عقبی بر فت و عشق مولیٰ ماندوبس
سطوتِ نورِ تجلی این و آنِ من بسوخت
اهلِ عقبیٰ سود بر دو طالبِ دنیا زیاں
گرمئی بازار او سود و زیان من بسوخت
تشنه دیدار یارم در بیابانِ طلب

کا تش ین تشنگی روح دروانِ من بسوخت
چون نشانِ بی نشانی دررہ گم نامی ست
برق استغنا ازاں نام و نشان من بسوخت
چونکه درِ مرآتِ جاں دیدار جاناں شد عیاں
ظلمتِ تن در ظهورِ نور جانِ من بسوخت
صد هزاراں پرده بوداندر میانِ ماو دوست
جمله ازیک شعله آه و فغان من بسوخت
گر معینی پیش ازیں گفتی ز حسنش شمهٔ
این زماں نور رخش شرح و بیان من بسوخت

صرف عشقِ مولاؑ باقی رہیگا

اے میرے معشوق تو نے عشق کی کیسی آگ لگائی ہے میرے جسم و جان کو پھونک ڈالا ہے میں نے کہا کہ میں آہ کرونگا لیکن میرا تو کام وزبان سب جل گئے. سوز وفراق عشق کی تپش کے سامنے آتشِ دوزخ بھی کچھ نہیں ہے. ارے اس عشق کی آگ نے میرے ظاہر و باطن کو پھونک ڈالا. دوزخ کی آگ تو صرف گہنگاروں کا ظاہری جسم صرف پوست کو جلاتی ہے لیکن عشق کی آگ نے تو میری ہڈیوں کو پھونک ڈالا. دونوں جہاں کی نعمتوں کو عافیت کیساتھ دل ڈھونڈتا رہا تھا. کہ یکا یک عشق کی آگ نے دونوں جہاں بھسم کر ڈالے. دنیا وعقبا سب ختم ہوئے. صرف عشق مولا باقی رہ گیا نورِ تجلی کے دب دبے اور عظمت اور شکوئے نے ہر یہ اور وہ کو جلا ڈالا.....

اہل عشق کو فائدہ ہے اور طالب دنیا کو نقصان لیکن کیا کروں. بازارِ

محبت کی گرمی میں میرے لئے سوز وزیاں کا قصہ ہی نہیں رہا. میں بیابان طلب میں معشوق دیدار کے لئے تشنہ ہوں. یہ آگ وہ ہے جس نے جسم وروح کو پھونک ڈالا. جب بے نشانی کا نشان گمنامی کی راہ میں پایا جاتا ہے. تو بے نیازی کی برق نے میرے نام و نشان کو جلا دیا. کیونکہ میرے اس محبوب کا دیدار جان کے آئینہ میں ہوگا....اس لئے اس محبوب کے ظہور کے لئے میں نے جسم کی ظلمت کو فنا کر دیا. ہمارے اور محبوب کے درمیان ہزاروں پردے حائل تھے...میری آہ وفغاں کے شعلے نے سب کو جلا ڈالا. اس سے قبل تو معین نے اس محبوب کے حُسن کی کچھ تشریح کی تھی. اب اس کے نورِ رخسار نے میری قوتِ شرح وجہاں کو جلا ڈالا....

یارب به حق سید کونین مصطفیؐ
آن شافع معاصی و آن منبع عطا
یارب به حق شاهؑ نجف آنکه آمده
در شانِ او تبارك و یٰسین و هل اتیٰ
یارب به سوز سینه و افغانِ فاطمهؑ
یارب به آه و نالهٔ آن سرورؑ النسا
یارب به حرمت دلِ صد پاره حسنؑ
آن بادشاه جمله آفاق مجتبی
یارب به حرمت جگر تشنه حسینؑ
یارب به حق خونِ شهیدانِ کربلا
یارب به حق عابدؑ و باقرؑ امام دیں
یارب به حق جعفرؑ و هم موسیؑ رضاؑ
یارب به حرمتِ تقیؑ و عزتِ نقیؑ

یارب به حق عسکریؑ آن شاه پیشوا
یارب به حق مهدیؑ هادی ایں ذات او
مانند مصطفیؐ است مولا و مرتضیٰؑ
یارب به حق جملہ رسولانؑ خویشتن
یارب به حق جملہ ارواح اولیاء
یارب به عشق پاك به معشوق بے نیاز
یارب به آه و نالہ عشاق بے نوا
دارد معین امید در آں دم ز لطف خود
بخشی ورا به شاه شہیدانِ کربلا

حمد

یارب سید کونین حضرت مصطفےٰؐ کے طفیل سے جو گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے اور عطا کا سرچشمہ ہیں.. یارب! شاہ نجف کے طفیل میں جن کی شان میں سورہ تبارک ویسین وھل اتی نازل ہوئے.... یارب حضرت فاطمہؑ کے سوز دل اور گریہ و زاری کا واسطہ. یارب سیدۃ النسا فاطمہؑ زہرا کے آہ و نالہ کا واسطہ... یارب حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ کے دل صد پارہ کی حرمت کا واسطہ جو تمام آفاق کے بادشاہ ہیں.... یارب امام حسینؑ کی تشنگی جگر کی حرمت کا واسطہ یارب جملہ شہدائے کربلا کے خون کا واسطہ.... یارب حضرت امام زین العابدینؑ اور امام باقرؑ کا واسطہ. یارب امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ و علی رضاؑ کا واسطہ... یارب حضرت امام محمد تقیؑ کی حرمت اور امام علی نقیؑ کی عزت کا واسطہ اور اس سردار پیشوایاں حضرت امام حسن عسکریؑ کا واسطہ... یارب اس ہادی برحق

امام مہدیؑ کا واسطہ جن کی ذات مثلِ حضرت محمد مصطفےٰؐ سب کے مولا اور صاحب ارتضا ہے.... یارب تیرے تمام رسولوں کا واسطہ یارب تیرے جملہ اولیا کی ارواح کا واسطہ... یارب بے نیاز معشوق کی پاک محبت کا واسطہ یارب بے سروسامان عاشقوں کی آہ وزاری کا واسطہ... یارب معین تیرے لطف وکرم کا امیداوار ہے. عرصہ محشر میں شاہ شہیداں کربلا کے صدقہ میں بخش دے..

بابا بلّھے شاہ

بابا بلّھے شاہ کا شمار عارفین کے اس گروہ سے ہوتا ہے جو وحدت الوجود کا قائل ہے. دیگر عارفین کی طرح ان کے کلام میں بھی ولایت مطلقہ کی معرفت اور مولائے کائنات سے عشق واضح نظر آتا ہے ان کے پیرو مرشد حضرت شاہ عنایت آرائیں سے ان کا روحانی رشتہ سالک اور عارف کا ہے. بابا بلھے شاہ نے بحیثیت سالک اس مردِ عارف یعنی شاہ عنایت آرائیں سے روحانی فیض حاصل کیا. بابا بلھے شاہ کے اطراف کا ماحول مذہبی انتہا پسندی پر مبنی تھا. اور بابا بلھے شاہ فقراء کی طرح اس مذہبی انتہا پسندی سے بیزار تھے اور اتنے بیزار تھے کہ وہ اپنے کلام میں کہتے ہیں کہ:

مینوں عشق ھلارے دیندا
منہ چڑھیا یار بلیندا
کتے شیعہ اے کتے سنی اے
کتے جٹا دھاری کتے منی اے
میری سب سے فارغ کنی اے
جو کہاں سو یار منیندا

کلام میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

ھندوناں نہیں مسلماں
ھیلے ترنجن تج ابھمان
سنی ناں نہیں ھم شیعا
صلح کل کا مارگ لیا

بابا بلھے شاہ سے منسوب واقعہ جس کا تذکرہ ہم یہاں ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ولایت مطلقہ کی معرفت محتاج حسب ونسب نہیں ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ بابا بلھے شاہ کے گھر والے بابا بلھے شاہ کو بار بار طعنہ دیتے تھے کہ بلھے تو سید ہے اور سید ہو کر شاہ عنایت آرائیں کا مرید ہے۔ سید بادشاہ تو کسی کا مرید ہوتا نہیں یعنی اطراف کے لوگوں کی یہ کوشش تھی کہ اس بندہ سالک پر انا پرستی غالب آجائے اور فقیری چولے کو چھوڑ کر نفس کی ہوا و ہوس کا غلام ہو جائے۔ ظاہر ہے بار بار اس تکرار سے کہ تو سید ہے اور شاہ عنایت آرائیں کا مرید ہے بابا بلھے شاہ سوچنے پر مجبور ہوئے جیسے ہی یہ سوچ شروع ہوئی جو روحانی طاقتیں ان کے پیرو مرشد شاہ عنایت نے ان کو دی تھیں۔ وہ ان سے چھن گئیں اسی دوران وہ اپنے پیرو مرشد شاہ عنایت آرائیں کی دہلیز پر گئے پیرو مرشد کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے شاہ عنایت آرائیں نے پوچھا

کون ہے .تو حضرت بلھے شاہ نے کہا سرکار بلھا تو شاہ عنایت آرائیں نے جواب دیا کہ اب تو بلھا نہیں بلُھیا ہے یعنی پیر و مرشد ناراض ہو گئے .اب بابا بلھے شاہ اس فکر میں رہے کہ پیر و مرشد کو راضی کس طرح کیا جائے .شاہ عنایت آرائیں رقص کے شوقین تھے تو بابا بلھے شاہ نے ایک رقص کرنے والی کے ہاں ملازمت کی اور اس سے گزارش کی کہ مجھے رقص سکھاؤ. بابا بلھے شاہ نے رقص سیکھا اور پیر و مرشد کے حضور رقص کر کے اس بات کی معافی مانگی جس بات سے ان میں ''میں'' اور انا آ گئی تھی اور انہوں نے یہ کلام فرمایا.....

میری عقل بھلی نال موھانیاں دے گئیا
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا
ایں عشق دی جھنگی وچ مور بولیندا

سانوں کعبہ تے قبلہ پیار ایار دسیندا
سانوں گھائل کر کے پھر خبر نہ لئیا
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

.....

گر جو چاہے سو کردا اے
میرے گھر وچ چوری ہوئی
سُتی رہی نہ جاگیا کوئی
میں گر پھر سوجھی ہوئی
جو مال گیا سو تردا اے
گر جو چاہے سو کردا اے
پہلے مخفی آپ خزانہ سی
او تھے حیرت حیرت خانہ سی
پھر وحدت دے وچ آناسی
گل جزدا مجمل پردا اے
گر جو چاہے سو کردا اے
کن فیکون آوازہ دیندا
وحدت وچون کثرت لیندا

پہن لباس بندہ بن بہندا
کر بندگی مسجد دڑ دا اے
گر جو چاہے سو کردا اے
روز میثاق الست سنادے
قالو بلیٰ اشہدنا چاہوے
پر کجھ اپنا آپ چھپادے
اوہ گن گن دستاں دھردا اے
گر جو چاہے سو کردا اے
گر اللہ آپ کیندا اے
گر علی نبی ہو بہیندا اے
گھر ہر دے دل وچ ریندا اے
اوہ خالی بھانڈے بھردا اے
گر جو چاہے سو کردا اے

بلّھا شوہ نوں گھر وچ پایا
جس سانگی سانگ بنایا
لوگاں کولوں بھیت چھپایا
ادہ درس پرم دا پڑھدا اے
گر جو چاہے سو کردا اے

وہ جو کچھ چاہتا ہے وہ کرتا ہے میرے گھر میں چوری ہوئی میں سویا رہا کوئی جاگا نہیں..

بابا بلھے شاہ اپنے عارفانہ کلام میں فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور انسان بے بس ہے یہ ان معنوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے کہ وہ نبیؐ اور علیؑ کی صورت میں پہچانا گیا ورنہ انسانی نفس ایسا ہے اگر وہ دنیا میں مدہوش ہے اس کے نفس کے گھر

میں کوئی چوری ہو جائے اگر وہ دنیاوی خوابوں میں مست ہے تو وہ سوتا ہی رہیگا لیکن اگر اس کا ظاہری مال چلا جائے اور باطن کے خزانے بچے رہیں تو یہ سودا گھاٹے کا سودا نہیں نفع کا سودا ہے وہ اللہ رب العزت جو مخفی خزانہ تھا اور اس مخفی خزانے میں حیرت ہی حیرت تھی پر اس حیرت کے درمیاں وحدت بن کہ اس نے ظہور کیا اور جز پر مکمل پردہ تھا۔ کن فیکون کی منزل پر وحدت بکھر کر کثرت میں تبدیل ہوگئی کہیں یہ کثرت مثل بشر سامنے آئی کیونکہ قرآنِ حکیم میں کل ارواح سے جو میثاق لیا گیا جسکو الست بربکم بھی کہتے ہیں یعنی کل کثرت نے اس وحدتِ مطلق کی گواہی دی اس کے بعد کچھ اسرار و رموز پوشیدہ رہے۔ پردہ غیب سامنے آ گیا مختصر یہ کہ اللہ کی ولایتِ مطلقہ کا ظہور علیؑ اور نبیؐ کی شکل میں سامنے آیا بابا بلھے شاہ فرماتے ہیں کہ یہ ولایتِ مطلقہ انسان کے قلب میں موجود ہے اور ولایتِ مطلقہ کے نور سے قلبِ نورانیہ کے خالی برتن بھر جاتے

ہیں..

بلھا نے اپنے مولا کو اپنے دل کے گھر میں پایا اور میں نے یہ راز چھپا کر رکھا ہے یہ درسِ عشق ہے جو میں پڑھ رہا ہوں اللہ رب العزت جو چاہے کرتا ہے.....

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کا بہت سا کلام غیر مطبوعہ ہے جو آج بھی سینہ بہ سینہ فقراء و درویش کے پاس موجود ہے سلطان باھو کے پنجابی کلام میں ہر مصرعے کا اختتام لفظ ھُو کیساتھ ہوتا ہے جبکہ یہ قدیم دوریشی نعرہ ہے یاھو.... حضرت سلطان باھو کا فارسی کلام جو غزلیات پر مشتمل ہے ان کے مصرعوں کا اختتام لفظ ھُو پر نہیں ہے مجموعی طور پر پنجابی اور فارسی کلام میں ظاہر پرست ملاّ پر شدید تنقید کی گئی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عارفین اور ملاّ کی کبھی نہیں بنی یعنی فقراء کا راستہ جدا مولوی کا راستہ جدا ہے...

کلمیں دی کل تداں پیوسے جداں مرشد کلماں دسیاھُو
ساری عمر وچ کفر دے جالی بن مرشد دے دسیاھُو
شاہ علی شیر اللّٰہ وانگٹن وڈھ کلمیں کفر نوں سٹیا ھُو
دل صافی تاں ھووے باھُو جاں کلماں لوں لوں رسیاھُو

سلطان باھُو کلمے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کلمہ وہی صحیح ہے جس کا درس عارف کو اس کا پیر و مرشد دیتا ہے کیونکہ بغیر مرشد کے ساری عمر انسان کفر میں گرفتار رہتا ہے. شہنشاہِ مولا علیؑ نے کفر کے کلموں کو نکال کر پھینک دیا. اور قلب انسانی کی صفائی اسوقت ہوگی جب اس کے اندر وہ کلمہ آہستہ آہستہ سرایت کر جائیگا. جس کلمے کی بنیاد شہنشاہ علیؑ جو اللہ کے شیر ہیں انہوں نے رکھی ہو. یعنی مولا علیؑ کے بغیر کلمہ کفر کی مانند ہے....

جے کر دین علم وچ ھو ندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھُو
اٹھاراں ھزار جو عالم آھا اوہ اگے حسینؑ دے مردے ھُو
جے کجھ ملا حظ سرور ﷺ ادا کردے تاں خیمے تمبوَ کیوں سڑدے ھُو
جیکر مندے بیعت رسولی تاں پانڈ کیوں بند کردے ھُو
پر صادق دین تنہاں دے باھُو جو سر قربانی کردے ھُو

اگر دین کا علم ہوتا اور دین علم کیساتھ ہوتا تو پھر نیزے پر سر کیوں چڑھتے اٹھارہ ہزار نام نہاد عالم کیوں نہیں مولا حسینؑ کے آگے مرتے. حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاس ہوتا تو اہل

بیت کے خیمے کربلا معلیٰ میں کیوں جلتے اگر ان کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کا خیال ہوتا تو یہ مسلمان کربلا میں پانی کیوں بند کرتے. مولا حسینؑ دینِ صادق کی طرح تنہا تھے باھو جنہوں نے اپنا سر قربان کر دیا....

نفل نمازاں کم زنانہاں روزے صرفہ روٹی ھُو
مکے دے دل سوئی جاندے گھروں جنہاں تروٹی ھُو
اچیاں بانگاں سوئی دیون نیت جنہاں دی کھوٹی ھُو
کی پرواہ تنہاں نوں باھُو جنہاں گھر وچ لدھی بوھٹی ھو

یہ نفل اور نمازیں زنانہ کام ہیں اور روزہ صرف روٹی کا سرفہ ہے مکہ کی طرف وہی لوگ جاتے ہیں جو گھر سے فارغ ہیں اور اونچی اذانیں وہی لوگ دیتے ہیں جن کی نیتوں میں کھوٹ ہوتا ہے فقراء کو کیا پروا ہے اے باھو تو تنہا ہے کیا پرواہ ہے تیرے دل کے گھر میں معرفت ہی معرفت ہے....

حکیم الامت حضرت سر ڈاکٹر علامہ اقبالؒ

حکیم الامت حضرت سر ڈاکٹر علامہ اقبال جدید دور کے عظیم عارف ہیں. علامہ نے اپنے کلام میں جس طرح قلندرِ کبریا کی ذاتِ مبارکہ کی حقیقی تصویر پیش کی ہے. اور وجودِ قلندر کے حقیقی اسرار و رموز سے جو پردہ اٹھایا ہے علمِ عرفان میں وجودِ قلندر کی ایسی تعبیر اور تشریح کسی بھی مردِ عارف نے نہیں کی ہے. علامہ مولا علیؑ اور اہلبیتؑ کے عشق میں فنا تھے ان کے نزدیک آدابِ خود آگاہی، عرفانِ نفس، شعورِ ذات اور فقیری کے تمام سلسلے عشقِ یداللہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں. کیونکہ علامہ کے نزدیک عشقِ حقیقی کا مرکز مولا علیؑ ہیں اس لئے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
داراو سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسدؑ اللّٰہی

علامہ نے متعصب ملاّ ازم رہبانیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تصوف کی پرزور مخالفت کی اور دینِ اسلام کی حقیقی روح یعنی علمِ عرفان کا بھرپور تعارف اپنے کلام میں کرایا. اس لئے متعصب ملاّ اور خود ساختہ صوفی علامہ کے مخالف ہوگئے. علامہ نے اپنے آپ کو مولا علیؑ کا موالی اور رند قرار دیا ہے.

اپنی ایک نظم جو خود انہوں نے اپنے بارے میں لکھی جس کا عنوان تھا ''زہد اور رندی'' جس میں زاہد مولوی صاحب اپنی عبادتوں میں متکبر ہو کر علامہ پر الزامات لگاتے ہیں وہ الزامات درجہ ذیل ہیں:

حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
اقبال کہ ہے قمرئ شمشادِ معانی
پابندی احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیم ہمدانی
سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا

ھے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی
ھے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا
تفضیلِ علیؑ ھم نے سنی اس کی زبانی
رندی سے بھی آگاہ، شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوف کی، تو منصور کا ثانی
اس شخص کی ھم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
ھو گا یہ کسی اور ھی اسلام کا بانی

علامہ کو مولا علیؑ کی ولایتِ مطلقہ کا حقیقی عرفان اس دور کے مردِ عارف علامہ حرویؒ کی صحبت سے حاصل ہوا. اور بلخصوص ان کے روحانی پیر و مرشد مولوی معنوی مولانا رومؒ کے کلام کا مطالعہ اور روحانی فیض، جس نے علامہ پر سے ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرار و رموز کے تمام پردے کھول دیئے.... علامہ مولا علیؑ کے

فلسفہ امامت کو اپنے کلام میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

تو نے پوچھی ھے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ھے وھی تیرے زمانے کا امام بر حق!
جو تھجے حاضر و موجود سے بیزار کرے

علامہ کے اردو اور فارسی کلیات مولا علیؑ اور اہلبیتؑ کی شان میں مناقب وقصائد کثیر تعداد میں موجود ہیں. اور اس کے علاوہ بہت سا کلام جو علامہ کے کلیات میں شامل نہیں کیا گیا وہ باقیاتِ اقبال میں موجود ہے. باقیاتِ اقبال میں علامہ کا وہ کلام ہے جو علامہ نے اپنی زندگی میں لاہور سے نکلنے والے اخبار مخزن میں شائع کروایا....غالباً یہ دور ۱۹۰۳ اور ۱۹۰۵ء کا ہے. باقیاتِ اقبال میں علامہ اپنے عقیدے کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ:

(۱)

آدمی کام کا نہیں رہتا
عشق میں یہ بڑی خرابی ہے
لن ترانی بھی طُورِ سوزی بھی
پردے پردے میں بے حجابی ہے
پوچھتے کیا ہو مذہبِ اقبال
یہ گنہگار بوترابی ہے

(۲)

تیری شکست ہی منظور تھی اسے اے دل
بنادیا تجھے نازک تر آب گینے سے
جہاں سے پلتی تھی اقبال روح قنبرؓ کی
مجھے بھی ملتی ہے روزی اسی خزینے سے

ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؑ کا نام اقبال!
کہ پیاس روح کی بھجتی ہے اس نگینے سے

علامہ فخر الدین الرازی جو بغضِ اہلبیتؑ میں اپنی ایک مثال رکھتے تھے. ان موصوف کے لئے اقبال فرماتے ہیں:

جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرف حیدرؑ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

یہ نکتہ میں نے سیکھا ابولحسن سے
کہ جان مرتی نہیں مرگ بدن سے

چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے!

علامہ اقبالؒ اپنی فارسی نظم بعنوان درشرح اسرار اسمائے علی المرتضیٰؑ میں ولایتِ مطلقہ کے حقیقی اسرار و رموز بیان فرماتے ہیں.. جس کی عارفانہ تشریح درجہ ذیل ہے.

درشرح اسرار اسمای علی مرتضیٰؑ

مسلم اول شہ مرداں علی
عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ
از ولای دود مانش زندہ ام
در جہان مثل گہر تابندہ ام

نرگسیم وارفتهٔ نظاره ام
در خیابانش چوبو آواره ام
زمزم ار جوشدز خاك من ازوست
می اگر ریزدز تاك من از وست
خاکم و از مهر او آئینه ام
می تو ان دیدن نوا در سینه ام
از رخ او فال پیغمبر گرفت
ملت حق از شکوهش فر گرفت
قوت دین مبین فرموده اش
کائنات آئین پذیر از دوده اش
مرسل حق کردنا مش بوتراب
حق یداله خواند در ام الکتاب
هرکه دانای رموز زند گیست

سر اسمای علی داند که چیست
خاك تاریکی که نام اوتن است
عقل از بیداد او در شیون است
فکر گردون رس زمین پیما ازو
چشم کور و گوش ناشنوا ازو
از هوس تیغ دور و دارد بدست
رهروان رادل برین رهزن و شکست
شیر حق این خاك را تسخیر کرد
این گل تاریک را اکسیر کرد
مرتضی کز تیغ او حق روشن است
بوترابؑ از فتح اقلیم تن است
مرد کشور گیر از کراری است
گوهرش را آبرو خود داری است

هر که در آفاق گردد بوتراب
باز گرد اند ز مغرب آفتاب
هر که زین برمرکب تن تنگ بست
چون نگین بر خاتم دولت نشست
زیر پاش اینجا شکوه خیبر است
دست او آنجا قسیم کوثر است
از خود آگاهی یداللهی کند
از یداللهی شهنشاهی کند
ذات او دروازهٔ شهر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم
حکمران باید شدن برخاك خویش
تامی روشن خودی از تاك خویش
خاك گشتن مذهب پروا نگیست

خاك را ابشو كه این مرد انگیست
سنگ شوای همچو گل نازك بدن
تا شوی بنیاد دیوار چمن
از گل خود آدمی تعمیر كن
آدمی را عالمی تعمیر كن
گر بناز سازی نه دیوار و دری
خشت از خاك تو بندد دیگری
ای ز جور چرخ ناهنجار تنگ
جام تو فریادی بیداد سنگ
ناله و فریاد و ماتم تا كجا؟
سینه كوبیهای پیهم تا كجا
در عمل پوشیده مضمون حیات
لذت تخلیق قانون حیات

خیز و خلاق جهان تازه شو
شعله در برکن خلیل آوازه شو
با جهان نامساعد ساختن
هست در میدان سپر انداختن
مرد خوداری که باشد پخته کار
با مزاج او بسازد روزگار
گر نه ساز دبا مزاج او جهان
می شود جنگ آزما با آسمان
برکند بنیاد موجودات را
می دهد ترکیب نو ذرات را
گردش ایام را برهم زند
چرخ نیلی فام را بر هم زند
می کند از قوت خود آشکار

روزگار نوکه باشد روزگار
در جهان نتوان اگر مردانه زیست
همچو مردان جان سپردن زندگیست
آزماید صاحب قلب سلیم
زور خودرا از مهمات عظیم
عشق باد شود ارور زیدن خوش است
چون خلیل از شعله گلچیدن خوشست
ممکنات قوت مردان کار
گردد از مشکل پسندی آشکار
حربهٔ دون همتان کین است و بس
زندگی را این یک آئین است و بس
زندگانی قوت پیدا ستی
اصل او از ذوق استیلاستی

عفو بیجا سردی خون حیات
سکته ئی در بیت موذون حیات
هر که درقعر مذلت مانده است
ناتوانی راقناعت خوانده است
ناتوانی زندگی رار هزن است
بطنش از خوف ودروغ آبستن است
از مکارم اندرون او نهی است
شیرش از بهرذ مائم فربهی است
هوشیار! ای صاحب عقل سلیم
در کمینها می نشیند این غنیم
گرخرد مندی فریب او مخور
مثل حرباهر زمان زنگش دگر
شکل او اهل نظر نشناختند

پرده ها بر روی او انداختند
گاه او را رحم و نرمی پرده دار
گاه می پوشد ردای انکسار
گاه او مستور در مجبوری است
گاه پنهان در ته معذوری است
چهره در شکل تن آسانی نمود
دله زدست صاحب قوت ربود
با توانائی صداقت توام است
گر خود آگائی همین جام جم است
زندگی کشت است و حاصل قوتست
شرح رمز حق و باطل قوت است
مدعی گر مایه دار از قوت است
دعوی او بی نیاز از حجت است

باطل از قوت پذیر دشأن حق
خویش را حق داند از بطلان حق
از کن او زهر کوثر میشود
خیر را گوید شری شرمی شود
ای ز آداب امانت بی خبر
از دو عالم خویش را بهتر شمر
آز رموز زندگی آگاه شو
ظالم و جاهل ز غیر اللّٰه شو
چشم و گوش و لب کشا ای هوشمند
گر نبینی روه حق بر من بخند

علامہ اقبالؒ اسماء علی المرتضیٰؑ کے اسرار کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مولا علیؑ وہ مسلمانِ اول ہیں جو مردانِ حق کے سردار ہیں اور عشق

کے لئے آپ کی ذات ایمان کا سرمایہ ہے. مجھے ان کے خاندان سے محبت ہے اور ان کا عشق میری زندگی کا سرمایہ ہے اس کی برکت سے میں دنیا میں گوہر کی طرح چمک رہا ہوں. میں نرگس ہوں اور نظارے کے لے بے خود ہوں حضرت علیؑ کے چمن کی کیاری میں خوشبو کی طرح اِدھر اُدھر اڑا پھرتا ہوں اگر میری مٹی سے زم زم ابل رہا ہے تو یہ مولا علیؑ کی برکت ہے اگر میرے انگور کی بیل سے شراب ٹپک رہی ہے. تو یہ بھی مولا علیؑ کی نوازش کا کرشمہ ہے. میں مٹی ہوں مگر حضرت علیؑ کی محبت نے مجھے آئینہ کی طرح روشن اور شفاف بنا دیا ہے. کیفیت یہ کہ میرے سینے سے جو نوا اٹھ رہی ہے وہ بھی جسم کی صفائی اور آئینہ شفاف کے باعث صاف دیکھی جا سکتی ہے مولا علیؑ کی ذاتِ گرامی کا وہ درجہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا چہرہ دیکھ کر فال لیا کرتے تھے ہماری ملت کو جو شان و شوکت حاصل ہوئی وہ انہیں سے لی گئی. مولا علیؑ نے

جو کچھ ارشاد فرمایا اس سے دین اسلام کو قوت حاصل ہوئی دینا کو انکے خاندان سے قانون، آئین اور دستور ملا۔ اللہ تعالی کے پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو ابوتراب کا نام دیا. اور اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں آپ کو یداللہ یعنی اپنا ہاتھ قرار دیا... جو شخص زندگی کے بھید جانتا ہے اسے علم ہے کہ حضرت علیؑ کے لقب اور ناموں میں کیا اسرار ہیں. علامہ فرماتے ہیں مثلاً سب سے پہلے بوتراب کو لیجئے. بے نور مٹی جس کا نام جسم ہے، عقل اس کے ظلم سے آہ وفریاد کر رہی ہے جس فکر کی پرواز آسماں تک ہے اس جسم میں اسے جکڑ کر زمین ناپنے کا گز بنا رکھا ہے آنکھیں اسی کی وجہ سے اندھی اور کان اسی کی وجہ سے بہرے ہو گئے. خدا کے شیر مولا علیؑ نے اس مٹی کو جس کا نام جسم ہے، تسخیر کر لیا.. یہ مٹی بالکل بے نور تھی مولا علیؑ نے اسے اکسیر بنا دیا مولا علیؑ وہ وجودِ مبارکہ ہیں جن کی تلوار سے حق وصداقت دنیا میں روشن ہوئے انہوں نے جسم کی ولایت فتح کر لی

اسی وجہ سے ابوتراب کا لقب پایا.... اگر انسان مولا علیؑ حیدر کرّار میں فنا ہو جائے تو اس کے اندر کرّاری کے جوہر پیدا ہو جائیں گے یعنی اس کے عزم میں استواری اور عمل میں استقلال و استقامت کمال پر پہنچ جائے گی... یہی کرّاری بندۂ عارف میں خودداری کی دلیل ہے اور خودداری ہی کی برکت سے اس کے گوہر کی آبرو قائم ہے. یعنی جس بندۂ عارف نے اس دنیا میں اپنے جسم اور ہوا و ہوس پر قابو پا لیا وہ بندۂ بوتراب بن جاتا ہے. اسی لئے بوتراب وہ ہیں جو مغرب سے سورج کو لوٹا دیتے تھے. جس نے اپنے جسم کے گھوڑے پر زین کس لیا وہ نگین کی طرح سلطنت کی انگشتری میں پیوست ہو گیا یعنی سلطنت کا مالک بن گیا... خیبر کی شان و شوکت اس دنیا میں مولا علیؑ کے پاؤں کے نیچے تھی اور اگلی دنیا میں اللہ تعالی نے انہیں حوضِ کوثر کا ساقی بنا دیا.... تا کہ خیرِ کثیر کے اس سرچشمے سے پیالے بھر بھر کر مولا کوثر پلاتے رہیں.... کیونکہ وہ اللہ کا ہاتھ

بن جاتے ہیں اس لئے انہیں کُل کائناتوں کی شہنشاہی مل جاتی ہے ان کی ذاتِ مبارکہ علوم کے شہر کا دروازہ بن جاتی ہے. حجاز، چین، روم سب ان کے زیرِ فرمان آجاتے ہیں. مولا علیؑ نے مردانگی اور حق پرستی کا یہی راستہ دیکھایا ہے کہ انسان اپنے جسم پر حکمران بنے یعنی اسے قابو میں لائے. کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے انگور کی بیل سے مصفاّ اور روشن شراب پی نہیں سکتا. مولا علیؑ فرماتے ہیں کہ جل کر خاک ہوجانا پروانے کا طریقہ ہے اس لئے اپنے آپ پر قابو رکھ یہی مردانگی کا شیوہ ہے. تیرا بدن پھول کی طرح نرم و نازک ہے یہ نرمی اور نزاکت تیرے کس کام کی. اپنے اندر سختی پیدا کر کہ پتھر کی شکل اختیار کرتا کہ تو دیوارِ چمن کی بنیاد بن سکے. یعنی پورے باغ کی حفاظت کا فرض انجام دے سکے. اپنی مٹی سے ایک نیا آدم پیدا کر پھر اس آدم کے لئے نئے جہان کی بنیاد رکھ. علامہ فرماتے ہیں کہ تو کب تک نالہ و فریاد کرتا رہے گا کیا تجھے معلوم نہیں

ہے زندگی کا مضمون عمل میں پوشیدہ ہے. اٹھ اور نیا جہاں پیدا کر اور تجھے آتش آغوش میں لے لے تو، تو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی طرح نعرہ حق لگا. علامہ اقبال اسرارِ اسماء علیؑ میں فرماتے ہیں کہ مولا علیؑ کے اسرار سے واقفت حاصل کرو. اور انکے سوا کچھ بھی نہیں ہے. یعنی ان کے سوا جو کچھ ہے اس سے ظالم اور جاہل ہو جا اور اپنے آپ کو صرف مولا علیؑ کے لئے وقف کر دے اے عقل مند! اپنی آنکھ، کان اور لب کھول ان سے صحیح کام لے اگر اس کے باوجود تجھ پر سچائی کا راستہ یعنی معرفتِ ولایتِ مطلقہ آشکار نہ ہو تو میری اس نصیحت کی ہنسی اڑا دینا.....

نوٹ: سپاسِ جنابِ امیر مخزن اخبار میں جنوری ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی اس نظم کے لئے مشہور ہے کہ حضرتِ علامہ ہر صبح اسے پڑھا کرتے تھے..

سپاس جنابِ امیرؑ

اے محِو ثنائے تو زباں ہا
اے یوسفِ کاروانِ جانہا
اے بابِ مدینۂ محبت
اے نوحِ سفینۂ محبت
اے ماحیِ نقشِ باطل من
اے فاتحِ خیبرِ دلِ من
اے سرِ خطِ وجوب و امکاں
تفسیرِ تو سُورہ ہائے قُرآن
اے مذہبِ عشق را نمازے
اے سینۂ تو امین رازے
اے سرِ نبوتِ محمدؐ

اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ
گردوں کہ بہ رفعت ایستا دست
از بامِ بلندِ تو فتادست
ہر ذرۂ در گہت چو منصور
در جوشِ ترانۂ ان الطور
بے تو نتواں باو رسیدن
بے اونتواں بتو رسیدن
فردوس ز تو چمن در آغوش
از شانِ تو حیرت آئنہ پوش
جانم بغلامئ تو خوشتر
سر برزدہ ام زحبیب قنبرؓ
ہشیارم و مست بادۂ تو
چوں سایہ ز پا فتادۂ تو

از هوش شُدم مگر بهوشم
گوئی که نصیری خموشم
دانم که ادب بضبط راز است
در پردۂ خامشی نیاز است
امّا چه کُنم مئ تولّا
تُنداست بروں فتد ز مینها
زا ندیشۂ عاقبت رهیدم
جنسِ غمِ آلِ تو خریدم
فکرم چو به جُستجو قدم زد
در دیر شُدو درِ حرم زد
در دشتِ طلب بسے دویدم
دامان چو گرد باد چیدم
در آبله خار ها خلیده

صد لالہ تہِ قدم دمیدہ
افتادہ گرہ بروے کارم
شرمندۂ دامنِ غبارم
پویاں بۂ خضر سوئے منزل
بردوش خیال بستہ محمل
جویائے مے و شکستہ جامے
چوں صبح بباد چیدہ دامے
پیچیدہ بخود چو موجِ دریا
آوارہ چو گرد بادِ صحرا
وامانده زدرد نا رسیدن
در آبلۂ شکستہ دامن
عِشق تو دلم ربود ناگاہ
از کارِ گرہ کشود ناگاہ

آگاه زهستی و عدم ساخت
بت‌خانهٔ عقل راحرم ساخت
چون برق بخرمنم گزر کرد
از لذتِ سوختن خبر کرد
برباد متاعِ هستیم داد
جامے زمئ حقیقتم داد
سر مست شدم ز پافتادم
چون عکس ز خود جُدا فتادم
پیراهنِ ماه من دریدم
چون اشک زچشمِ خود چکیدم
خاکم بفراز عرش بردی
زاں راز که بادِلم سپردی
واصل بکنار کشتیم شد

طوفان جمالِ ز شتیم شُد
جُز عشق حکایتے ندارم
پروائے ملامتے ندارم
از جلوۂ عام بے نیازم
سوز م. گر یم. تپم. گدازم

سپاسِ جنابِ امیرؑ

اگر حضرت علیؑ کے محبّ کو ہی شیعہ کہا جاتا ہے تو یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ علامہ اقبال سے سے بڑے شیعہ اور مولا علیؑ کے موالی تھے ان کے لیے آپ کی محبت سرمایۂ ایمان تھی. یہ محبت ترقی کر کے والہانہ عشق بن چکی تھی انہیں جس شدت سے آنحضور صلعم سے عشق تھا بالکل اتنے ہی پر جوش اور سرگرم وہ امیرؑ کے عشق

میں نظر آتے ہیں منقبت کا آغاز ہی ان کے جوشِ عشق کو بطریق احسن ظاہر کرتا ہے فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ذاتِ نورانیہ اور صفات اتنی اعلی وارفع ہے کہ مومنین کی زبانیں آپ کی مدح میں لگی رہتی ہیں سچ پوچھو تو آپ کاروانِ حیات کے لئے گرانقدر سرمایہ ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کو گرانمایہ چیز سمجھ کر ساتھ لے لیا گیا تھا بالکل اسی طرح آپ کی محبت ہر مومن کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے مومنین آپ کی محبت سرمایۂ ایمان سمجھتے ہوئے عزیز از جاں قرار دے کر اپنے دلوں میں محفوظ رکھتے ہیں.

اقبال حضرت علیؑ کو سرمایۂ ایمانِ عشق قرار دیتے ہیں یہاں انہوں نے آنحضور صلعم کو مدینہ محبت گردانتے ہوئے آپ کو محبت کے شہر کا دروازہ کہا ہے ان کے نزدیک حبِ محبوبِ حقیقی کا حصول آپ کے ذریعے سے ہی ممکن ہے وہ آپ کو محبت کی کشتی کے ناخدا بھی سمجھتے ہیں اور اس امر پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ آپ کی اللہ تعالے سے

محبت اس قدر پر خلوص تھی کہ وہ مثالی ہو کر رہ گئی ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ آپ کی اسی مثالی محبت سے بہرہ ور ہونے کے لئے کوشاں رہیں...

اقبال حضرت امیرؑ کو اپنے دل میں ادیان باطل کے نقوش کو مٹانے والا اور اس میں ماسوا کی قلعہ بندیوں کا فاتح قرار دیتے ہیں یعنی صرف فاتح خیبر ہی نہیں بلکہ مومنین کے دلوں کے خیبر کو فتح کرنے والے ہیں. وہ قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ کے دقیق مطالعہ سے اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علی ہی وہ توانا و طاقتور شخصیت ہیں جنہوں نے مسلسل جدوجہد اور پیہم جہاد فی سبیل اللہ سے اثبات دینِ حق کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دیا. بلاشبہ آپ قامعِ کفر و طغیان ہیں چنانچہ اگر آپ کی پیروی کی جائے اور آپ کی ذات ستودہ صفات سے رشتہ محبت جوڑا جائے تو انسان کا دل تمام خواہشاتِ سفلی اور حُب ماسوا سے پاک ہو جائے.

اقبال فرماتے ہیں یا علی المرتضیٰ آپ ذاتِ احدیت و کائنات کے درمیان رابط قائم کرنے والی شاہراہِ مستقیم کی بنیاد ہیں آپ کا بیان قرآنِ کریم کی سورتوں کی طرح محکم اور ہدایت دینے والا ہے سچ ہے کہ امیر علیہ السلام قرآنِ ناطق ہیں اور مسلمانوں کے لئے نورِ ہدایت. آپ نے اپنی ذوالفقار سے دینِ اسلام کو قائم اور ادیانِ باطل کو فنا کیا ہے آپ کی محبت ایمان کی نشانی اور آپ سے عداوت کفر کی علامت ہے حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا. ہم منافقوں کو خدا اور رسولؐ کی تکذیب، نماز سے پیچھے رہنے اور حضرت علیؑ کے بغض سے پہچانتے تھے...

علامہ اقبال کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام مذہبِ عشق کے رکن اعظم ہیں اور ان کا سینہ اسرارِ الٰہیہ کا محفوظ خزینہ ہے درحقیقت ڈاکٹر صاحب حضرت علی علیہ السلام کے عشق خدا و رسولؐ اور خدماتِ اسلامی کی بنا پر اس قدر معتقدِ صادق ہیں کہ وہ راہِ ہدایت

کے ذرائع ہیں انہیں آنحضور صلعم اور ان کی ذاتِ ستودہ صفات کے علاوہ کوئی تیسرا دکھائی ہی نہیں دیتا.

علامہ اقبال حضرت علی علیہ السلام کو آنحضور صلعم کی نبوت کی بنیاد قرار دیتے ہیں تاریخ اسلام اس امر پر شاہد عادل ہے کہ دعوتِ ذوالعشیرہ میں علیؑ نے کارِ نبوت میں نصرت کا اعلان کیا اور آنحضور صلعم کے وزیر، وارث اور بھائی قرار پائے نبوت کے قیام کے لئے آپ نے ہر غزوہ میں جان کی بازی لگائی اور اپنی قوت خداداد سے ادیان باطل کی سرکوبی کی. اقبال آپ کی منقبت کو نعتِ رسول قرار دیتے ہیں سچ ہے پھل کی تعریف درحقیقت درخت ہی کی خوبی کا بیان ہے آنحضور صلعم شجر نورِ ہدایت تھے اور حضرت علی علیہ السلام اس کا پھل تھے یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا ''میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علیؑ اس کا دروازہ ہیں، میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں. جس کا میں مولا ہوں اس کا

یہ علیؑ مولا ہے علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں. اس کا گوشت میرا گوشت اور اس کا خون میرا خون ہے اور جو اس کو دوست رکھتا ہے وہ مجھ کو دوست رکھتا ہے'' علامہ موصوف کے نزدیک آپ کو دولت کدہ چرخ بلند سے کہیں زیادہ رفیع ہیں آپ کی بارگاہ کا ہر ذرہ انتہائی منور ہونے کی بنا پر سرخوشی و سرمستی میں منصور حلاج کی طرح ''ان الطّور'' کا نعرہ لگاتا ہے سچ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام شمع نور ہدایت تھے اور آپ کی درگاہ کا ہر ذرہ ان معنوں میں ''انا الطّور'' کا دعویدار ہے کہ آپ کی تجلی سے سینکڑوں کارہائے نمایاں سرانجام پائے جبکہ طور کی روشنی سے صرف ایک قوم نے ہدایت پائی تھی. علامہ نے انہی مطالب کے ساتھ آنحضور کے لئے بھی فرمایا ہے

طور موجے از غبارِ خانہ اش

بات دراصل یہ ہے کہ علامہ آنحضور صلعم اور حضرت امیرؑ میں بجز نبوت کے کوئی فرق محسوس نہیں کرتے آنحضرت صلعم نے خود فرمایا ہے ''علی تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے ہو مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں'' وہ اس مرکو مسلمہ حقیقت قرار دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ذریعہ آنحضور صلعم تک رسائی ہوسکتی ہے اور آپ تک بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا تا آنکہ وہ آنحضرت صلعم پر ایمان نہ لے آئے. ہر انسان کو ایمان لاکر مسلمان ہونا چاہیئے اور مسلمان ہوکر آپ تک رسائی کرنی چاہیئے الغرض آپ کی پہچان اور آنحضرت صلعم کی معرفت لازم وملزوم ہیں.....

علامہ اقبال حضرت علی علیہ السلام کے حضور میں عرض کرتے ہیں ''یا مولا'' آپ فردوس کی زینت بڑھانے والے ہیں آپ کی شان اتنی ارفع ہے کی حیرت خود تصویرِ حیرت بن گئی ہے میری روح آپ کی ملامی پر شاداں وفرحاں ہے اور میں آپ کے غلام قنبرؓ کے

نورانی دل پر حیرت زدہ وہوں میں ہوشیار ہوں کہ آپ کی محبت کی شراب سے مست ہوگیا ہوں اور اسی سرمستی میں سائے کی طرح آپ کے نقش قدم پر ساتھ ساتھ چلتا ہوں میں بے خود ہوگیا ہوں لیکن درحقیقت ہوش میں ہی ہوں یہ کہیے کہ آپ کا خاموش فدائی ہوں۔ نصیری بول پڑا اور میں خاموش رہا.. میں جانتا ہوں کہ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ رازِ عشق کو افشا نہ کیا جائے کیونکہ نیاز مندی خاموشی میں ہی مضمر ہے لیکن میں کیا کروں کی آپ کی محبت کا جذبہ ہی بہت شدید ہے اور میں مجبور ہوں کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اظہار محبت کر ہی ڈالوں میں نے آپ کی محبت سے از خود رفتہ ہو کر اہل بیتؑ اطہار کا غم خرید لیا ہے اور اس طرح سے اپنی نجات کے سلسلے میں ہر خوف سے رہائی پائی ہے....

ڈاکٹر صاحب کے ان اشعار سے ان کے حضرت علیؑ سے والہانہ عشق کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے آپ کو ہی صرف بزرگ ترین قرار

دیتے ہیں ان کے نزدیک حضرت علیؑ کی محبت ہی محشر میں ہماری نجات کی ضامن ہے۔۔۔۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ''میرے فکر نے تلاش معشوق کے لئے جستجو کے میدان میں قدم رکھا چنانچہ کبھی وہ حصول مقصد کے لئے مندر میں پہنچا اور کبھی در کعبہ کو جا کھٹکھٹایا میں نے جستجو کے جنگل میں بڑی تگ ودو کی اور بگولے کی طرح سے بیابان کو چھان مارا میرے پاؤں کے آبلوں میں کانٹے چبھ گئے اور خون نے زخموں سے جاری ہو کر زمین پر گلِ لالہ جیسے سرخ نشان ہر قدم پر ڈالنے شروع کر دیے لیکن باوجود اس جدوجہد کے میرا مقصد حاصل نہ ہو سکا اور میں سوائے ناکامی کی ندامت کے کچھ بھی حاصل نہ کر سکا میں تو سنِ خیال پر چڑھ دوڑا اور رہبر کے پیچھے منزل کی طرف رواں ہوا۔۔میں ٹوٹا ہوا پیالہ تھامے شراب کی تلاش میں تھا اور میری حالت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ صبح کی، جبکہ وہ نسیمِ سحری سے بے

بہرہ ہو میں نامرادی کی وجہ سے سمندر کی لہر کی طرح مضطرب تھا اور بگولے کی طرح مارا مارا پھر رہا تھا میں آبلوں میں درد کی ناپختگی کی وجہ سے تھک کر ہمت ہار چکا تھا کہ اچانک یا علی المرتضیٰؑ! آپ کے عشق نے میرے دل کو اُچک لیا اور میرا مقصد بر آیا....

علامہ اقبال نے ان اشعار میں حضرت امیر علی علیہ السلام کی دستگیری سے پہلے طلبِ عشق کے سلسلے میں اپنی تمام تگ ودو اور اسی سلسلے میں انتہائی تکالیف برداشت کرنے کا ذکر کیا ہے نیز یہ بھی بتایا ہے کہ ان مصائب کا اختتام حضرت علیؑ کے عشق کی دلربائی کے ساتھ ہی ہو گیا اور انہیں آسودگی حاصل ہوئی.....

علامہ اقبال فرماتے ہیں ''عشق علی المرتضیٰؑ نے جب میری دستگیری کی اور مجھے سرگردانی سے رہائی دلادی تو مجھے حیات وممات سے آگاہ کر دیا اور اس طرح میری عقل کے بتکدے کو بتوں سے پاک کر کے حرم محترم بنا دیا. مجھے سوز وگداز کی لذت سے آشنا کر دیا

میری باطل ہستی کو مٹا کر مجھے شرابِ معرفت کا پیالہ نوش جاں کرایا. جس کے باعث میں سرمست و سرخوش ہو کر لڑکھڑا گیا اور عکس کی طرح سے اپنے آپ سے جدا ہو گیا. چنانچہ مدہوش ہو کر میں نے پیراہن خودی کو چاک کر ڈالا اور آنسو کی طرح میں اپنی آنکھ سے ٹپک پڑا..وہ میری خاک کو عرش کی بلندی تک لے گیا اور اسے میرے دل کے سپرد کر دیا جس کی بنا پر میری روح کی کشتی کنارے لگ گئی اور میری برائیاں بھلائیوں میں بدل گئیں...اب جبکہ عشق نے مجھے مقصدِ حیات پر دسترس دلائی ہے اور میرا نجات دہندہ ثابت ہوا ہے میں سوائے عشقِ علی المرتضیٰؑ کے کوئی کہانی بیان کے لئے نہیں رکھتا اور اس فسانے کے بیان کرنے میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتا میں اب عام معشوقوں کے جلوے سے بے نیاز ہو چکا ہوں اور اب لے دے کر میرا کام میرے معشوق خاص (علی المرتضیٰؑ) کے عشق میں جلنا، آہ زاری کرنا، تڑپنا اور پگھلنا ہی رہ گیا

ہے"۔۔

علامہ موصوف نے "سپاسِ جنابِ امیرؑ" میں جہاں حضرت علی علیہ السلام سے اپنے انتہائی عشق کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کی منقبت میں بھی مدح سرائی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں سچ پوچھئے تو آپ نے اس قصیدے میں تعریفی و توصیفی الفاظ و تراکیب کا ذخیرہ ہی ختم کر دیا ہے اور مطالب کے زیر و زبر کو ایسی خوبی سے کوزوں میں بند کیا ہے کہ مالائے مرد ایدیِ گرانمایہ کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے درحقیقت آپ کا یہ نادر روزگار اور شاہکار قصیدہ اس مقصد کے لیے ہزار ہا ضخیم کتابوں کی تصنیف پر بھاری ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت علی علیہ السلام کی منقبت کا حق ادا کر دیا ہے بلاشبہ آپ کو وزیر و وراثِ رسولؐ، زوجِ بتولؑ، پدرِ حسنینؑ، ناصرِ دین اسلام، قامع ادیانِ باطل، ماحی کفر و طغیان، محی حق و صداقت اسد اللہ الغالب سیدنا علی المرتضیٰؑ علیہ السلام کی

مدح سرائی کا ذریعہ ہے اسے ہی کلام بلاغت نظام کو بنانا چاہیئے تھا.....

علامہ اقبال حجتِ ولایتِ مطلقہ حضرتِ فاطمہ صلواۃ اللہ علیہ کے فرماتے ہیں کہ

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

علامہ اقبالؒ نے جہاں اسلام لانے والے تمام مردوں میں مثالی مومن حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا ہے وہاں تمام مومنہ عورتوں میں حضرت فاطمہ الزہراؑ کو مثالی مومنہ گردانا ہے. مومن کے لے اسوۂ کامل علیؑ ہی ہیں تمام ایمان والی عورتوں کے لئے اسوۂ کامل حضرت فاطمہؑ ہی ہیں درحقیقت آپ کے نزدیک جو تعظیم اس

جوڑے کی ملحوظ خاطر ہے وہ دنیا بھر میں کسی دوسرے جوڑے کے لئے ہرگز روا نہیں ہے آپ نے یہ خصوصی فضیلت جو اس جوڑے کے لئے ضروری قرار دی اس کا واحد سبب آپ کو وہ مطالعہ قرآن و حدیث تھا جب آپ نے احادیث میں حضرت فاطمہؑ کا سیدۃ النساء لعالمین ہونا مرقوم پایا۔ آنحضور صلعم کا فرمان کا ''اِنَّا فَاطِمَۃ بَضْدَۃٌ مِنِّی ''یعنی بے شک فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے مطالعہ کیا چنانچہ ان کی اعلیٰ و ارفع ذات، نمایاں صفات، امتیازی خصوصیات اور خدماتِ اسلامی کی بنا پر انہیں جمیع الناس کے لئے اسوۂ کاملہ قرار دے دیا۔۔

علامہ نے حضرتِ فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کی شان میں نظم فرمائی ہے جس میں آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو عالمِ اسلام کے لئے اسوۂ کاملہ ٹھہرایا ہے۔۔

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز

اقبال فرماتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں مسلمان ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ کی فضیلت کا اقرار اور ان کا احترام ہم سب پر فرض ہے یہی فرض ہمیں حضرت مریم کے احترام اور اعزاز پر آمادہ کرتا ہے ان کے مقابلے میں حضرت فاطمہؑ تین واسطوں کے شرف کی وجہ سے ہمارے نزدیک محترم و معزز ہیں....

نورِ چشمِ رحمتہ للعالمینؐ
آں امامِ اولین و آخریں
آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید
روزگارِ تازہ آئیں آفرید

آپ کے شرف کا سب سے پہلا بزرگ واسطہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں رسول مقبولؐ سید البشر رحمتہ للعالمین اور خاتم النبینؐ ہونے کے باعث دنیا و آخرت ہیں امام الانس ہیں وہ تو وہ اعلیٰ وارفع ذات ستودہ صفات ہیں کہ ان کی منصب نبوت پر سرفرازی سے دنیا کے مردہ جسم میں دوبارہ جان پڑ گئی انہوں نے اس دنیا کی تہذیب وتزئین کے لئے محکم اور خوشگوار قوانین وضوابط ترتیب دیے اور اسے حقیقی معنوں میں جنت الارض کہلانے کا مستحق بنایا۔ چناچہ آپ خیر البشرؐ کی دختر نیک اختر ہونے کی بنا پر احترام اور اعزاز کی مستحق ہیں...

بانوئے آں تاجدارِ ھَلْ اَتیٰ
مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا
بادشاہ و کلبۂ ایوانِ او
یک حسام ویک زرہ سامانِ او

آپ حضرت علی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کی زبانِ حقیقت بیاں کے واسطے سے آپ کے محترم اور برگزیدہ شوہر کو مرتضیٰ یعنی پسندیدہ، مشکل کشا یعنی رزم و بزم کے مسائل کا حلال، اسد اللہ یعنی راہِ حق کا واحد بہادر اور تاجدارِ ھل اتیٰ یعنی سورہ الدھر میں مذکورہ نعمتوں کا مستحق قرار دیا کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مرتضیٰ علیؑ کے گھر میں آئے دیکھا کہ حضراتِ حسنینؑ بیمار ہیں حضرت محمدؐ نے ان کے ماں باپ سے فرمایا کہ تم منت مانو کہ خدائے تعالیٰ تمھارے فرزندوں کو صحت بخشے انہوں نے منت مانی کہ ہم تین روزے نذرِ خدا رکھیں گے خدائے تعالیٰ نے حضراتِ حسنین کو صحت دی حضرت کے ہاں روٹی پکی روزہ کھولنا چاہا کہ اتنے میں ایک فقیر نے آکر پکارا کہ اے اہل بیتؑ پیغمبر، میں محتاج

مسلمان ہوں مجھے کھانے کو دو. خدائے تعالےٰ اس کا بدلہ بہشت میں دے گا حضرت مرتضیٰ علیؑ نے اپنا حصہ سب اسے دے دیا حضرت فاطمہؑ نے بھی اپنا حصہ اسے دے دیا آپ دونوں نے کچھ نہ کھایا اور فجر کو پھر روزہ رکھا. دوسرے دن شام کو ایک یتیم آیا کہ کچھ اللہ کے لئے دو ان دونوں نے پھر اپنا کھانا اسے دے دیا. تیسرے دن پھر روزہ رکھا تیسری شام کو ایک بندھوا چھوٹ آیا آپ دونوں نے پھر کھانا اسے دے دیا اور بغیر کھائے سو رہے سو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیات نازل فرمائیں.....

ترجمہ: میرے خاص بندے ایسے ہیں جو پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس سے کہ ہے سختی اس دن کی کھلی ہوئی سب کو پہنچے گی اور وہ کھلاتے ہیں خدا تعالےٰ کی محبت میں محتاج کو، یتیم کو، قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو خدا تعالےٰ کی خوشی کے لئے کھلاتے ہیں ہم تم سے بدلہ و احسان نہیں چاہتے. اس لئے کہ ہم ڈرتے

ہیں اپنے پروردگار سے اس دن کے عذاب سے کہ جب وہ بے حواس کر دے گا...

اقبال کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام بادشاہ ہیں جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ ان کے گھر کی یہ حالت تھی کہ شادی کے وقت ان کا کل اثاثہ ایک تلوار اور ایک زرہ پر مشتمل تھا ان کے خیال میں یہی وہ دوسرا شرف تھا جو حضرت فاطمہؑ کو حاصل ہوا اور جس کی بنا پر وہ معزز و محترم ہیں...

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق
آں یکے شمع شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کیں

پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں
وان دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوتِ بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہل حق حریت آموز از حسینؑ
سیرتِ فرزندہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودے چادرِ خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضائش در رضائے شوہرش

آں ادب پرورده صبر و رضا
آسیا گرداں و لب قرآں سرا
گریه هائے او زبالیں بے نیاز
گوهر افشاندے بدامانِ نماز
اشکِ او برچید جبریل از زمین
همچو شبنم ریخت بر عرش بریں
رشتهٔ آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفےٰ ست
ورنه گرد بر بتش گردید مے
سجده با بر خاك او پاشید مے

علامہ اقبال حضرت فاطمہ کا تیسرا شرف یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی

مادرِ مہربان تھیں حضرت حسن علیہ السلام عشقِ حقیقی کے مرکز اور حضرت حسین علیہ السلام عاشقان صادق کے قافلہ سالار تھے پہلے کعبۃ اللہ میں نورِ ہدایت کے قیام کا باعث ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کرنے اور عداوت و جنگ وجدل کی آگ بجھانے کے لئے مسند خلافت کو لات ماردی دوسرے صالحین کے آقا اور حریت پسند افراد کے قوتِ بازو ہیں زندگی میں عشق کی جلن اور لگن آپ کی ذاتِ بابرکات سے باقی ہے اور آپ ہی مردانِ حق کو آزادی کا سبق پڑھانے والے ہیں....

اقبال نے ایک مسلمہ حقیقت کو شعر کا جامہ پہنایا ہے بلاشبہ بچوں کی تربیت ماں ہی کیا کرتی ہے بچہ کمسنی میں تازہ ہری لکڑی کی طرح سے ہوتا ہے چنانچہ اسے اپنی حسب منشا موڑا جاسکتا ہے بچے کا جوان ہوکر نیک ہونا کلی طور پر اس کی ماں کی محنت اور سیرت پر منحصر

ہے جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے بالکل اسی طرح بچوں کی نیکی ماں کی صالحیت پر دلالت کرتی ہے چنانچہ حضراتِ حسنینؑ کی اعلیٰ وارفع شخصیات اور نیک سیرت اس امر پر شاہد ہیں کہ ان کی مادرِ مہربان حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی ذاتِ ستودہ صفات انتہائی بلند و بالا تھیں.

علامہ اقبال نے مذکورہ گیارہ شعروں میں حضرت فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کی حضرت مریم علیہا السلام پر فضلیت جتلائی ہے آپ کے نزدیک حضرت مریمؑ کو صرف ایک شرف حاصل تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں ان کے مقابلے میں حضرت فاطمہؑ کو تین شرف ملے تھے ایک شرف یہ کہ وہ آنحضور صلعم کی دختر نیک اختر تھیں، دوسرا یہ کہ وہ علی المرتضیٰؑ کی محبوب زوجہ تھیں اور تیسرا یہ کہ وہ حضرات حسنینؑ علیہا السلام کی مادرِ مہربان تھیں. لہذا ایک خصوصیت کے مقابلے میں تین خصوصیات کے باعث حضرت

فاطمہ علیہا السلام حضرت مریمؑ پر فضلیت رکھتی ہیں.....

اقبال فرماتے ہیں کہ اطاعت کی کھیتی کا سرمایہ حضرت فاطمہ علیہا السلام ہی ہیں آپ جب تک اپنے برگزیدہ والدہ گرامی آنحضور صلعم کے ہاں رہیں ان کی مطیع و منقادر ہیں اور اپنی رضا کو ان کی رضا کے حوالے کیے رکھا بعد ازاں جب آپ کی شادی ہوگئی اور آپ حضرت علی علیہ السلام کے گھر تشریف لائیں تو آپ نے ان کی اطاعت اختیار کر لی اور ان کی خوشنودی کو اپنی رضا سمجھا. بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے آپ نے وہ مثالی کردار پیش کیا جو مسلمان بچیوں اور عورتوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے حضرات حسنینؑ کی اعلیٰ تربیت اور ان کا بلند کردار آپ کے گرامی قدر ماں ہونے پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ آپ تمام مسلمان ماؤں کے لئے کامل نمونہ ہیں الغرض مسلمانوں کے طبقہ اناث کی دنیا و عقبیٰ میں فلاح حضرت فاطمہؑ کی سنت پر عمل کرنے میں ہی مضمر ہے....

علامہ حضرت فاطمہؑ کی رفیق اور محتاج نوازی کے ثبوت میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس کی رو سے آپ نے ایک ضرورت مند سائل کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنی چادر ایک یہودی کے ہاں فروخت کرائی اور اسے اپنے دروازے سے خوش و خرم اور بامراد واپس کیا. بلاشبہ آپ کا یہ ایثار اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ انسان کو دردِ دل کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے اور ابنائے جنس کی حاجت روائی اس کا فرضِ منصبی ہے۔۔۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ذات ستودہ صفات اتنی اعلیٰ وارفع ہے کہ فرشتے اور جنات ان کے تابع فرمان رہے ہیں وہ اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہوتے ہوئے اپنے محترم شوہر حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی فرمانبردار تھیں ڈاکٹر صاحب مسلمان عورتوں کو بالواسطہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ وہ حضرت فاطمہؑ کی سنت پر عمل کریں اور اپنے شوہروں کے احکامات کی بلاچوں و

چراتعمیل کیا کریں تا کہ دنیا و عقبیٰ میں کامیاب و سرخرو رہیں.....

حضرت فاطمہؑ نے آنحضور صلعم اور حضرت خدیجہ صلواۃ اللہ علیہا کی گود میں پرورش پائی تھی جو صبر و رضا کے پیکر تھے چنانچہ آپ نے بھی صبر و رضا کی مثال پیش کر دکھائی ہے جو مسلمان عورتوں کے لئے نمونہ قرار پائی تاریخ اسلام شاہد ہے کہ چکی پیستے پیستے آپؑ کے مبارک ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے تاہم بے حد تکلیف کے باوجود آپ کے نازک ہاتھ پیستے رہتے اور زبان مبارک پر قرآنی آیات کا ورد جاری رہتا یہاں بھی ڈاکٹر صاحب مسلمان عورتوں کو صبر و رضا، محبتِ شاقہ اور ذکر الہیٰ کا سبق دے رہے ہیں.

وہ قائم اللیل تھیں راتوں کو نمازیں پڑھا کرتیں اور اللہ تبارک و تعالےٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر اپنی طاہر آنکھوں سے آنسو بہایا کرتیں ان کے اس طرح بہائے ہوئے آنسو اتنے گراں قدر تھے کے حضرت جبریل علیہ السلام انہیں زمین سے چن کر شبنم کے گہر

ہائے آبدار کی طرح عرشِ بریں پر برساتے تھے ان شعروں میں اقبال نے حضرت فاطمہ الزہراؑ کے زہد اور ان کے بارگاہِ ایزدی میں گریہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مسلمان عورتیں بھی نصیحت حاصل کریں اور ان کے اسوہ حسنہ پر چل کر فلاح پائیں یہ مثال ان کے لئے لمحہ فکریہ بھی فراہم کرتی ہے اور وہ یہ کہ خاتم المرسلینؐ کی طاہرہ دختر نیک اختر جس ذاتِ ستودہ کی بارگاہ میں یوں گریہ کناں سجدہ ریز ہیں وہ کتنی اعلیٰ وارفع ہے نیز یہ بھی کہ جب ایسی معصومہ یوں نیاز مندی کا اظہار کرے تو انہیں تو اس بارگاہ میں اس سے کہیں زیادہ نیاز مندی دکھانی چاہیئے ....

علامہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی شریعت اور آنحضور صلعم کے حکم یعنی پردے کا احترام ملحوظ خاطر ہے ورنہ حضرت فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا سے عقیدت اور ان کی غلامی کا جذبہ تو انہیں مجبور کر رہا ہے کہ وہ ان کے مزارِ مقدس کا طواف کریں اور اس پر تعظیمی سجدے

نچھاور کریں..

ڈاکٹر صاحب نے ان دو شعروں میں اپنے دل کو کھول کر رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ انتہائی مدحت کا حق ادا کر دیا ہے درحقیقت حضرت فاطمہؑ کے بے حد عقیدت کے جذبے سے مغلوب ہو کر ہی آپ نے ان کے اسوہ کو مسلمان عورتوں کے لئے مثال کے طور پر پیش کیا اور انہی کی پیروی کی تلقین کی. آپ کے نزدیک مومن مردوں کو آنحضور صلعم کی سنت پر چلنے کے لئے حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسین علیہم السلام کی پیروی کرنی چاہیئے اور مومنہ عورتوں کو آنحضرت صلعم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حضرت فاطمہ علیہا السلام کا تتبع کرنا چاہیئے بلاشبہ اقبال انہی پنجتن پاک اور نفوس مقدسہ کو خیر الامم کے برگزیدہ اور منتخب افراد سمجھتے تھے اور ان کی مودت کو اپنی ذات پر لازم قرار دے لیا تھا.

فطرت تو جذبہ ہا دارو بلند
چشمِ ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینےؑ شاخِ تو بار آورد
موسمِ پیشِ بگلزار آورد

علامہ اقبال مسلمان عورت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے بارگاہ ایزدی سے اعلیٰ وارفع جذبے عطا ہوئے ہیں لہذا اسے چاہیئے کہ وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے چلن سے نابلد نہ رہے بلکہ ان کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو تا کہ حضرت حسین علیہ السلام جیسی بلند پایہ شخصیت کو جنم دے کر نشاۃ الثانیہ کی آمد کا سبب بنے آپ کے نزدیک حضرت فاطمہؑ کی پیروی ہی مسلمان عورت کے لئے نجاتِ اُخروی کی ضامن ہے۔

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

علامہ اقبال کے نزدیک حضرت ابوذر غفاریؓ کا فقر، حضرت اویسؓ قرنی کی درویشی اور حضرت فاطمہ الزہراؓ کا پردہ مثالی صفات ہیں چنانچہ وہ موجودہ زمانے کے مذہبی ٹھیکیدار کے متعلق دریافت فرماتے ہیں کہ کیا یہی وہ ذاتِ شریف نہیں ہے جو دین کے محرمات کو بے خوف و خطر توڑ ڈالتا ہے؟ درحقیقت ڈاکٹر صاحب زمانہ حال کے ریاکار زاہدوں کے مکر و زور سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان نفس پرست افراد سے بچیں جو تقدس کا لبادہ اوڑھ کر اور مذہب کی آڑ لے کر مقدس اقدار کو بھی اپنے دوزخ شکم کی بھینٹ چڑھانے کے لئے فروخت کر ڈالتے ہیں..

اگر پندے زدرویشے پذیری
ھزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شوازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

ڈاکٹر اقبال دخترانِ ملت سے مخاطب ہیں فرماتے ہیں ''اے دختر ملت! اگر تو مجھ جیسے درویش باوصفا کی ایک نصیحت قبول کرے تو وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ہزار قوموں کے مرنے پر بھی تو نہ مرے گی وہ نصیحت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے تہذیبِ نو کے اثرات سے بچنے کے لئے خانہ نشین رہ، تاکہ تو اپنے آغوش میں حضرت حسین علیہ السلام جیسے کردار کی حامل شخصیت کو گود میں لینے کا شرف حاصل کرے''۔۔

(نوٹ): حضرتِ فاطمہؑ کے فضائل کی مزید تفصیل کے لیئے

میری کتاب فاطمہؑ بنتِ محمدؐ کا مطالعہ کریں.....

آں یکے شمع شبستانِ حرم
حافظِ جمیعتِ خیر الامم
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق
تانشیند آتشِ پیکار و کیں
پشت پازد بر سرِ تاج و نگیں
واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہراؑ کا میں
غم میں کیوں کر چھوڑ دیں گے شافع محشر مجھے

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ نے قرآن کریم، احادیثِ نبوی اور تاریخ اسلام کا بنظرِ تحقیق مطالعہ کیا ہے چنانچہ آپ اس دقیق و عمیق

مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی فلاح وہ بہبود اہل بیت اطہار کی سنت پر عمل کرنے میں ہی مضمر ہے عشقِ خدا و دینِ حق کے علمبردار آنحضور صلعم ہیں، عشقِ رسول صلعم اور نصرتِ دینِ اسلام کے داعی حضرت علی علیہ السلام ہیں، اطاعت شوہر اور فرمانبرداری والدین میں لاثانی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام ہیں، جاہ و جلال کی حکومت سے بے نیاز اور اتحادِ بین المسلمین کے عملی مبلغ حضرت حسن علیہ السلام ہیں اور شریعت اسلام کے اصولوں کی حفاظت کے لئے تن، من، دھن اور ذریت کو قربان کرنے والے حضرت حسین علیہ السلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان نفوسِ مقدسہ اور افراد مطہرہ کی پیروی کو امت المسلمین پر فرض قرار دے دیا ہے آپ کو حضرت حسنؑ سے انتہائی انسیت اور بے حد الفت ہے اس الفت کا واحد سبب یہ ہے کہ حضرت حسنؑ نے خلافت سے دستبرداری دے کر مسلمانوں کو

آپس کی خونریزی سے بچالیا..

حضرت حسنؑ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں میں باہمی خونریزی روز افزوں ترقی پر ہے تو آپ نے مسند خلافت کو چھوڑ دیا اور مجمع عام میں اعلان فرمایا؛

''اما بعد، لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمھاری ہدایت اور پچھلوں سے تمھاری خونریزی کرائی۔ دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز ہیں یہ سب سے بڑا عجزِ بداعمالیاں یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں. دونوں صورتوں میں، میں محمدؐ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے اس سے دستبردار ہوتا ہوں''

اقبال کے نزدیک حضرت حسن علیہ السلام پرکارِ عشق کے مرکز ہیں حضرت امام حسنؑ وہ اعلیٰ وارفع ہستی ہیں جنہوں نے اللہ تعالےٰ

کی محبت کو ماسوا کی محبت پر ترجیح دی حکومت کی خواہش ہر انسان کے لئے دلفریب اور مسحور کن ہے.. یہ حضرت حسنؑ کی شانِ استغنا ہی تھی انہوں نے اللہ تبارک وتعالےٰ کے حکم کے احترام میں کہ مسلمانوں کے متحارب گروہوں میں صلح کرادیا کل مسلمانوں میں خونریزی اور جنگ و جدل کو بند کرا کے ان میں اتحاد کے لئے کوشش کی چنانچہ آپ کی یہی ادا اقبال کو بھا گئی اور انہوں نے آپ کو مرکز پرکارِ عشق قرار دیا...

اقبال حضرت حسن علیہ السلام کو شمعِ شبستانِ حرم قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک آپ نے مسلمانوں سے خونریزی دور کر کے کعبۃ اللہ کی رونق کو دوبالا کیا ہے اور اسے ظلمت نفاق سے اسی طرح بچایا ہے جیسے شمع کی روشنی کمرے کی ظلمت کو دور کر کے اس کی شان کو بڑھاتی ہے آپ نے ہی مسلمانوں کو آپس میں دشمنی کو ختم کرنے کی کوشش میں حکومت جیسی متاع گرانمایہ کو چھوڑا اور امتِ مسلمہ کہ

تمام امتوں میں بہتر قرار دی گئی ہے، کو اشتقاق و نفاق سے بچا کر اس کے اتحاد کی حفاظت کی آپ کی خلافت سے دستبرداری نے ہی مسلمانوں کو خونریزی اور جنگ و جدل سے بچالیا....

اقبال فرماتے ہیں کہ حضرت حسن علیہ السلام نے مسندِ خلافت سے دستبرداری دے کر تاج و نگیں کو اس لئے ٹھکرا دیا تا کہ عداوت اور جنگ و جدل کی آگ سے امتِ مسلمہ محفوظ و مامون رہے تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ آپ نے خلافت کو چھوڑ کر مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے وہ کارنامہ سر انجام دیا ہے جو تا قیامت یادگار رہے گا..اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم بھی حضرت حسن علیہ السلام کی پیروی کیا کریں اور نفسانی خواہشات کو امت مسلمہ کے مفاد کے لئے قربان کرتے رہیں تا کہ عداوت و نفاق کا انقطاع و قلع قمع ہو اور اخوت و اتحاد کی فضا قائم ہو جو امت المسلمین کی دنیاوی و اُخروی فلاح و بہبود کا سبب بنے.....

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اگر وہ حضرت فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کے لختِ جگر اور فرزندِ دلبند حضرت حسن علیہ السلام کا واسطہ دے کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی درخواست کریں گے تو انہیں یقین ہے کہ خاتم المرسلین علیہ السلام ان کی ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے...

تاریخ واحادیثِ صحیحہ اس امر پر شاہد ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام سے بے حد محبت فرماتے تھے چنانچہ فرمایا ہے ''الٰہی میں اس کو (حسنؑ بن علیؑ) کو چاہتا ہوں تو بھی اس کو چاہ اور اس کو چاہ جو اس کو چاہے'' اقبال آنحضرت صلعم کی اس محبت کو خوب جانتے ہیں لہذا ان ہی کا واسطہ دے کر مدد کے طالب ہیں...

در معنی حریت اسلامیه و سر حادثه کربلا

هر که پیمان با هو الموجود بست
گردنش از بند هر معبود دست
مومن از عشق است و عشق از مومنست
عشق را ناممکن ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر چلاک تر بیباک تر
عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدان عمل
عشق صیدا از زور بازو افکند
عقل مکار است و دامی میزند
عقل را سرمایه از بیم و شک است

عشق را عزم و یقین لا ینفک است
آن کند تعمیر تا ویران کند
این کند ویران که آبادان کند
عقل چون باداست ار ذان در جهان
عشق کمیاب و بهای او گران
عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریان از لباس چون و چند
عقل می گوید که خودراپیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن
عقل باگیر آشنا از اکتاب
عشق از فضل است و با خود در حساب
عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بنده شو آزاد شو

عشق را آرام جان حریت است
فاقه اش را ساربان حریت است
آن شنیدستی که هنگام نبرد
عشق با عقل هوس پرور چه کرد؟
آن امام عشقان پور بتولؑ
سرو آزادی ز بستان رسول
اللّٰه اللّٰه باء بسم اللّٰه پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر
بهر آن شهزاده ء خیر الملل
دوش ختم المرسلین نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی این مصرع از مضمون او
درمیان امت کیوان جناب

همچو حرف قل هو الله در کتاب
موسی و فرعون و شبیرؑ و یزید
این دو قوت از حیات آید پدید
زنده حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است
چون خلافت رشته از قرآن گسیخت
حریت را زهر اندر کام ریخت
خاست آن سر جلوه ی خیر الامم
چون سحاب قبله باران در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت
لاله در ویرانها کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

بهر حق در خاك و خون گریده است
پس بنائی لااله گریده است
مدعایش سلطنت بودی اگر
خود نکردی باچنین سامان سفر
دشمنان چون ریگ صحرا لاتعد
دوستان او به یزدان هم عدد
سر ابراهیم و اسمعیل بود
یعنی آن اجمال را تفصیل بود
عزم او چون کوهساران استوار
پایدار و تند سیر و کامکار
تیغ بهر عزت دین است و بس
مقصد او حفظ آئین است و بس
ماسوالله را مسلمان بنده نیست

پیش فرعونی بسر ش افکنده نیست
خون او تفسیر این اسرار کرد
ملت خوابیده را بیدار کرد
تیغ لاچون از میان بیرون کشید
ازرگ ارباب باطل خون کشید
نقش الاالله بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت
رمز قرآن از حسین آموختیم
ز آتش و شعله ها اندوختیم
شوکت شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطه هم از یاد رفت
تارما از زخمه اش لرزان هنوز
تازه از تکبیر او ایمان هنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگان
اشک ما بر خاک پاک او رسان

علامہ اقبالؒ جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے عشق کا اظہار فرماتے رہے ہیں، وہاں سیدنا حضرت امام حسینؑ سے بھی والہانہ عشق کے دعویدار ہیں وہ آپ کی حیات طیبہ کو زندگی کی معراج قرار دیتے ہیں دشتِ کربلا میں اثباتِ حق اور ابطالِ باطل کے لئے آپ کی سرفروشانہ جنگ اور قربانی مردانِ حق کے واسطے تا قیامت مشعلِ راہ ہے انہیں امام عالی مقام کی ذاتِ ستودہ صفات سے بے پناہ محبت تھی چنانچہ انہوں نے اسی محبت کی شدت سے مجبور ہو کر اکثر و بیشتر اپنی وارفتگی کا اظہار بھی کیا ہے ڈاکٹر صاحب کو سعی پیہم، طلبِ صادق، اخلاصِ عمل، عشقِ حقیقی اور بے لوث قربانی جیسی اعلیٰ اقدار سے خاص لگاؤ رہا ہے لہذا ان

خصوصیات سے مزیّن ذات ان کے لئے قابلِ صد ستائش ہے انہوں نے تمام قدروں کو آپ کی شخصیت میں بطریق احسن نمایاں پایا چنانچہ آپ کے عشق کو سرمایہ حیات قرار دے کر عقیدت کے وہ پھول نچھاور کئے جو رہتی دنیا تک تازہ وخوشبودار رہیں گے آیئے اب ہم علامہ موصوف کے کلام کے ان کی آپؐ سے انتہائی محبت کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں وہ فرماتے ہیں:

ہر وہ انسان جس نے اللہ تبارک وتعالےٰ کو حاضر وناظر جان کر عہد وفا باندھا، یقین جانیے کہ وہ ماسوا کی قید سے نجات پا گیا ڈاکٹر صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انسان جب توحید پر ایمان لا کر خدائے لاشریک کے فرمان پر۔ کہ آنحضور صلعم کے توسط سے اس تک پہنچا، گامزن ہو، تو وہ غیر اللہ کے تعلق سے چھوٹ جاتا ہے وہ اپنی رضا، رضائے الٰہیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے معبودِ حقیقی اور معشوق لم یزل کی خوشنودی

کے لئے اپنا تن، من، دھن بلا تامل قربان کو ڈالتا ہے رضائے الہیٰ کا حصول ہی اس کی آخری خواہش ہوتی ہے جسے وہ ہر امکانی کوشش اور قربانی سے حاصل کر لیتا ہے۔

بلاشبہ مومن اسی وقت تک مومن ہے جب تک کہ وہ عشقِ الہیٰ کو دل میں جگہ دیے ہوئے ہے بالکل اسی طرح عشقِ معشوقِ حقیقی کے قرار کی منزل بھی دلِ مومن ہی ہے دوسرے لفظوں میں مومن اور عشقِ خدا لازم و ملزم ہیں بلا عشقِ مالکِ حقیقی سے دل کو روشن کیے انسان کبھی مومن نہیں بن سکتا۔ اسی طرح عشقِ مالکِ حقیقی سوائے مومن کے کسی دوسرے انسان کے دل میں جاگزیں نہیں ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ مردِ مومن کی دعا سے تقدیریں تک بدل جاتی ہے جو عام لوگوں کے لئے ناممکنات سے ہے بات دراصل یہ ہے کہ عشق کے لئے ہر وہ چیز ممکنات سے ہے جو ہمارے لئے ناممکنات ہوا کرتی ہیں۔ مومن کائنات کا مالک ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ

کا عشق اسے وہ طاقتیں عطا کرتا ہے جن سے عام انسان یکسر عاری ہوتے ہیں سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

تو ہم گردن از حکم دارورہ پیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

جب انسان اپنی رضا کو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے حوالے کر دیتا ہے تو دنیا کی تمام طاقتیں اس کے لیے مسخر کر دی جاتی ہیں اور وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

وہ عقل سے زیادہ خالص، چاق و چوبند اور نڈر ہے اقبال نے اس شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ عشق کا تعلق دل سے ہے اور عقل کا تعلق دماغ سے کارگاہِ دماغ میں ترتیب دئے ہوئے خطبے بنی نوع

انسان پر وہ اثر نہیں کر سکتے جو گوشۂ دل سے نکلے ہوئے فقرات اثر کر جاتے ہیں عاقل کی متانت، سنجیدگی اور پرکاری پر عاشق کی سرجوشی، تندی اور سادگی ہمیشہ غالب آتی ہے تاریخ عالم شاہد ہے کہ انبیاء وائمہ علیہم السلام کے خطبات نے انسانوں پر جتنا اثر کیا اور انہیں جس قدر فائدہ پہنچایا، دنیا کے فلسفہ دانوں، سیاستدانوں سائنسدانوں اور عالموں نے اس کا عشر عشیر فیض بھی نہ پہنچایا، غرضیکہ پاکی، تیزی اور تندی میں عشق کو عقل پر مسلمہ فوقیت حاصل ہے چنانچہ اس کی یہی فوقیت عقل کو ہمیشہ زیر کئے رہتی ہے علامہ کا یہ فیصلہ بجا ہے کہ عقل تو مکر وزور، حزم واحتیاط اور چھان بین میں ہی گرفتار رہتی ہے بخلاف، عشق میدانِ عمل میں بے خوف وخطر کود پڑنے میں کبھی تامل نہیں کرتا آپ نے اسی مضمون کو اپنے ایک اور شعر میں ادا کیا ہے.

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

سچ ہے عاقل خطرات کو مدنظر رکھنے اور اسباب وعلل کے تدارک میں مصروف ہوجانے کی وجہ سے کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دے سکتا اس کے مقابلے میں عاشق اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جرات و بے باکی کو کام میں لاتا ہے اور خطرات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی جان تک کو بازی پر لگا کر کامیاب و کامران ہوتا ہے. عاشق اپنی ذاتی قوت کو جو عشق سے حاصل کی ہوئی ہوتی ہے بروئے کار لاکر اپنا مقصد پالیتا ہے اور عاقل اپنی عقل کی رہنمائی میں مکروزور اور چالاکی وعیاری کے پھندوں سے کام لے کر اپنا مطلب حاصل کرتا ہے مقصد دونوں پالیتے ہیں گو کہ مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ عاشق کے

ذرائع پاک وصاف ہوتے ہیں اور عاقل عیاری کی ناپاکی اور مکرو فریب کی گندگی میں ملوث ہوتا ہے عقل عاقل کو خوف وشک مہیا کرتی ہے لیکن عشق عاشق کو غیر متزلزل ارادے اور محکم ایمان سے نوازتا ہے اہل عقل حضرات کی تعمیر میں تخریب نہاں ہے اور اہل دل حضرات کی تخریب میں تعمیر چھپی ہوئی ہے سادہ الفاظ میں یوں کہیے کہ سائنس نے جو آسائشیں مہیا کی ہیں وہ چندروزہ ہیں یہی سائنس آلاتِ حرب کی ایجاد سے ان آسائشوں کو کرب و بے اطمینانی میں بدل دیتی ہے اور دنیا والوں کو خسرانِ دنیا وعقبیٰ سے نوازتی ہے اس کے مقابلے میں دین اسلام انسانوں کو چندروزہ پابندیوں میں مبتلا کر کے دنیا وعقبیٰ کی لافانی فلاح و بہبود عطا کرتا ہے..

علامہ صاحب نے ان اشعار میں عشق وعقل کا مقابلہ کر کے عشق کی فضیلت وبرتری ثابت کر دکھائی ہے ان کے نزدیک عشق انسان کو

چند روزہ تکالیف میں ڈال کر دوامی آسائش وسکون سے نوازتا ہے جبکہ عقل اسے عارضی آسائش کے بدلے دوامی کرب و بے اطمینانی عطا کرتی ہے لہذا یہ امر مسلمہ حقیقت قرار پایا گیا ہے کہ عشق دنیا والوں کے لئے فیض رساں اور عقل مضرت رساں ہے پس انسان پر لازم ہے کہ وہ عشق کو اپنائے تا کہ اس کی برکات سے مستفیض ہو اور عقلِ مکّار سے احتراز کرے تا کہ اس کی مضرتوں سے مصون و مامون رہے.....

علامہ اقبال عشق کے فیضان اور عقل کی مضرّت کے بیان کے بعد دوبارہ عقل و عشق کا موازنہ شروع کر دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ عقل ہوا کی طرح عام اور سستی ہے لیکن اس کے مقابلے میں عشق نارد اور گرانقدر ہے عقل اسباب و علل کی بنیاد پر قائم ہے جب کہ عشق اسباب و علل سے بے بہرہ ہے عقل ہمیشہ آشکار ہونا چاہتی ہے اور ظاہر پسند ہے لیکن عشق اظہار سے گریزاں اپنے کمال کی

آزمائش میں مصروفِ عمل رہتا ہے عقل خود کو ماسوا سے کسبِ فیض کر کے مستحکم کرتی ہے جب کہ عشق اللہ تعالی کے فضل کا محتاج اور ہر لحظہ خود کو کسوٹی پر کسنے والا ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ عقل کوشش سے حاصل ہوتی ہے اور عشق کی سعادت بزورِ بازو نصیب نہیں ہوتی بلکہ سراسر عشق ربانی ہے عقل خوش وخرم رہنے کا مشورہ دیتی ہے بخلاف اس کے عشق مالک حقیقی کے غلام ہو کر ماسوا سے آزاد ہونے کے لئے کہتا ہے عشق کو آزادی ہی سے سکون ملتا ہے چنانچہ اس کے ناقہ کے لئے آزادی ہی ساربان ہے عقل و عشق کے اس مقابلے کے بعد آپ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ کیا اس نے نہیں سنا کہ حرص و ہوا میں پلنے بڑھنے والی عقل کے ساتھ عشق نے جنگ آزما ہو کر (میدانِ کربلا میں) کیا سلوک روا رکھا؟۔۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلے شعر میں حضرت حسین علیہ السلام کو مالکِ

حقیقی کا عاشق قرار دیا ہے جنہوں نے باری تعالیٰ سے پیمان وفا باندھا اور ماسوا کی قید سے رہائی حاصل کر لی وہ ہی عاشق خدا تھے اور عشق کو انہی سے یہ شرف حاصل ہوا کہ بنی نوح انسان کے لئے جو امورِ ناممکنات قرار پا چکے تھے وہ اس کے لئے ممکن اور آسان قرار دے دئے گئے آپ نے تیسرے شعر سے عقل اور عشق کا موازنہ و مقابلہ شروع کیا آپ کے نزدیک عقل باطل کی نمائندہ ہے اور عشق حق و راستی کا علمبردار، باطل ظلم و جور، مکر و زور، چالاکی و عیّاری اور پرکاری اور ریاکاری کے ہتھیار لے کر حق کے خلاف جنگ آزما ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے تباہ و برباد کے دے چنانچہ حق اپنی حفاظت کے لئے رحم و کرم، حق گوئی و بے باکی، عزم و یقین اور جذبہ آزادی کے ہتھیار اس کے خلاف کام میں لاتا ہے اور بظاہر شکست کھاتے ہوئے بھی حقیقی اور آخری فتح حاصل کر لیتا ہے....

درحقیقت ان شعروں میں آخری شعر سے پہلے کے تمام اشعار حضرت حسین علیہ السلام کی مدح میں قصیدے کی تشبیب سے متعلق ہیں علامہ صاحب نے اس بلند پایہ تشبیب کے بعد بڑے استادانہ اور نادر طریق پر گریز کا ایک شعر:

آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد
عشق باعقلِ ہوس پرورچہ کرد

کہہ کر مدح ومنقبت کی طرح ڈال دی ہے
ماقبل شعر سے گریز کا کام لیتے ہوئے علامہ صاحب اس شعر سے حضرت امام حسین علیہ اسلام کی مدح کا آغاز کررہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

''وہ (حسینؑ) عاشقانِ مالک حقیقی کے امام، حضرت فاطمہ علیہا

السلام کے پیارے بیٹے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کے آزاد سرو ہیں"

ڈاکٹر صاحب نے درست فرمایا. بلاشبہ حضرت امام حسین علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے عشق کرنے والوں کے امام ہیں انہوں نے کربلا کے میدان میں اپنے اصحاب و انصار اور خاندان والوں، یہاں تک کہ نوخیز لڑکوں تک کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں شہید کرا کے اپنی جانِ عزیز کی بھی قربانی دے دی آپ نے سب کچھ لٹا کر دین اسلام کے اصولوں اور آنحضرت صلعم کی عزت و حرمت کو بچالیا. اگر آپ خدانخواستہ باطل کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے تو کہنے والے کہہ سکتے تھے کہ گوہر و تربیت میں قدرے خامی تھی جبھی تو حضرت حسینؑ قربانی پیش نہ کر سکے مگر انہوں نے اپنی جان قربان کر کے اللہ تعالےٰ کی حقانیت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دینِ اسلام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی. بے شک انہوں نے

وہی کیا جو فرزند رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر بطورِ فرض عائد ہوا تھا

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا خلاصہ سورہ فاتحہ، اس کا خلاصہ بسم اللہ شریف، اس کا خلاصہ بائے اور اس کا خلاصہ بائے کا نقطہ ہے چنانچہ ینابیع المودت میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے دورانِ تدریس فرمایا ''بسم اللہ کی بائے کا نقطہ جو خلاصہ قرآن ہے وہ میں ہی ہوں'' بالاشبہ حضرت علی علیہ السلام قرآنِ ناطق تھے رسولِ مقبول صلعم نے فرمایا تھا کہ وہ علم کا شہر ہیں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ''اے لوگو! مجھ سے اس وقت تک جو چاہو پوچھ لو جب تک کہ میں تم میں موجود ہو جب تک کہ میں تم میں موجود ہوں'' آپ ہی کا یہ قول بھی تھا کہ اگر اللہ تبارک وتعالےٰ اور ان کی ذات کے درمیان کے تمام حجابات

اٹھا دیے جائیں تب بھی ان کے ایمان میں کوئی اضافہ نہ ہوگا...
دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ وہ حق الیقین کی معراج حاصل کر چکے تھے اقبالؒ نے حضرت علی علیہ السلام کو بائے بسم اللہ پدر بھی کہا ہے کہ آپ بہترین مفسر قرآن تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے ''میں قرآنی آیات کے نزول کا محل و مقام خوب جانتا ہوں مجھے بخوبی علم ہے کہ کونسی آیت کہاں اور کس لئے نازل ہوئی ہے'' بلاشبہ آپ علوم قرآنی کا دروازہ تھے'

اقبال فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ! حضرت حسینؑ کے والد حضرت علی علیہ السلام کی ذات کتنی اعلیٰ وارفع تھی کہ علوم قرآنی کے شہر کا دروازہ قرار دیئے گئے جب باپ اتنی شان والے تھے تو بیٹے حضرت حسینؑ بھی بڑی ارفع ذات والے ہوئے اور حضرت اسمائیل علیہ السلام کی قربانی کا فدیہ ہو کر ذبحِ عظیم قرار پائے..
آپ کے نزدیک مفسرین کا یہ قول کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا

فدیہ جنت سے لایا ہوا وہ مینڈھا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیلؑ کی قربانی کے وقت قبول فرمایا تھا اور وہی ذبحِ عظیم قرار پایا۔ بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ وہ مینڈھا جبلِ یثرب سے اترتا ہوا آیا تھا اور ذبح ہو کر فدیہ بنا، درست نہیں ہے آپ ایک جلیل القدر پیغمبر کا فدیہ ایک مینڈھے کو خواہ وہ جنت سے ہی کیوں نہ لایا ہوا تھا، قرار نہیں دے سکتے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذبحِ عظیم فدیہ جوان کی نسل کے بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑا گیا، حضرت حسین علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں جو پیغمبر آخر الزماں کے فرزند دلبند تھے حضرت رسول مقبول صلعم حضرت علیؑ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے علیؑ تم میرے داماد اور میرے بیٹے کے باپ ہو حق بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کی نسل حضراتِ حسنینؑ سے ہی اس دنیا میں قائم ہے اللہ تبارک وتعالےٰ نے آیہ مباہلہ میں بھی حضرات حسنینؑ کو آنحضور صلعم کے فرزند ارشاد فرمایا ہے۔ حقیقت تو

یہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے **وفدینہ بذبح عظیم**
یعنی جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیلؑ کو ماتھے کے بل
پچھاڑا اور ہم نے پکارا یوں کہ اے ابراہیمؑ تو نے سچ کر دکھایا اپنا
خواب ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو بے شک یہی
ہے صریح جانچنا اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک عظیم ذبیحہ اور باقی رکھا
اسے پچھلی خلق میں سلام ہے ابراہیم پر، اقبالؒ نے حضرت امام
حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت کو ہی ذبح عظیم قرار دیا ہے
جس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

۱ حضرت امام حسین علیہ السلام بنی اسماعیلؑ میں سے ہیں

۲۔ آپؑ فرزندِ نبی آخرالزماںؐ ہیں لہذا آپ کا شمار آخرین
میں ہے

۳۔ آپؑ کربلا میں شعائر اللہ کی حفاظت کے لئے شہید ہوئے

۴۔ آپؑ کربلا میں قربانی کے لیے مانندِ اسماعیلؑ خود اپنی خوشی

سے تشریف لے گئے

۵ آپؑ نے اپنی قربانی اللہ تعالےٰ کے مطالبے پر پیش کی جو قبول ہوئی

ان صریح دلائل کے باوجود اگر ہم حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی قربانی کا فدیہ جنت سے لئے گئے ایک مینڈھے کو یا اپنے ان مینڈھوں ، بکروں، گایوں اور اونٹوں کو جنہیں ہم عیدالضحی پر ذبح کرتے ہیں قرار دے دیں تو یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے بلاشبہ حضرت امام حسین علیہ السلام ہی ذبحِ عظیم ہیں جنہوں نے کربلا میں اپنی قربانی پیش کر کے اس شرف کا تاج اپنے سر پر رکھا...

شمائل ترمذی میں منقول ہے کہ ایک دفعہ امام حسین علیہ السلام دوشِ مبارک پر سوار تھے کسی نے کہا ''کیا اچھی سواری ہاتھ آئی ہے؟ آپؑ نے فرمایا سوار بھی کیسا ہے'' علامہ اقبال نے اس روایت کو

شعر کا جامہ پہنایا ہے فرماتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کو خیر الامم ہے کہ شہزادے حضرت حسین علیہ السلام کے لئے حضرت محمد صلی علیہ وسلم کا دوشِ مبارک بہترین سواری تھا اس بیان سے ڈاکٹر صاحب کا مدعا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت حسینؑ سے والہانہ محبت فرمایا کرتے ہیں بلاشبہ یہ ایک حقیقت تھی جس کی تصدیق احادیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ آنحضور صلعم فرمایا کرتے تھے" حسینؑ میرا ہے اور میں حسینؑ کا ہوں" خدا اس سے محبت رکھے جو حسینؑ سے محبت رکھتا ہے

غیرت مند عشق حضرت حسین علیہ السلام کے پاک خون سے ہی معزز و موقّر ہوا چنانچہ عنوانِ عشقِ غیور کی اہمیت آپ کی کربلا میں شہادت ہی سے قائم ہے اقبالؒ نے بجا فرمایا.. حضرت حسین علیہ السلام نے مالکِ حقیقی سے عشق کی غیرت پر حرف نہ آنے دیا اور اثبات حق اور ابطالِ باطل کے لئے برضا و رغبت اپنا خون پیش

کر دیا.....

اقبالؒ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ ستودہ صفات اور اعلیٰ وارفع شخصیت کو امت مسلمہ میں اتنا ہی رفیع و منیع قرار دیتے ہیں جتنا کہ حرف ''قل ھو اللہ'' قرآن کریم میں ہے سچ ہے آنحضرت صلعم کی بعثت اور قرآن مجید کا نزول توحید الٰہی کے اثبات کے لئے ہی عمل میں آیا ہے چنانچہ قرآن کریم کی تمام آیات توحید باری تعالےٰ کی طرف ہی رہنمائی کرتی ہیں جیسے توحیدِ ربانی قرآنِ کریم کی اصل اصول ہے بالکل اسی طرح حضرت حسین علیہ السلام بھی امتِ محمد صلعم میں بنیادی اور مرکزی اہمیت کے حامل ہیں درحقیقت قرآن کریم کی افادیت توحید سے قائم اور امت مسلمہ کی ہدایت سبط رسولؐ سے باقی ہے....

اللہ تبارک وتعالےٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور جمیع ملائکہ کو ان کے سامنے سجدہ تعظیمی کا حکم دیا

سوائے ابلیس مردود کے سب نے امرِ الہیٰ کی تعمیل کی چنانچہ باری تعالےٰ نے ابلیس کو نافرمانی کے جرم کی پاداش میں راندہ درگاہ قرار دے دیا پس ابتدائے آفرینش اور آغاز حیات سے ہی دو متحارب قوتیں قایم ہوگئیں پہلی طاقت، قوتِ حق اور دوسری طاقت قوت باطل قرار پائی. حضرت نوحؑ کا ان کی قوم کے ملحدوں سے، حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے، حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے، حضرت عیسیٰ کا مشرکین یہود سے، حضرت ہاشمؑ کا امیہ سے، حضرت عبدالمطلبؑ کا ابرھہ سے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب سے، حضرت علی علیہ السلام کا معاویہ اور خوارج سے، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید سے مقابلہ رہا الغرض اہل حق اور اہل باطل ہمیشہ مصروف پیکار رہے ہیں.....

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے مضمون زیرعنوان ''عشرہ محرم الحرام'' میں رقمطراز ہیں دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں. سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثہ عظیم (واقعہ کربلا) ہمارے سامنے پیش کرتا ہے. دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے اقبال بھی یہی فرماتے ہیں کہ حق یعنی دینِ اسلام حضرت حسین علیہ السلام کی قربانی سے ہی زندہ ہے اس کے مقابلے میں باطل سبطِ رسولؐ سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یزید کے مقابلے میں حضرت حسینؑ علیہ السلام حفظِ ناموسِ رسول صلعم اور حمایتِ اصلِ دینِ

اسلام میں گو وقتی طور پر غالب نہ ہو سکے لیکن آخرالامر فتح آپؑ ہی کی ہوئی اور حق کا بول بالا ہوا. آج چودہ سو سال گزرنے پر بھی

شریعت اسلام کے اصول زندہ ہیں جن کے لئے فرزندِ رسولؐ نے اپنی اور اپنے اعزہ کی قربانی دی۔ مگر ان کے مقابلے پر آنے والی باطل قوت پاش پاش ہو چکی ہے حضرت حسین علیہ السلام پر دینِ حق کے زندہ رہنے کے باعث اللہ تعالےٰ کی طرف سے رحمت و برکت اور مسلمانوں کی طرف سے درود و سلام کی بارش ہو رہی ہے اور باطل کی پُر حسرت موت کی بنا پر یزید، اللہ اور اس کے نیک بندوں کی لعنتوں کا مستحق ٹھہرا ہے۔

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جب خلافت نے قرآن کریم سے تعلق توڑ لیا یعنی یہ کہ قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر ملوکیت میں بدل گئی اور اس طرح آزادی کے حلق میں زہر ٹپکایا... یعنی یہ کہ عوام کے حقوقِ آزادی رائے کو غصب کر لیا۔ تو حضرت حسین علیہ السلام سیدِ امتِ مسلمہ، مسلمانوں پر اس ظلم کو برداشت نہ کر سکے اور ابر رحمت بن کر آگے بڑھے۔ آپ نے کربلا کے ویرانے پر رحمتِ آزادی کی بارش کی اور اسے اپنے خونِ پاک سے سیراب کر کے وہاں آزادی کے لئے جان قربان کرنے کی سنت قائم کر گئے۔ آپ کے اس عمل نے

قیامت تک کے لئے ظلم وستم کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح آپ اپنے خون سے دنیا میں آزادی کی بہار لے آئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد حضرت حسین علیہ السلام کے اس جہادِ فی سبیل اللہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ بنو امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجماعِ امت کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی ان کا نظام حکومت شریعتِ الٰہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراضِ نفسانیہ و مقاصدِ سیاسیہ پر مبنی تھا ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا.... حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے

اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت وحقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ وجابرہ کی بنیاد وصداقت وعدالت کی جگہ جبر وظلم پر ہو مقابلے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمھارے پاس قوت وشوکتِ مادی کا وہ تمام ساز وسامان بھی موجود ہو. جو ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے ساتھ چند ضعفاء مساکین کی جمیعتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا حق وصداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پرواہے نتائج کا مرتب کرنا تمھارا کام نہیں یہ اسی قوتِ قاہرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف وفقدان انصار کے کامیاب وفتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمیعت وعظمتِ دینوی کے نامراد ونگوں سار کرتی ہے

علامہ اقبالؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد نے خوب فرمایا ہے کہ خلافت کا تعلق قرآن کریم سے عملی طور پر ٹوٹ چکا تھا خلافت ملوکیت میں بدل چکی تھی بیت المال کو سربراہ حکومت نے اپنی ذاتی ملکیت قرار دے دیا تھا ذاتی اغراض کے حصول کے لئے داد ودہش بیت المال سے ہی ہونے لگی تھی امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہد نامزد کر کے

قیصر و کسریٰ کی سنت اختیار کر لی تھی یزید کی بیعت کے لئے ترغیب وترتیب کے تمام جائز و ناجائز وسائل اور ذرائع استعمال کئے گئے اکثر عمال بنو امیہ سے مقرر کئے گئے جنہوں نے عوام کے شہری حقوق کو غصب کیا. حضرت علیؑ جیسے برگزیدہ صحابی پر مساجد میں برسرِ منبر سب وشتم جاری کیا گیا. تمام مملکت میں ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا معاویہ کے بعد یزید سریر آرائے سلطنت ہوا جس نے حضرت حسین علیہ السلام سے اپنے والی کے ذریعہ بیعت طلب کی آپ نے فاسق و فاجر کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا حرمین شریفین کے احترام کے پیشِ نظر انہیں مکہ چھوڑنا پڑا اور اثبات حق کے لئے کربلا میں تین دن تک بھوکے پیاسے رہ کر، اپنا اور اپنے اقربا اور انصار کی قربانی پیش کر دی. گو بظاہر آپ کو شکست ہوئی لیکن تاریخ اسلام شاہد ہے کہ آپ نے جو اسلامی اصولوں کی حفاظت کے لئے قربانی دی وہ رایگاں نہ گئی اور جہاں ظلم و جور کی حکومت تباہ ہوئی وہاں مسلمانوں کے لئے آزادی اور شریعتِ اسلامیہ کی حفاظت میں جان تک کی قربانی دینے کی سنت باقی رہ گئی آپ کی قربانی نے حق کو روشن کر دیا. اور اس طرح باطل کے مکر و خدع کی

ظاہری دلکشی خاک میں مل گئی. المختصر آپؑ نے یزید کی بیعت نہ کر کے قیامت تک کے لئے ظلم وستم کو متروک قرار دے دیا اور دنیا میں اسلامی اصولوں کی بقا سے بہار آ گئی..

علامہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسین علیہ السلام اثبات حق کے لئے ہی خاک وخون میں لوٹے اور یہی وجہ ہے کہ انہیں توحید کے قیام و استحکام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اسی مضمون کو حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ایک رباعی میں خوب ادا کیا ہے فرماتے ہیں:

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ
دین ہست حسینؑ دین پناہ ہست حسینؑ
سرداد ندا د دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہٰ ہست حسینؑ

دوسرے اہل دل فرماتے ہیں

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ایک اور حق پرست نے کیا خوب فرمایا

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

نظیری نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے

گریز داز صف ماہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ مانیست

بلاشبہ حضرت حسین علیہ السلام نے دینِ اسلام کی حفاظت میں جان دی ہے ان ہی کی قربان نے توحید کا اثبات کیا آپؑ نے یزید کی بیعت نہ کر کے یہ عملی اعلان کیا کہ فرمانبرداری صرف اللہ تعالیٰ کی ہی کرنی چاہیئے اور اس کے حکم کے مقابلے میں ہر ماسوائی قوت کے جبر کی ہرگز پروانہ کرنی چاہیے.....

حضرت حسین علیہ السلام کا یزید کی بیعت نہ کرنے کا واحد سبب دین اسلام کے اصولوں کی حفاظت ہی تھا اگر ان کا مقصد حصول

سلطنت ہوتا تو وہ مکے سے اس بے سروسامانی کی حالت میں ہرگز نہ نکلتے تاریخ اسلام گواہ ہے کہ آپؑ کے ساتھ مکے سے آپؑ کے خاندان کے چھوٹے بڑے اور چالیس کے قریب احباب ایک قافلے کی صورت میں روانہ ہوئے تھے اقبالؒ کے نزدیک حکومت کے حصول کے لئے ایسی بے سروسامانی میں اس طرح مخدارتِ عصمت کے ساتھ نہیں جایا جاتا اس قسم کی مہمات کے لئے لشکر اکٹھا کر کے بڑے ساز وسامان کے ساتھ روانہ ہوا جاتا ہے جب مکے سے روانگی کے بعد راستے میں آپؑ کو حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے جمیعت کو بڑھانے کی بجائے چراغ تک گل کر کے لوگوں کو ان کی جانِ عزیز لے بھاگنے کی اجازت دے دی اس موقع پر وہی لوگ علیحدہ ہو کر منتشر ہوئے جو ذاتی اغراض لے کر راستے میں ساتھ ہو لئے تھے مکہ مکرمہ سے آپؑ کے ہمراہ روانہ ہونے والوں نے کسی صورت میں بھی آپ کی نصرت سے منہ نہ موڑا یہاں تک کہ میدانِ کربلا میں آپؑ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے..

حضرت حسین علیہ السلام کے دشمن ریگستان کے ذروں کی طرح

لاتعداد تھے جبکہ ان کے مقابلے میں اہل حق یعنی آپؑ کے مددگار صرف بہتر تھے یہی وہ سعید تھے جن کی شہادت کے بعد ان کے سر نیزوں پر کربلا سے کوفہ و دمشق لے جائے گئے..

علامہ اقبالؒ کے اسی شعر کے مطالب کو مولانا ابوالکلام آزاد کے مضمون شہادتِ حسینؑ اور اسلام میں مطالعہ کیجئے آپ فرماتے ہیں..

اسلام کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جو قربانیاں ہوئی تھیں وہ محض شخصی حثیت رکھتی تھیں یعنی انبیاء نے شخصی طور پر اپنی اولاد کو یا اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا جہاد کی یہ ابتدا تھی مگر اس کی تکمیل شریعت اسلام پر موقوف تھی چنانچہ اسلام نے جس طرح عقائد و عبادات اور معاش و معاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی اسی طرح جہاد کی حقیقت کو بھی مکمل اور واضح کر دیا..

اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا شخصی طور پر جو قربانیاں کی گئیں وہ راہ ہی میں روک لی گئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا لیکن اس کا موقع ہی نہ آیا.. حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی کی طرف بڑھے

لیکن بچالے گئے آج تک تمام خاندانِ نبوت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت نہیں کی تھی اور اس کی کوئی نظیر تمام سلسلہ انبیاء میں نظر نہ آئی تھی کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی ہی نے مقصدِ نبوت میں ساتھ نہ دیا ہو بلکہ بلاتمیز خاندانِ نبوتؐ کے اکثر اعضاء و ارکان راہِ حق میں قربان ہوئے ہوں.... یزید کی شخصی خلافت کی بیعت کے لئے جو ہاتھ بڑھے تھے وہ اسلام کی جمہوریت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کے لئے ہوا کرتی ہیں اس لئے جب اسوہ ابراہیمیؑ کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آ گیا تو خاندانِ نبوت کے زن و مرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا، اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش اب تک خالی تھی ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا..

پس حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی ذات تک پہنچ کر گم ہوئی تھی اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا...

خاندانِ نبوت دنیا کے آباد کرنے کے لئے ہمیشہ اجڑ تا رہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھر بار چھوڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آوارہ گردی کی اور نبوتِ محمدیؐ کے متبعین میں سے حضرت حسین علیہ السلام نے میدانِ کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کر دیا

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے خاندانِ نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے انہوں نے ایک وادی غیر ذی ذرع میں شدتِ تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھی حضرت حسین علی السلام نے بھی میدانِ کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم، کتبِ احادیث اور تواریخ اسلام کا بنظر تحقیق مطالعہ کیا تھا. آپ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت شکنی کی۔ نمرود سے دوبدو ہوئے آگ میں ڈالے گئے، ہجرت کی، اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بحکم خدا مکے کے غیر آباد علاقے میں چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کا ایماء پا

کراس کی خوشنودی کے لئے ان کو اپنی طرف سے تو ذبح کر ہی ڈالا اور اسی طرح سے حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو خوشی سے راہِ خدا میں ذبح کیے جانے کے لیے پیش کیا. یہ دوسری بات تھی کہ وہ ذبح نہ ہو سکے اور ان کا فدیہ ان کی آنے والی نسل میں سے خاتم النبین اور ختم المرسلینؐ کے فرزند عزیز کی راہِ حق میں قربانی کو ''ذبح عظیم'' قرار دے کر کیا گیا حضرت حسین علیہ السلام دین حق کی حفاظت کے لئے ان تمام مراحل سے گزرے جن سے آپ کے اجداد حضرت اسمٰعیل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گزر چکے تھے آپ نے اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نمرود وقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کیا ملوکیت کے بتوں کو توڑا، مدینے سے مکے اور وہاں سے کربلا کی طرف ہجرت کی، کربلا کی غیر آباد علاقے میں اپنے خاندان کو لے گئے اور اللہ تعالیٰ کا ایماء پا کر اس کی خوشنودی کے لئے اپنی اولاد، اپنے اعزہ واقرباء اور اصحاب کو راہِ حق میں قربان کر ڈالا. اپنے جد حضرت اسمعیل علیہ السلام کی طرح اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اور میدان کربلا میں شہید ہو کر شرفِ ''ذبح عظیم'' کا تاج سر پر رکھا اور فائز

المرام ہوئے غرضیکہ آپ نے اپنی قربانی پیش کر کے حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کی راہ خدا میں جدو جہد کی تشریح، توضیح اور تفسیر پیش کی....

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزم پہاڑوں کی مانند صمیم و محکم تھا آپ نے راہ حق میں جان قربان کرنے کا جو ارادہ کیا اس پر قائم رہے اور تیزی سے اسے پایہ تکمیل کو پہنچا کر فائز المرام ہوئے آپ کی تلوار ناموس دین کے لئے ہی میان سے نکلی تھی جس سے آپ کا مقصد دینِ اسلام کے محکم اصولوں کا تحفظ تھا...

تاریخ کے مطالعہ کے لئے درائتِ سلیم کی اشد ضرورت ہے مورخین یہاں تک کہ عمر ابوالنصر اور ابوالکلام آزاد جیسے درّاک بھی عشق حسین کی رو میں بہہ گئے ہیں اہل بصیرت جانتے ہیں کہ نبیؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کا یہ پر دردہ خوب سوچ سمجھ کر مدینے سے روانہ ہو کر مکے پہنچا تھا مدینے سے حج کے لئے پچیس بار پیادہ آنے والا مکے سے یوم حج سے صرف دو روز پہلے دوستوں کے مشورے کے خلاف کوفہ کو روانہ ہوا. اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدینے اور مکے میں اس کی نصرت کے لئے لوگ تیار نہ تھے وہاں قریش کی آبادی زیادہ تھی جو پیچ در پیچ وجوہ کی بناء پر حضرت علی علیہ السلام کا بھی

ساتھ دینے پر تیار نہ ہوئے تھے جس کے باعث وہ مدینے سے کوفے منتقل ہونے پر مجبور ہوئے حضرت حسینؑ کے پیش نظر حرمین شریفین کا احترام بھی تھا اور آپؑ وہ مینڈھا نہ بننا چاہتے تھے جس سے حرم محترم کی حرمت زائل ہو ان حقائق کے اظہر من الشمس ہونے کے بعد یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ان ہی مقامات کی طرف واپسی کی درخواست کی جہاں سے وہ خوب سوچ سمجھ کر روانہ ہوئے تھے پہلی کی طرح دوسری شرط بھی پکار پکار کے خود کو وضعی کہہ رہی ہے حضرت حسین علیہ السلام یزید کو خوب جانتے تھے کہ وہ معاویہ کا بیٹا اور فاسق و فاجر ہے اس سے کسی اچھے سلوک کی امید ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی نہ کرسکتا تھا، چہ جائیکہ بابِ مدینۂ علم کا فرزندِ ارجمند ایسے شخص سے اصلاح و بہتری کا خواہاں ہوتا تیسری شرط بھیرر وایتاً ضعیف ہے اور وہ اس لئے کہ مسلمانوں اور دین اسلام سے لاتعلقی کا گمان ابنِ رسول اللہ صلعم پر کسی طرح نہیں کیا جاسکتا. سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اسلامی اصولوں کی حفاظت کے لئے دشتِ کربلا میں اپنی، اپنے اعزہ واقربا اور احباب کی قربانی پیش کی ہے آپ نے یزید کی بیعت نہ کر کے

مسلمانوں کے لئے ایک محکم سنت چھوڑی ہے کہ فاسق و فاجر کی اطاعت ہرگز نہ کرنی چاہیئے خواہ جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

مسلمان سوائے اللہ کے کسی کا بندہ نہیں ہوسکتا اور اس کا سر کسی بھی طاغوتی طاقت کے سامنے نہیں جھک سکتا حضرت حسین علیہ السلام کی قربانی نے اس راز کی تفسیر پیش کی اور اس طرح سوئی ہوئی امت مسلمہ کو بیدار کردیا...

اقبالؒ نے درست فرمایا ہے مسلمان سوائے اللہ تعالیٰ کے تمام طاقتوں سے رشتہ توڑ چکا ہے اس کی تمام کوششیں باری تعالےٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہوتی ہیں اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا اور بات چیت سب اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے پابند ہوتے ہیں وہ دنیا کی کسی خارجی قوت سے خوف نہیں کھاتا اور نہ ہی نفسِ امارہ سے مغلوب ہوتا ہے اسے صرف اللہ تعالےٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے جس کے حصول کے لے وہ اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں بھی پس وپیش نہیں کرتا... حضرت حسین علیہ السلام عاشقِ مالکِ حقیقی تھے چنانچہ انہوں نے فرعونِ وقت یعنی یزید کی طاغوتی قوت کی ذرہ برابر بھی پروانہ کی اور دین اسلام کے زریں

اصولوں کی حفاظت میں اپنی جان تک قربان کردی آپؑ نے سب مصائب اس لئے برداشت کئے کہ مسلمانوں کے لئے ایک زندہ سنت چھوڑ جائیں تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کریں جو انسانی زندگی کا منتہائے مقصود ہے

حضرت حسین علیہ السلام نے نفی ماسوا کی تلوار کو بے نیام کیا اور اس کی برُش بے پناہ سے اہلِ باطل کی شہ رگ کو کاٹ ڈالا اس ابطالِ باطل کے بعد آپ نے دشتِ کربلا کے صفحے پر نقش توحید تحریر فرمایا اور اس طرح سنتِ حقا کو قائم کر کے ہمارے لئے نجات کا راستہ بنایا حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے رمز قرآن یعنی توحید کا سبق حضرت امام حسینؑ سے ہی حاصل کیا ہے اور مالکِ حقیقی کے عشق کی اس شدید حدّت اور جلن سے جو آپ حاصل کر چکے تھے حقیقی عشق کا سوز و گداز کسب کیا ہے...

اقبال جہاں اہل علم تھے وہاں اہل دل بھی تھے انہیں حضرت حسین علیہ السلام سے آپ کی راہ حق میں قربانی کی بنا پر والہانہ عشق تھا سچ تو یہ ہے کہ آنحضور صلعم اور حضرت علیؑ کے بعد آپ ہی ان کے محبوب تھے وہ مسلمانوں کے لئے آپ کی سنت پر عمل لازم قرار

دیتے ہیں درحقیقت آپ نے ہی اپنا سب کچھ قربان کر کے اثباتِ حق کیا جو ہم سب کے لئے مشعل راہِ ہدایت ہے...

بنوامیہ نے شام میں بڑی شان وشوکت سے حکومت کی بنوعباس نے بغداد کو مستقر بنا کر اپنا رعب ودبدبہ دنیا والوں پر بٹھایا اور سلاطین ہسپانیہ نے غرناطہ میں اپنا جاہ وجلال دکھایا خدا شاہد ہے کہ وہ سب مٹ گئے اور ملت نے انہیں یکسر بھلا دیا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے دشتِ کربلا میں اعلائے کلمۃ الحق کی جو تکبیریں آج سے چودہ سو سال پیشتر بلند کی تھیں ان کے تذکرے سے اب بھی ہمارے دل پر چوٹ پڑتی ہے اور ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے سچ ہے آخری فتح حق کو ہی نصیب ہوتی ہے اور دوامی قیام اسے ہی حاصل ہے حافظ علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
مثبت است پر جریدهٔ عالم دوام ما

بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالےٰ کی محبت میں اس کی خوشنودی کے لئے جان کی قربانی دیتے ہیں وہی بقائے دوام حاصل کرتے ہیں

حضرت حسین علیہ السلام نے بھی جان راہِ حق میں دے کر دوامی بقا حاصل کی آپ کی سنت اب بھی زندہ ہے اور طالبانِ حق کی راہِ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے.....

علامہ اقبالؒ کا حضرت حسین علیہ السلام سے والہانہ عشق اور بے پناہ عقیدت اس شعر سے خوب عیاں ہے یہاں آپ نے شعر کی صورت میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے آپ نے قصیدے کا اختتام اس خواہش و استدعا پر کیا ہے کہ صبا جو معشوق سے بچھڑے ہوئے دور افتادہ عاشق کی پیغامبر ہے ان کے آنسوؤں کو جو حضرت امام حسینؑ سے دوری کے باعث آنکھوں سے رواں رہتے ہیں، مزار مبارک پر پہنچا دے.....

ڈاکٹر صاحب نے جس انتہائی عقیدت کا اظہار حضرت حسین علیہ السلام سے کیا ہے بجز دیگر افرادِ اہلبیت اطہارؑ کے کسی دوسرے سے نہیں کیا سچ تو یہ ہے کہ آپ کی بے حد عقیدت کی بنیاد سبطِ رسول

صلعم کا وہ اسوہ حسنہ ہے جو آپ نے اثبات حق کے لئے دشتِ کربلا میں اپنی جان قربان کر کے پیش کیا ہے یہ سنت جو آپؐ نے چھوڑی ہے تمام مسلمانوں کے لئے مشعل راہِ ہدایت ہے اور ان کی دنیاوی اور اُخروی فلاح و بہبود کی ضامن ہے..

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

علامہ اقبالؒ کا خیال بالکل درست ہے بلاشبہ بیت اللہ شریف کی داستان عجیب، سادہ اور دلچسپ ہے، اس افسانے کے عجیب و غریب سادہ و سلیس اور دلفریب و دلچسپ ہونے کا واحد سبب یہ ہے کہ اس حرمِ محترم کے قیام کے لئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے وادیٔ غیر ذی ذرع میں شدتِ تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بتوں سے پاک کر کے اس کی حرمت کو بام عروج پر پہنچایا اور حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی جان کی قربانی دے کر اس حرمت کو قیامت تک کے لئے محکم بنا دیا. دوسرے لفظوں میں یہ کہ بیت اللہ کے حقِ حرمت کی ادائیگی کا آغاز حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اپنی جان راہِ خدا میں پیش کر کے کیا اور حضرت حسین علیہ السلام نے اس قربانی کا فدیہ اپنی جان قربان کر کے ذبح عظیم کی صورت میں دے کر اسے انتہائے کمال تک پہنچایا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

وہ حقیقت جس کا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا۔

بلاشک وشبہ حضرت حسین علیہ السلام کو قربانی عشقِ حقیقی کی نواز شات کا منتہا تھی

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

حضرت حسین علیہ السلام عاشقِ مالکِ حقیقی تھے راہ حق میں قربانی سے آپ کو وہ اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہوا ہے جو کسی کو نصیب نہ ہوسکا اور نہ تا قیامت ہو سکے گا. سبط رسولؐ کی قربانی لازوال حقیقت قرار دے دی گئی ہے جو مردانِ حر کے لیے مشعل راہ ہے. اربابِ باطل کا مکر و زور فریب و دغل اور کذب و دجل نت نئی صورتیں اور راستے اختیار کرتے رہتے ہیں علامہ کے نزدیک حضرت امام حسین علیہ السلام کی سنت اب تک قائم، اٹل اور محکم

ہے بخلاف اس کے ظالموں اور اہلِ باطل کے ہتھکنڈے زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں مختصر یہ ہے کہ حق آزاد اور زمانے کے تقاضوں سے بے نیاز ہے جبکہ باطل زمانے کا پابند اور وقت کا غلام ہے.....

قافلہ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اقبال کا خیال ہے کہ امت مسلمہ تمام اسلامی اقدار کھو چکی ہے اس میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت حسین علیہ السلام کی سنت پر گامزن ہو کر اثباتِ حق کے لئے باطل سے معرکہ آرا ہو. حالانکہ دجلہ و فرات کی سرزمین اب تک ایسے سرفروش شہید کو دعوت حق طلبی دے رہی ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ عراق عرب کی

سرزمین اب تک باطل کے شکنجے میں ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ہر ایسے فرد کے لئے پر کشش ہوگئی ہے جو حضرت حسین علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر انہیں استبداد کے چنگل سے نجات دلائے لیکن یہ امر باعث مایوسی ہے کہ اس امت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اسے آزادی دلائے علامہ کی نظروں میں عراق عرب پر انگریزوں کا تسلط بڑی بری طرح کھٹکتا تھا اور وہ اس کی آزادی کے خواہاں تھے امت مسلمہ کی عام غلامی نے انہیں مایوس کر دیا تھا اور انہیں امید نہ تھی کہ اس کا کوئی فرد اسے آزادی سے ہمکنار کرا سکے گا...

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اقبالؒ کے نزدیک عشق ہی مالکِ حقیقی پر قربانی پیش کرنے کی

جرات پیدا کرتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راہ صدق اختیار کی اور عشقِ الٰہی سے سرمایہ دار ہو کر بے خطر اثبات حق کے لئے جلتی آگ میں کود پڑے۔ آنحضورؐ نے غزوات بدر و حنین میں اسی عشق کی بدولت فتح پائی۔ آپ ہی کی سنت پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمل کیا اور راہِ حق پر گامزن رہ کر تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انسان کو نفسِ مطمئنہ اور نفسِ امارہ ہر دو عطا کئے گئے ہیں مالکِ حقیقی کا عشق نفسِ مطمئنہ کو اتنا قوی کر دیتا ہے کہ وہ نفس امارہ پر فتح یاب ہو کر انسان کی فلاح و بہبود کا باعث بنتا ہے الغرض انسان کا نجات دہندہ عشقِ الٰہی ہی ہے

اك فقر سكھاتا هے صيّاد كو نخچيرى!
اك فقر سے كھلتے هيں اسرار جهانگيرى!
اك فقر سے قوموں ميں مسكينى و دلگيرى!
اك فقر سے مٹى ميں خاصيت اكسيرى!

اك فقر ھے شبیریؑ اس فقر میں ھے میری!
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیریؑ!

علامہ اقبال کے نزدیک دو قسم کے فقر ہیں ایک فقر تو بہادر کو بزدل اور راہب بنا دیتا ہے اور دوسرا انسان میں شاہانہ تمکنت اور وقار پیدا کرتا ہے حضرت حسین علیہ السلام کا فقر دوسری قسم کے فقر کی زندہ مثال ہے... آپ کا فقر انسان کو سرداری عطا کر کے اسے عزت بخشتا ہے یہی فقر مسلمانوں کے لئے سبطِ رسولؐ کی طرف سے میراث قرار پایا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ آپ کی سنت پر عمل کر کے اثباتِ حق کے لئے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں..
اللہ و رسولؐ اور دین اسلام سے والہانہ محبت ہی نواسہ نبی صلعم کی متاعِ عزیز تھی اور یہی متاعِ گرانمایہ مسلمانوں نے آپ سے ورثے میں پائی ہے اب اگر وہ اس ورثے کو بحفاظت رکھیں

اك فقر ھے شبیریؑ اس فقر میں ھے میری!
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیریؑ!

علامہ اقبال کے نزدیک دو قسم کے فقر ہیں ایک فقر تو بہادر کو بزدل اور راہب بنا دیتا ہے اور دوسرا انسان میں شاہانہ تمکنت اور وقار پیدا کرتا ہے حضرت حسین علیہ السلام کا فقر دوسری قسم کے فقر کی زندہ مثال ہے...آپ کا فقر انسان کو سرداری عطا کر کے اسے عزت بخشتا ہے یہی فقر مسلمانوں کے لئے سبطِ رسولؐ کی طرف سے میراث قرار پایا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ آپ کی سنت پر عمل کر کے اثباتِ حق کے لئے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں..
اللہ و رسولؐ اور دین اسلام سے والہانہ محبت ہی نواسہ نبی صلعم کی متاعِ عزیز تھی اور یہی متاعِ گرانمایہ مسلمانوں نے آپ سے ورثے میں پائی ہے اب اگر وہ اس ورثے کو بحفاظت رکھیں

جائے..

علامہ اقبالؒ کا خیال ہے کہ امت مسلمہ دینی اقدار کو ہاتھ سے کھو بیٹھی ہے اس کی مثال زمینِ شور اور ویرانے کی سی ہے کہ جہاں تخم ریزی فعلِ عبث سمجھی جاتی ہے امت مسلمہ کی اخلاقی اور دینی کھیتی بھی سوکھی ہوئی ہے اور اس وقت تک سرسبز نہیں ہوسکتی اور نہ ہی پیداوار دے سکتی ہے جب تک کہ مسلمان اسے حضرت امام حسین علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے خون سے سیراب نہ کریں. سبط رسولؐ کی سنت پر عمل ہی اس امت کو غلامی کے چنگل سے آزاد کراسکتا ہے مالکِ حقیقی سے عشق رکھنے والا انسان اس نکتہ کو سمجھتا ہے اور نواسۂ رسولؐ کی سنت پر عمل ہی کو باعث نجات امت قرار دیتا ہے اس رباعی میں علامہ قلندر سے مخاطب ہیں اور مسلمانوں کو نصیحت کررہے ہیں کہ وہ قیل وقال، بحث و مباحثہ، تقریر وتحریر سب کو چھوڑ کر دین اسلام کے اصولوں کی

حفاظت کے لئے اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں تا کہ اسلام زندہ ہو اور وہ دنیا و عقبیٰ کی فلاح و بہبود حاصل کر سکیں..

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں کو نام نہاد تصوف سے بے حد نقصان پہنچا ہے چنگیز و ہلاکو کی تاخت و تاراج نے مسلمانوں کے رہے سہے حوصلے بھی پست کر دیے ان میں سے بعض نے مے خواری کے دامن میں پناہ لی بعض نے ترک دنیا میں فلاح کی صورت پائی اور بعض نے غلامی پر ہی صبر اختیار کیا الغرض مسلمانوں میں بہادری کے اوصاف مفقود ہو کر رہ گئے علامہ اقبالؒ اس تصوف سے متنفر ہیں جو مسلمانوں کو جرات سے عاری عمل سے

بے گانہ اور جد و جہد سے محترز بنائے. وہ خانقاہی فقرا اور رہبانیت کو اسلامی شعار کے منافی قرار دیتے ہیں سچ بھی یہی ہے کہ اسلام ترکِ دنیا نہیں سکھاتا. اس سچے دین میں رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے عزلت نشینی محمود نہیں بلکہ مذموم قرار دی گئی ہے خانقاہوں میں اللہ ہو کے نعرے نہ تو فردِ واحد کی نجات کے ضامن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی جماعت قوم اور امت کی فلاح کا ذریعہ بن سکتے ہیں.. علامہ کے نزدیک خانقاہیں امت مسلمہ کے لئے مضرت رساں ہیں وہ تو مسلکِ شبیریؑ کے دلدادہ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان خانقاہوں کو چھوڑ دیں اور عمل کی دنیا میں قدم رکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی سنت پر چلیں اور اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر امت کی فلاح کا ذریعہ بنیں اس شعر میں وہ ایک مسلمان کو یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ دینِ اسلام کے اصولوں کی حفاظت کے لئے سبطِ رسولؐ کے نقشِ قدم پر چلے اور اپنی جان کی

قربانی دیکر دینِ حق کو بام عروج پر پہنچائے.....

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ھے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ھے

علامہ اقبال اس شعر میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے والہانہ محبت کا اظہار فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ جیسا پیار انہیں سبطِ رسول صلعم سے ہے اسی نوعیت کی محبت اللہ تعالے کو یتیموں کی دعا سے ہے. سچ ہے یتیم اللہ تعالےٰ کا اس قدر پیارا ہوتا ہے کہ اس کی دعا کے استقبال کے لئے اجابت درگاہ باری تعالیٰ سے آتی ہے.

رونے والا ھوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا دُر مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے

حضرت امام حسین علیہ السلام معنیٰ ذبحِ عظیم اور سبطِ رسول صلعم ہیں آنحضور صلعم نے فرمایا ہے کہ ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں'' علامہ اقبال حضرت امام حسین علیہ السلام سے انتہائی محبت رکھتے ہیں آپ کی راہِ حق میں قربانی بے مثال تھی. آپ پر اربابِ باطل نے بڑا ظلم کیا. آپ کو، آپ کے اعوان انصار کو، آپ کے اعزہ واقربا کو اور آپ کی اولاد کو قتل کیا. ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے .. اور پسماندگان مخدراتِ عصمت اور بچوں کو گرفتار کر کے بے کجاوہ اونٹوں پر دمشق تک لے گئے. اقبال قلبی محبت اور وقت سے مجبور ہو کر آپ کے غم میں آنسو بہاتے ہیں اور اس ہمدردی اور مودت کا اجر یہ چاہتے ہیں کہ رسولِ مقبول صلعم انہیں دنیا و عقبیٰ میں اپنی شفاعت سے نوازیں... دنیا میں ان کی شفاعت یہ کہ وہ دنیاوی زندگی میں کامران و کامگار رہیں اور اُخروی شفاعت یہ کہ عقبیٰ میں ابتلا سے نجات پا کر سرخرو

ہوں.....

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب منبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

نوٹ: علامہ اقبال اور ان کا ولایتِ مطلقہ سے عشق اس کی تفصیل کے لئے میری کتاب رومی و اقبال در حکمتِ قرآن، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب فکرِ اقبال اور سید محبوب علی واسطی کی کتاب اقبال اور حبِ اہل بیتِ اطہارؑ کا مطالعہ کیجئے۔۔۔